تصحیح شدہ ایڈیشن
مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا
يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ
(بخاری، مسلم عن معاویہؓ)
کتاب الصوم تا آخر
العلم المنور
اردو شرح
الفقہ المیسر
جلد دوم
مبتدی، منتہی طلبائے کرام
بالخصوص ائمہ مساجد کیلئے انتہائی مفید
۱ مکمل و صحیح اعراب
۲ حل لغات
۳ صرفی تحقیق
۴ آسان لفظی ترجمہ
۵ مسائل کی حسب ضرورت مکمل و مدلل تشریح
۶ ابواب کے مناسب مفید مسائل کا اضافہ
تالیف
ابو جریر حضرت مولانا احسان اللہ دولی صاحب مدظلہ
فاضل مدرسہ عربیہ رائیونڈ، استاذ جامعہ ابن عباس تخت بھائی مردان خیبر پختونخواہ
مکتبہ ابن عباس
تخت بھائی (مردان) فون: 0336-9559130

نام کتاب: اَلْعِلْمُ الْمُنَوَّر اردو شرح اَلْفِقْهُ الْمُيَسَّر

تالیف: ابو حمزہ حضرت مولانا احسان اللہ دولیؔ صاحب مدظلہ

کمپوزنگ ومرتب: مولوی اختر عالم فاضل جامعہ ابن عباس تخت بھائی

صفحات: ۱۹۶

ناشر: مکتبہ ابن عباس تخت بھائی

عرض ناشر: الحمد للہ اگرچہ اَلْعِلْمُ الْمُنَوَّر کی تصحیح، طباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا گیا ہے لیکن کبھی کبھی اس کے باوجود کوئی غلطی رہ جاتی ہے لہٰذا اگر کسی صاحب علم کو کوئی غلطی نظر آئے تو براہِ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے۔

ملنے کے پتے

مکتبہ دار الاخلاص پشاور
مکتبہ حذیفہ بخشالی
مدنی کتب خانہ صوابی
مکی کتب خانہ صوابی
مکتبہ الاحرار مردان
مکتبہ امیر زادہ پشاور
مکتبہ عمر فاروق پشاور
مکتبہ الیاس مردان
مکتبہ نعیمیہ مردان
مکتبہ اسلامیہ شیرگڑھ
کتب خانہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
مکتبہ ابو طلحہ سخاکوٹ
مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
مکتبہ صدیقیہ ینگورہ
مکتبہ الحرم اکوڑہ خٹک
ادارۃ النور جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی
دینی کتب خانہ تیمرگرہ
اسلامی کتب خانہ لاہور
مکتبہ الرشید نزد جامعہ دار العلوم کراچی
مکتبہ الحسن بونیر
مکتبہ دیوبند کوہاٹ
مکتبہ مصطفیٰ چکدرہ

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلصَّوْمُ

اَلصَّوْمُ لُغَةً: هُوَ الْإِمْسَاكُ وَالْإِمْتِنَاعُ عَنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ۔ يُقَالُ صَامَ عَنِ الطَّعَامِ: إِذَا امْتَنَعَ عَنْهُ، وَصَامَ عَنِ الْكَلَامِ: إِذَا أَمْسَكَ عَنْهُ، فَلَمْ يَنْطِقْ، وَمِنْ ذَالِكَ قَوْلُهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِيْ سُوْرَةِ مَرْيَمَ: ﴿فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَداً فَقُوْلِيْ إِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْماً فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا﴾ (مریم الآیۃ: ۲۶) وَالصَّوْمُ شَرْعاً: هُوَ الْإِمْتِنَاعُ قَصْداً عَنْ شَهْوَةِ الْفَرْجِ، وَعَنْ إِدْخَالِ شَيْئٍ عَمْداً أَوْ خَطَأً إِلَى الْبَطْنِ، أَوْ مَا لَهُ حُكْمُ الْبَطْنِ، مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ حَتّٰى غِيَابِ الشَّمْسِ تَعَبُّداً لِلّٰهِ تَعَالَى، إِسْتِجَابَةً لِأَمْرِهٖ، أَوْ تَزَلُّفاً إِلَيْهِ۔

حلِ لغات: اَلْإِمْسَاكُ؛ مصدر ہے بابِ افعال کا بمعنی رُکنا۔ اَلْإِمْتِنَاعُ؛ مصدر ہے بابِ افتعال کا بمعنی باز رہنا۔ لَمْ يَنْطِقْ؛ صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد بلم در فعل مستقبل معروف از باب ضرب بمعنی نہیں بولا۔ شَهْوَةِ الْفَرْجِ؛ سے مراد جماع اور انزال ہے۔ تَزَلُّفاً؛ مصدر ہے باب تفعُّل کا بمعنی قریب ہونا۔

ترجمہ: روزہ لغت کے اعتبار سے کسی بات یا کسی کام سے رُکنے اور باز رہنے کو کہتے ہیں۔ "صَامَ عَنِ الطَّعَامِ" اس وقت (عربوں کے ہاں) بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کھانے سے رُک جائے، اور "صَامَ عَنِ الْكَلَامِ" اُس وقت (عربوں کے ہاں) بولا جاتا ہے جب کوئی شخص بات کرنے سے رُک جائے اور گفتگو نہ کرے۔ اور اسی سے باری تعالیٰ کا سورۂ مریم میں ارشاد ہے: ترجمہ: "پھر اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی دیکھو تو کہہ دو کہ یقیناً میں نے رحمٰن کے واسطے روزہ کی مَنّت مان رکھی ہے سو میں آج کسی آدمی سے نہیں بولوں گی"۔ اور روزہ شریعت کے اعتبار سے: وہ بالارادہ رُکنا ہے شرمگاہ کی شہوت (جماع) سے اور پیٹ میں یا اُس جگہ میں جو پیٹ کے حکم میں ہو کسی چیز کو جان کر یا غلطی سے داخل کرنے سے، طلوعِ صبح صادق سے غروبِ شمس تک اللہ کی عبادت سمجھ کر، اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لئے یا اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ جب ارکانِ اسلام میں سے نماز کے مسائل کو بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب دوسرا رُکن روزہ کو بیان فرماتے ہیں؛ چونکہ روزہ بھی نماز کی طرح بدنی عبادت ہے اس لئے نماز کے بعد اب روزہ کے احکام کو بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ بدنی عبادت کا تذکرہ بدنی عبادت کے ساتھ ہو جائے۔ چونکہ روزہ کو عربی زبان میں "صوم" کہتے ہیں اس لئے مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے صوم کی دو تعریفیں کی ہیں: (۱) لغوی۔ (۲) شرعی اصطلاحی۔ لغوی کا مطلب کہ لغۃً یعنی زبان والے (عرب لوگ) صوم کس کو کہتے ہیں۔ اور شرعی اصطلاحی کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کی زبان میں صوم کس کو کہتے ہیں۔

لغوی تعریف کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ کسی بھی چیز سے چاہے کھانا، پینا ہو یا بات ہو یا کوئی کام ہو اس سے رُکنا اور نہ کرنا "صوم" کہلاتا ہے۔ اس پر بطورِ دلیل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عربوں کا کلام اور قرآن کی آیت پیش کی ہے جس میں گفتگو وغیرہ سے رُک

جانے کو بھی صوم (روزہ) کہا گیا ہے۔

اور شرعی تعریف کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ طلوعِ صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک روزہ توڑنے والی چیزوں (کھانا، پینا، جماع) سے رُکنے کو "صوم" (روزہ) کہتے ہیں۔ لیکن چند شرطوں کے ساتھ: (١) پہلی شرط کی طرف مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے "قَصْداً" سے یعنی یہ رُکنا روزہ کی نیت اور ارادے سے ہو اگر بغیر روزہ کی نیت کے کھانے، پینے اور جماع سے رُکا رہا تو یہ روزہ نہیں کہلائے گا جیسا کہ بعض مرتبہ آدمی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے پورا دن کچھ کھاتا، پیتا نہیں تو اس کو کوئی روزہ دار نہیں کہتا کیونکہ اس کی روزہ کی نیت نہیں ہوتی۔
(٢) دوسری شرط کی طرف مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے "عَمْداً أَوْ خَطَأً" سے کہ کسی چیز کو پیٹ میں داخل کرنے سے رُکنا (چاہے منہ کی طرف سے ہو یا ناک کی طرف سے نیز چاہے وہ چیز عادتاً کھائی جاتی ہو جیسے کھانا، دوائی وغیرہ یا نہ کھائی جاتی ہو جیسے لوہے یا پتھر کا کوئی ٹکڑا) جان بوجھ کر ہو یا غلطی سے لہٰذا اگر بھول کر یہ تینوں کام کر لئے تو اس سے روزہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

"عَمْداً" (جان بوجھ کر) کرنے کا مطلب تو واضح ہے، "خَطَأً" کا مطلب یہ ہے کہ روزہ آدمی کو یاد ہے لیکن غلطی سے کوئی چیز پیٹ میں چلی گئی مثلاً وضو یا غسل کرتے وقت کُلّی یا غرغرہ کر رہا تھا کہ اچانک حلق سے پانی اتر گیا تو اس صورت میں بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ پیٹ میں داخل کرنے سے رُکنا یا اُس جگہ میں جو پیٹ کے حکم میں ہے اس سے مراد دماغ ہے یعنی ایسی دوائی جو دماغ میں پہنچ جائے اس سے بھی رُکنا۔

فائدہ: خطاء (غلطی سے کرنا) اور نسیان (بھول کر کرنے) میں فرق ہے: خطا میں آدمی کو روزہ کی حالت یاد رہتی ہے اور کام کا ارادہ نہیں ہوتا اور بھول میں آدمی کو روزہ یاد نہیں رہتا البتہ جو کام کر رہا ہوتا ہے کھانا یا پینا وہ ارادہ کر کے کرتا ہے۔ چنانچہ نسیان (بھول) معاف ہے لیکن خطاء (غلطی) معاف نہیں ہے۔

فَرْضِيَّةُ الصَّوْمِ

صَوْمُ رَمَضَانَ فَرِيْضَةٌ فَرَضَهَا اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ مُحْكَمِ تَنْزِيْلِهٖ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرة: ١٨٣) وَقَالَ تَعَالٰى: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ. فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرة: ١٨٥) وَهُوَ الرُّكْنُ الرَّابِعُ مِنْ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ،﴾ (رواه البخاري، ومسلم) أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّ صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَرْضُ عَيْنٍ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ، لَمْ يُخَالِفْ فِيْ فَرْضِيَّتِهٖ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ.

ترجمہ: روزے کا بیان: اور روزہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم پرہیزگار بن جاؤ"۔ اور اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے: "رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآنِ مجید نازل کیا گیا جو ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور روشن دلیلیں ہیں راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی"۔ سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو تو اس کو ضرور اِس میں روزہ رکھنا چاہیئے۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: ایک اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کو قائم کرنا، اور زکوٰۃ ادا کرنا، اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ اور رمضان کے روزے رکھنا۔ پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رمضان کے مہینہ کے روزے رکھنا ہر مکلّف شخص پر فرض ہے۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے روزوں کی فرضیت کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے، نیز امت سے مراد امتِ مسلمہ ہے اور مکلّف شخص سے مراد بالغ، عاقل، مسلمان ہے۔ روزہ اسلام کی اہم ترین عبادت ہے اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رُکن ہے۔ روزہ دراصل اپنے خالق ومعبود سے عشق ومحبت اور کامل تعلق کا مظہر ہے، کھانے کے سارے اسباب موجود ہیں لیکن ایک دانہ حلق سے نیچے نہیں جاسکتا پانی کی کمی نہیں لیکن کیا مجال ہے کہ کوئی گھونٹ حلق کو تر کرے۔ دن بھر تپنے کے بعد سورج ڈوبتے ہی اللہ ہی حکم سے روزہ دار کھاتا اور پیتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "کہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا یا میں خود اس کی جزاء ہوں"۔ قرآنِ کریم کی زبان میں روزہ کا مقصد خاص تقویٰ کا حصول ہے۔

عَلٰى مَنْ يُفْتَرَضُ صِيَامُ رَمَضَانَ: يُفْتَرَضُ صِيَامُ رَمَضَانَ أَدَاءً وَقَضَاءً عَلَى الَّذِيْ تَجْتَمِعُ فِيْهِ الشُّرُوْطُ الْاٰتِيَةُ: ١۔ أَنْ يَّكُوْنَ بَالِغاً، فَلَا يُفْتَرَضُ الصِّيَامُ عَلَى الصَّبِيِّ۔ ٢۔ أَنْ يَّكُوْنَ مُسْلِماً، فَلَا يُفْتَرَضُ عَلَى الْكَافِرِ۔ ٣۔ أَنْ يَّكُوْنَ عَاقِلاً، فَلَا يُفْتَرَضُ عَلَى الْمَجْنُوْنِ۔ ٤۔ أَنْ يَّكُوْنَ بِدَارِ الْإِسْلَامِ، أَوْ كَانَ عَالِماً بِوُجُوْبِ الصَّوْمِ إِذَا كَانَ بِدَارِ الْحَرْبِ۔

حلِّ لغات: دَارُ الْحَرْبِ: بمعنی لڑائی کا گھر، مراد اس سے کافروں کا ملک ہے کیونکہ کافر ہر وقت مسلمان سے برسرِپیکار رہتا ہے اس لئے کافروں کے ملک کو دارالحرب (لڑائی کا گھر) کہتے ہیں۔

ترجمہ: رمضان کے روزے کس پر فرض ہوتے ہیں؟ رمضان کے روزے باعتبار ادائیگی اور قضاء اس شخص پر فرض ہوتے ہیں جس میں آنے والی شرطیں جمع ہوں۔ (۱) ایک یہ ہے کہ (وہ روزہ رکھنے والا) بالغ ہو، لہٰذا بچے پر روزہ فرض نہیں ہے۔ (۲) یہ ہے کہ مسلمان ہو، لہٰذا کافر پر روزہ فرض نہیں ہے۔ (۳) یہ ہے کہ عقلمند ہو، لہٰذا دیوانہ پر روزہ فرض نہیں ہے۔ (۴) یہ ہے کہ وہ (روزہ دار) مسلمانوں کے ملک میں ہو، یا روزہ کے فرض ہونے سے واقف ہو جبکہ کافروں کے ملک میں ہو۔

تشریح: روزہ سے متعلق مختلف قسم کی شرطیں ہیں: (۱) واجب ہونے کی شرطیں۔ (۲) واجب ہونے کے بعد پھر اس کی ادائیگی کے واجب ہونے کی شرطیں۔ (۳) روزہ کے درست ہونے کی شرطیں۔ مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی قسم کی شرطوں کو بیان فرمایا ہے ان کو شرائطِ وجوب کہتے ہیں۔ چنانچہ رمضان کا روزہ شرعاً فرض ہے، اہلِ سِیَر کے بیان کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال روزہ فرض کیا گیا ہے۔ روزہ کے فرض ہونے کی چار بنیادی شرطیں ہیں جس شخص میں یہ چاروں شرطیں پائی جائیں گی اُسی پر روزہ فرض ہوگا ورنہ

نہیں۔(۱) بالغ ہونا۔(۲) مسلمان ہونا۔(۳) عاقل ہونا یعنی دماغی طور پر متوازن ہونا۔(۴) یا تو مسلمانوں کے ملک میں ہو، اور اگر کافروں کے ملک میں ہو جہاں اسلامی تعلیمات سے بالکل بے خبری ہوتی ہے تو وہاں پر روزہ کے فرض ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس کو روزہ کی فرضیت کا علم بھی ہو۔

فائدہ: دارالاسلام کی تعریف: دارالاسلام سے مراد ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو۔ فقہی اعتبار سے دارالاسلام بننے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ مسلمانوں کی حکومت ہو، عملاً قرآن وسنت کا نفاذ ہو یا نہ ہو۔ جیسے پاکستان۔ تاہم قرآن وسنت کے نفاذ سے محرومی بڑے خسارے کی بات ہے۔

دارالحرب کی تعریف: دارالحرب سے مراد ایسا ملک ہے جہاں کافروں کی حکومت ہو، خواہ وہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد ہو، جیسے چین اور ہندوستان۔

عَلٰى مَنْ يُفْتَرَضُ أَدَاءُ الصَّوْمِ: ١۔يُفْتَرَضُ أَدَاءُ الصَّوْمِ عَلٰى مَنْ كَانَ مُقِيماً.فَلَا يُفْتَرَضُ أَدَاءُهٗ عَلَى الْمُسَافِرِ۔ ٢۔يُفْتَرَضُ أَدَاءُهٗ عَلٰى مَنْ كَانَ صَحِيحاً.فَلَا يُفْتَرَضُ أَدَاءُهٗ عَلَى الْمَرِيضِ۔ ٣۔يُفْتَرَضُ أَدَاءُهٗ عَلَى الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ طَاهِرَةً مِنَ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ۔فَلَا يُفْتَرَضُ أَدَاءُهٗ عَلَى الْحَائِضِ وَلَا عَلَى النُّفَسَاءِ. بَلْ لَا يَجُوزُ أَدَاءُهٗ مِنَ الْحَائِضِ وَالنُّفَسَاءِ۔

حل لغات: حَائِضٌ؛ بمعنی وہ بالغہ عورت جس کو مہینہ کے مخصوص ایام میں رحم سے خون آئے۔ نُفَسَاء؛ جمع ہے نَافِسَةٌ کی بمعنی وہ عورت جس کو بچہ کی ولادت کے بعد خون آئے۔

ترجمہ: کن لوگوں پر روزہ کی ادائیگی فرض ہے؟(۱) روزہ کی ادائیگی اس شخص پر فرض ہے جو مقیم ہو، لہٰذا مسافر پر روزہ کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔(۲) روزہ کی ادائیگی اس شخص پر فرض ہے جو تندرست ہو، لہٰذا بیمار پر روزہ کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔(۳) روزہ کی ادائیگی عورت پر فرض ہے جبکہ وہ حیض ونفاس سے پاک ہو، لہٰذا روزہ کی ادائیگی حیض والی عورت پر فرض نہیں ہے اور نہ ہی نفاس والی عورت پر، بلکہ حیض ونفاس والی عورت کی طرف سے روزہ کی ادائیگی جائز ہی نہیں۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ روزں سے متعلق شرائط کی دوسری قسم بیان کرتے ہیں یعنی وہ شرائط جن کے پائے جانے کے بعد روزہ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔(۱) پہلی شرط: روزہ کی ادائیگی (یعنی روزہ رکھنا) اس شخص پر فرض ہے جو مقیم ہو لہٰذا اگر کوئی شخص شرعی مسافر ہو (جس کا بیان کتاب الصلوٰۃ کے باب "مسافر کے احکام" میں گذر چکا ہے) تو اس پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے بلکہ سفر سے واپسی پر قضاء رکھنا ضروری ہوگا۔

فائدہ: عصرِ حاضر میں جدید سفری سہولیات (ہوائی جہاز، ٹرین، بس، کار وغیرہ) کی وجہ سے سفر اتنا پُر مشقت نہیں رہا لیکن پھر بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے کیونکہ شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت سفر کی وجہ سے دی ہے جو ان تمام تر سہولیات کے باوجود پایا جاتا ہے۔ تاہم اس رخصت کے باوجود اگر کوئی روزہ رکھ لے تو بہتر ہے تاکہ رمضان المبارک کی برکات سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جاسکے۔

(۲) دوسری شرط: یہ ہے کہ آدمی تندرست ہو، لہٰذا مریض پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، جب صحت مند ہو جائے تو ان روزوں کی قضاء رکھے گا۔

تنبیہ: لیکن مرض سے مراد وہ مرض ہے کہ جس مرض کے ساتھ روزہ رکھنے سے جان جانے یا کسی عضو یا کسی صلاحیت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا یا طول پکڑنے کا اندیشہ ہو جیسے گردوں کا مرض یا کالا یرقان وغیرہ تو ان مذکورہ تمام صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے۔

(۳) تیسری شرط: کہ عورت حیض ونفاس سے پاک ہو۔ حیض اور نفاس کے دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حکم حدثِ اکبر کی تین قسموں میں سے صرف حیض ونفاس کے ساتھ خاص ہے، لیکن اگر جنابت لاحق ہو خواہ مرد کو یا عورت کو تو یہ جنابت والی ناپاکی روزہ کے لئے رکاوٹ نہیں بنے گی، بلکہ جنابت کی حالت میں بھی روزہ رکھنا جائز ہے اور روزہ کی حالت میں جنابت لاحق ہو جائے (احتلام ہو جائے) تو روزہ ٹوٹتا بھی نہیں ہے۔

مَتٰى يَصِحُّ أَدَاءُ الصَّوْمِ: يَصِحُّ أَدَاءُ الصَّوْمِ إِذَا تَوَفَّرَتِ الشُّرُوْطُ الْآتِيَةُ: ١- أَنْ يَّنْوِيَ بِالصَّوْمِ فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ تَصِحُّ فِيْهِ النِّيَّةُ۔ ٢- أَنْ تَكُوْنَ الْمَرْأَةُ طَاهِرَةً مِنَ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ۔ ٣- أَنْ يَّكُوْنَ الصَّائِمُ خَالِياً مِنَ الْأَشْيَاءِ الَّتِيْ تُفْسِدُ الصِّيَامَ كَالْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ، وَالْجِمَاعِ وَمَا فِيْ حُكْمِ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ۔ ٤- وَلَا يُشْتَرَطُ لِصِحَّةِ أَدَاءِ الصَّوْمِ أَنْ يَّكُوْنَ الصَّائِمُ خَالِياً مِنَ الْجَنَابَةِ۔

حلِّ لغات: تَوَفَّرَتْ، بمعنی کامل طور پر پائی جائیں۔

ترجمہ: روزہ کی ادائیگی کب درست ہو گی؟ روزہ کی ادائیگی درست ہوتی ہے جبکہ آنے والی شرطیں کامل طور پر پائی جائیں: (۱) یہ ہے کہ روزہ کی نیت اُس وقت میں کرے جس میں نیت کرنا درست ہو۔ (۲) یہ ہے کہ عورت حیض ونفاس سے پاک ہو۔ (۳) یہ ہے کہ روزہ رکھنے والا اُن چیزوں سے خالی ہو جو روزے کو خراب کر دیتی ہیں، جیسے کھانا، اور پینا، اور ہمبستری کرنا، اور وہ باتیں جو اِن چیزوں کے حکم میں ہوں۔ (۴) اور روزہ کی ادائیگی کے درست ہونے کے لئے اِس بات کی شرط نہیں لگائی جاتی کہ روزہ دار جنابت سے خالی ہو۔

تشریح: اگر کوئی شخص روزہ فرض ہونے کے بعد روزہ رکھ لے تو اس روزے کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے درج ذیل تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

پہلی شرط: نیت کرنا بشرطیکہ ایسے وقت میں ہو جس میں نیت کرنا صحیح بھی ہو، (رمضان المبارک کے روزے اور نفل روزے کی نیت کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر آدھا دن کے نکلنے سے پہلے تک ہے۔ اور رمضان کے قضاء روزے کی نیت کا وقت پوری رات ہے، طلوعِ فجر کے بعد نیت درست نہیں) نیت کی پوری تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔

دوسری شرط: عورت کا دن بھر حیض ونفاس سے پاک رہنا۔ چنانچہ اگر عورت شروع دن میں پاک تھی مگر روزہ شروع کرنے کے بعد دن کے کسی حصہ میں ناپاک ہو گئی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

تیسری شرط: روزے کا اُن تمام باتوں سے خالی ہونا جو روزہ کو توڑ دیتی ہیں، جیسے کھانا، پینا، ہمبستری وغیرہ وہ تمام اشیاء جو کھانے، پینے، اور جماع کے حکم میں ہیں۔ (ان اشیاء کی تفصیل آگے آرہی ہے)

چوتھی بات بطورِ فائدہ کے بتاتے ہیں کہ روزہ کی صحت کے لئے جنابت سے پاک ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اس لئے کہ اول تو عام طور سے جنابت رات کو لاحق ہوتی ہے جو کہ روزے کا وقت نہیں ہے اور اگر دن کو بھی لاحق ہو جائے جیسا کہ احتلام یعنی نیند میں جنابت کا لاحق ہونا، یا جنابت تو رات کو لاحق ہوئی لیکن غسل کرنے سے پہلے ہی دن طلوع ہوا تو اس کو دور کرنے پر انسان قادر ہے بخلاف حیض ونفاس کے کہ اس کو دور کرنے پر انسان قدرت نہیں رکھتا۔

أَنْوَاعُ الصِّيَامِ: يَنْقَسِمُ الصِّيَامُ إِلَى سِتَّةِ أَنْوَاعٍ: ١۔ فَرْضٌ۔ ٢۔ وَاجِبٌ۔ ٣۔ مَسْنُوْنٌ۔ ٤۔ مَنْدُوْبٌ۔ ٥۔ مَكْرُوْهٌ۔ ٦۔ مُحَرَّمٌ۔ ١۔ أَمَّا الْفَرْضُ: فَهُوَ صَوْمُ رَمَضَانَ۔ ٢۔ أَمَّا الْوَاجِبُ: فَهُوَ: (الف) قَضَاءُ مَا أَفْسَدَهُ مِنْ صِيَامِ التَّطَوُّعِ۔ (ب) أَلصَّوْمُ الْمَنْذُوْرُ۔ (ج) صِيَامُ الْكَفَّارَاتِ۔ يَلْزَمُ صِيَامُ الْكَفَّارَاتِ فِي الصُّوَرِ الْآتِيَةِ: (الف) أَلْإِفْطَارُ عَمْدًا فِيْ رَمَضَانَ بِدُوْنِ عُذْرٍ۔ (ب) أَلْجِمَاعُ فِيْ نَهَارِ رَمَضَانَ عَمْدًا۔ (ج) أَلظِّهَارُ۔ (د) أَلْحِنْثُ فِي الْيَمِيْنِ۔ (ه) إِرْتِكَابُ بَعْضِ الْمَحْظُوْرَاتِ فِيْ فَتْرَةِ الْإِحْرَامِ۔ (و) قَتْلُ الْخَطَإِ وَمَا فِيْ حُكْمِهٖ۔

حلِّ لغات: ظِهَارٌ، کا لفظ ''ظَهْرٌ'' سے ماخوذ ہے، ''ظَهْرٌ'' کے معنی پشت کے ہیں، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں طلاق کے لئے جہاں اور الفاظ استعمال کئے جاتے تھے، وہیں یہ تعبیر بھی اختیار کی جاتی تھی کہ شوہر اپنی بیوی سے کہتا "تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے" چونکہ سواری پشت پر کی جاتی ہے، اسلئے عرب سواری کو بھی ''ظَهْرٌ'' کہتے ہیں۔ عورت بھی چونکہ صنفی تعلق کے وقت مرد کے لئے سواری کے درجہ میں ہوتی ہے اسلئے یہ ازدواجی تعلق بھی ''ظَهْرٌ'' کہلایا گیا، پھر چونکہ ماں سے ازدواجی رشتہ کی حرمت تمام اقوام ومذاہب میں قدرِ مشترک ہے اسلئے بیوی سے ازدواجی تعلق کو ماں سے تشبیہ دینے میں حرمت کا اظہار مقصود ہوا کرتا تھا، چنانچہ اسی تشبیہ کو فقہ کی اصطلاح میں ''ظِهَار'' کا نام دیا جاتا ہے۔ حِنْثٌ، مصدر ہے بابِ سمع سے بمعنی قسم توڑنا۔ فَتْرَةٌ، بمعنی زمانہ۔

ترجمہ: روزوں کی قسمیں: روزے چھ قسموں کی طرف منقسم ہوتے ہیں: (۱) فرض۔ (۲) واجب۔ (۳) سنت۔ (۴) مستحب۔ (۵) مکروہ۔ (۶) حرام۔ (۱) بہر حال فرض تو وہ رمضان المبارک کا روزہ ہے۔ (۲) بہر حال واجب تو وہ ایک تو اُس روزہ کی قضاء کرنا جس کو روزہ دار نے توڑ دیا ہو یعنی نفلی روزہ۔ دوسرا منّت یعنی نذر کا روزہ۔ تیسرا کفّاروں کے روزے۔ آنے والی صورتوں میں کفّاروں کے روزے واجب ہو جاتے ہیں۔ (۱) رمضان میں بغیر کسی عذر کے جان بوجھ کر روزہ توڑ دینا۔ (۲) رمضان مبارک کے دن میں جان بوجھ کر ہمبستری کرلینا۔ (۳) بیوی سے ظہار کرلینا۔ (۴) قسم توڑ دینا۔ (۵) احرام کے زمانہ میں کسی ممنوع کام کا ارتکاب کرلینا۔ (۶) غلطی سے قتل کرلینا اور ہر وہ قتل جو غلطی سے قتل کے حکم میں ہو۔

تشریح: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ روزے کی باعتبارِ صفت (فرض، یا واجب وغیرہ) کی قسمیں بیان فرماتے ہیں اور یہ قسمیں پہلے اجمالاً ذکر کرتے ہیں پھر تفصیلاً اس لئے کہ اس طریقہ سے بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب کوئی چیز پہلے مجملاً ذکر کی جائے یعنی اس

چیز کا صرف نام لیاجائے تو نفس میں اس کی حقیقت جاننے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے پھر جب تفصیلاً وہ چیز ذکر کر دی جائے تو نفس میں اسکی حقیقت اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے جس کو عربی زبان میں "أَوْقَعُ فِي النَّفْسِ" کہتے ہیں۔

چنانچہ پہلی قسم فرض ہے، فرض سے مراد فرضِ عین ہے جس کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ جس کا وقت معیَّن ہو، جیسے رمضان کے مہینہ میں روزہ۔ (۲) دوسری وہ جس کا وقت متعیَّن نہ ہو، جیسے قضاءِ رمضان۔

دوسری قسم واجب ہے: اور اس کی مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تین قسمیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) نفلی روزہ شروع کرنے کے بعد توڑ دیا جائے تو اسکی قضاء واجب ہو جاتی ہے۔

فائدہ: شریعتِ مطہّرہ کا یہ اصول اور ضابطہ ہے کہ کوئی بھی نفل اور مستحب کام کرنا ضروری نہیں ہوتا، لیکن اگر نفل عبادت شروع کر دی جائے تو پھر اسکا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نفل نماز شروع کر کے یا نفل روزہ شروع کر کے توڑ دینے والے پر ان کی قضاء واجب ہے۔

(۲) **نذر کے روزے:** نذر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی عبادت (مثلاً نماز، روزہ، صدقہ، اعتکاف، حج وعمرہ وغیرہ) کی مَنَّت مان لے۔ مثال: خالد نے یہ مَنَّت مان لی کہ اے اللہ! اگر میں سالانہ امتحان میں اوّل نمبر پر آیا تو میں تین روزے رکھوں گا۔ چنانچہ اللہ کے فضل و کرم سے وہ اوّل آگیا تو اب اس پر تین روزے رکھنا واجب ہے۔

نذر کی اقسام: پھر نذر و مَنَّت کی دو قسمیں ہیں: (۱) نذرِ معیَّن۔ (۲) نذرِ غیر معیَّن۔ نذرِ معیَّن کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص دن کے روزے کی مَنَّت مان لینا۔ اِس صورت میں اُسی خاص دن میں روزہ رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر اُن دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر مانی ہے جن دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے یعنی عیدین اور ایامِ تشریق، تو اس پر واجب ہے کہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں ان کی قضاء کر لے تاہم اگر روزہ رکھ ہی لے تو روزہ ہو جائے گا، البتہ گنہگار ہو گا۔ نذرِ غیر معیَّن کا مطلب یہ ہے کہ نذر مانتے ہوئے کسی خاص وقت اور تاریخ کا تعیُّن نہ کرے بلکہ مطلقاً روزے کی نذر مان لے۔ نذرِ غیر معیَّن ہونے کی صورت میں نذر کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے مگر غیر معیَّن ہونے کی وجہ سے جب بھی پورا کر لے اس کو اختیار ہے۔

(۳) **کفارے کے روزے:** شریعت نے قسم توڑنے، ظِہار کرنے، رمضان المبارک میں دن کے وقت قصداً روزہ توڑ دینے اور قتلِ خطاء کی وجہ سے کفارہ واجب قرار دیا ہے، ان کفارات میں روزہ بھی ہے، بعض کفارات میں مسلسل روزہ رکھنے کا حکم ہے اور بعض میں فصل اور وقفہ کے ساتھ بھی رکھا جاسکتا ہے، بعض میں ترتیب ہے کہ کفارہ کی فلاں صورت پر قادر نہ ہونے کی صورت ہی میں روزہ رکھا جاسکتا ہے اور بعض میں ترتیب واجب نہیں۔

چنانچہ درج ذیل صورتوں میں کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے: (۱) رمضان المبارک میں بغیر عذر کے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا تو کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔ (۲) رمضان المبارک میں دن کے وقت جماع کر لیا تو کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔ (۳) "ظِہار" کی صورت میں کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔ (۴) قسم کھا کر توڑ دینے کی صورت میں "کفارۂ یمین" کے روزے رکھنا واجب

ہے۔(۵)احرام کی حالت میں بعض ایسے ممنوعات ہیں جنکا ارتکاب کرنے کی صورت میں کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔(۶) قتل خطاء یا ہر اُس قتل کی صورت میں جو قتل خطاء کے حکم میں ہوتا ہے، کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔

فائدہ: قتل خطاء کیا ہے؟ کونسا قتل قتل خطاء کے حکم میں ہے؟ یہ ان شاء اللہ بڑی کتابوں میں آجائے گا۔

(۳)أَمَّا الْمَسْنُوْنُ فَهُوَ: صَوْمُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ مَعَ التَّاسِعِ أَوِ الْحَادِيْ عَشَرَ۔(٤)أَمَّا الْمَنْدُوْبُ فَهُوَ: (الف)صَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ أَيًّا كَانَتْ هٰذِهِ الْأَيَّامُ۔(ب)صَوْمُ الْأَيَّامِ الْبِيْضِ(۱۳، ۱٤، ۱۵) مِنْ كُلِّ شَهْرٍ۔ (ج)صَوْمُ يَوْمِ الْإِثْنَيْنِ، وَصَوْمُ يَوْمِ الْخَمِيْسِ فِيْ كُلِّ أُسْبُوْعٍ۔(د)صَوْمُ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ۔ (ہ)صَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ لِغَيْرِ الْحَاجِّ۔(و)صَوْمُ دَاوٗدَ، وَهُوَ أَنْ يَّصُوْمَ يَوْمًا وَيُفْطِرَ يَوْمًا. وَهُوَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ وَأَحَبُّهٗ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔

حلِ لغات: عَاشُوْرَاء؛ مُحرم کی دسویں تاریخ۔ یہ الفِ ممدودہ کے ساتھ ہے۔ "عاشورہ" پڑھنا اور لکھنا جو مُروّج ہے یہ درست نہیں ہے۔ اس دن روزہ رکھنا مسنون ہے۔ اَیَّامُ بِیْض؛ ایام جمع ہے یوم کی اور بِیْضٌ جمع ہے بَیْضَاء کی اور بَیْضَاءُ تانیث ہے أَبْیَضُ کی تو بِیْض سے مراد مہینے کی تیرہویں، چودھویں، پندرہویں راتیں اور اَیَّامِ بِیْض انہی راتوں کے دن۔

ترجمہ: بہر حال سنت روزہ: تو وہ مُحرم کی دسویں تاریخ کا روزہ ہے نویں یا گیارہویں کے ساتھ۔ بہر حال مستحب روزہ: تو وہ ایک تو: ہر مہینہ میں سے تین دن روزہ رکھنا ہے یہ تین دن کوئی سے بھی ہوں۔ دوسرا: ہر مہینہ کی ۱۳/ ۱۴/ ۱۵ تاریخ کو روزہ رکھنا۔ تیسرا: ہر ہفتہ میں پیر (سوموار) اور جمعرات کا روزہ رکھنا۔ چوتھا: شوالِ مکرم کے چھ روزے رکھنا۔ پانچواں: حاجیوں کے علاوہ کے لئے عرفہ کے دن کا روزہ۔ چھٹا: صومِ داؤدی، اور وہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے۔ اور یہ روزہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام روزوں سے بہتر اور پسندیدہ ہے۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے روزوں کی تیسری اور چوتھی قسم بیان فرمائی ہے، تیسری قسم سنت اور چوتھی قسم مستحب ہے۔ مسنون وہ روزہ ہے جس پر حضورِ اکرم ﷺ نے پابندی فرمائی ہو اور مستحب وہ روزہ ہے جس کے بارے میں ترغیب دی گئی ہو لیکن آپ ﷺ سے اُس پر اس درجہ اہتمام ثابت نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا کہ: روزہ کی تیسری قسم مسنون روزہ ہے اور وہ عاشوراء اور اسکے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ ہے، عاشوراء سے مراد مُحرم کے مہینے کی دسویں تاریخ ہے؛ اس روزہ کے بارے میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس دن کا روزہ گذرے ہوئے سال کے گناہوں کے لئے کفارہ ہو جائے گا، چونکہ یہودی لوگ بھی اِس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے امتیاز کے طور پر کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے دس کے ساتھ نو مُحرم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءِ اسلام میں یہی روزہ فرض تھا اور ما قبل اسلام ہی سے قریش یہ روزہ رکھا کرتے تھے، بعد کو جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو پھر اس روزہ کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

روزہ کی چوتھی قسم مستحب روزہ ہے: مستحب روزے جو احادیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں: (۱) ہر مہینہ تین دن روزے رکھنا گویا اجر کے حساب سے تیس دن کے مساوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ

اَمْثَالِهَا" یعنی ایک روزہ دس روزوں کے برابر ہے۔ یہ تین دن کوئی بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کسی خاص تاریخ ہی میں روزہ رکھنے کا اہتمام نہیں تھا۔ (۲) ہر مہینے ایامِ بیض میں روزے رکھنا۔ ایامِ بیض سے مراد ہر مہینہ کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ ہے کیونکہ ایامِ بیض کا معنی ہے روشن راتوں کے دن چونکہ ان تاریخوں میں رات خوب روشن اور سفید ہوتی ہے۔ نیز چاند بھی مکمل اور روشن ہوتا ہے اس لئے ان تاریخوں کو ایامِ بیض کہتے ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد شریف کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان ایام میں روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔ نیز یہ بھی ساری عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے اسلئے کہ ایک روزہ دس روزوں کے برابر ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ہر مہینہ تین روزے رکھنا الگ مستحب ہے چاہے وہ تین کوئی سے بھی ہوں اور پھر ان تین دنوں کا ایامِ بیض ہونا الگ مستحب ہے لہٰذا اگر کسی نے ایامِ بیض میں روزے رکھے تو اس نے دونوں مستحب روزوں کو رکھ لیا اور اگر کسی نے ایامِ بیض کے علاوہ تین دن روزے رکھے تو اس نے ایک مستحب پر عمل کر لیا۔

(۳) پیر اور جمعرات کے روزے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پیر اور جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں پیش کئے جائیں کہ میں روزہ سے ہوں" (ترمذی) اعمال پیش کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ بعض فرشتے بعض دوسرے فرشتوں کے سامنے اعمال رکھتے ہیں چنانچہ اُن میں جو اعمالِ خیر ہوتے ہیں فرشتے اُن کو باقی رکھ لیتے ہیں اور جو مباح اعمال ہوتے ہیں اُن کو فرشتے مٹا دیتے ہیں۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی)

(۴) شوال کے چھ روزے۔ چنانچہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جس نے رمضان کے اور پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے ساری عمر روزہ رکھا" (مسلم) کیونکہ اگر نیکیوں کا اجر دس گُنا مانا جائے تو چھتیس روزے تین سو ساٹھ روزوں کے برابر ہو گئے۔ اور سال کے دنوں کی تعداد بھی یہی ہے تو جب ہر سال اس طرح کرے گا تو گویا ساری عمر روزہ سے رہا۔

(۵) یومِ عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کا روزہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روزے کے بارے میں فرمایا ہے: کہ یہ گذشتہ ایک سال اور آئندہ ایک سال کے گناہوں کے لئے کفارہ بن جائے گا۔ (مسلم)

فائدہ: محرم کے روزہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: گذشتہ سال کے گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتا ہے اور عرفہ کے روزہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: گذشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عاشوراء کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین میں مشروع ہوا اور عرفہ کا روزہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں مشروع ہوا۔ (طحطاوی)

حُجاجِ کرام اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے کمزوری محسوس نہ کریں اور دُعا کے اہتمام میں فرق نہ آئے تو ہمارے نزدیک یہاں عرفات میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔ اور اگر ضعف و ناتوانی کا اندیشہ ہو تو پھر حجاجِ کرام کو روزہ نہ رکھنا چاہیئے صرف غیر حجاج کے لئے رکھنا مستحب ہو گا۔

(۶) صومِ داوٗدی: مسنون روزوں میں سے ایک وہ روزہ ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "صومِ داوٗدی" قرار دیا ہے یعنی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن روزہ نہ رکھنا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "حضرت داوٗد علیہ السلام کے روزہ سے بہتر کوئی روزہ نہیں اور وہ اس طرح کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو" (بخاری) افطار کا مطلب روزہ نہ رکھنا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: کہ روزوں میں افضل اور پسندیدہ

روزہ اللہ کے نزدیک داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور نمازوں میں سے پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی ہے۔(ابوداؤد) افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کے اعتبار سے زیادہ ثواب والی۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہ رکھتے تا کہ روزہ میں کھانے پینے وغیرہ سے صبر، یہ عادت نہ بن جائے بلکہ روزہ میں صبر طبعیت کی بنیاد پر ہو اور جبراً ہو۔ داؤد علیہ السلام کی رات کی نماز اس طرح ہوتی تھی کہ رات کے چھ حصے کئے جائیں تو آدھی رات یعنی پہلے تین حصوں میں آرام فرماتے پھر دو حصوں میں نماز پڑھتے پھر آخری چھٹے حصہ میں آرام فرماتے تا کہ فجر کی نماز اور نماز کے بعد اذکار وظائف چستی سے اور نشاط کے ساتھ ادا ہوں۔(مراقی الفلاح مع طحطاوی)

٥۔أَمَّا الْمَكْرُوْهُ فَهُوَ:(الف) صَوْمُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ.إِذَا أَفْرَدَهُ بِالصِّيَامِ۔(ب)صَوْمُ يَوْمِ السَّبْتِ. إِذَا أَفْرَدَهُ بِالصِّيَامِ۔ (ج)صَوْمُ الْوِصَالِ، وَهُوَ أَنْ لَّا يُفْطِرَ بَعْدَ الْغُرُوْبِ أَصْلًا حَتّٰى يَتَّصِلَ صَوْمُ الْغَدِ بِالْأَمْسِ۔

٦۔أَمَّا الْمُحَرَّمُ فَهُوَ: (الف)صَوْمُ يَوْمِ الْفِطْرِ۔(ب)وَصَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ۔(ج)وَصِيَامُ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ، وَهِيَ (١١، ١٢، ١٣) مِنْ شَهْرِ ذِي الْحِجَّةِ۔

حلِّ لغات: أَفْرَدَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف صحیح از باب افعال بمعنی جدا کرنا، تنہا کرنا۔ اَلْوِصَال؛ مصدر ہے باب مفاعلہ صحیح سے بمعنی لگاتار کرنا۔

ترجمہ: بہر حال مکروہ روزہ تو وہ (١) عاشوراء کا روزہ ہے جبکہ روزہ رکھنے میں اس کو تنہاء کر دے۔(٢) سنیچر کے دن کا روزہ جبکہ روزہ رکھنے میں اس کو تنہاء کر دے۔(٣) صومِ وصال (مسلسل روزہ) اور وہ یہ ہے کہ غروبِ آفتاب کے بعد بالکل ہی روزہ افطار نہ کرے یہاں تک کہ اگلے کل کا روزہ گذشتہ دن کے روزہ سے مل جائے۔ بہر حال حرام روزہ تو وہ (١) عید الفطر کے دن کا روزہ ہے۔(٢) اور عید الاضحیٰ کے دن کا روزہ ہے۔(٣) اور ایامِ تشریق کے روزے اور ایامِ تشریق ذی الحجہ کے مہینہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخیں ہیں۔

تشریح: درج ذیل صورتوں میں روزہ رکھنا مکروہ ہے، پھر ان میں سے بعض تو وہ ہیں کہ جن کی کراہت تحریمی ہے اور وہ قریب بحرام ہیں، کچھ مکروہِ تنزیہی ہیں اِن میں نسبتاً خفیف اور کم درجہ کی کراہت پائی جاتی ہے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ کے عنوان سے وہ روزے بیان فرمائے جو مکروہِ تنزیہی ہیں ان میں (١) ایک یہ ہے کہ تنہا صرف دس محرم کو روزہ رکھا جائے اور اسکے ساتھ نویں یا گیارہویں محرم کا روزہ نہ ملایا جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جبکہ ہمیں انکے خلاف چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو میں نویں محرم کا روزہ بھی رکھوں گا لیکن آئندہ سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہ رہے۔

(٢) دوسرا یہ ہے کہ تنہا ہفتہ کے دن روزہ رکھا جائے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سوائے فرض کے اِس دن کوئی روزہ نہ رکھو اس ممانعت کا منشا یہ ہے کہ یہود اس دن کا احترام کرتے ہیں، تو مسلمانوں کو یہودیوں کی مشابہت سے احتراز کرنا چاہیئے۔

(٣) تیسرا یہ ہے کہ صومِ وصال (مسلسل روزے رکھتے چلے جانا اور درمیان میں افطار نہ کرنا اگر چہ دو دن کے لئے کیوں نہ ہو)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا۔ دوسری قسم جو مکروہِ تحریمی ہے تو وہ عیدین اور ایامِ تشریق یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کے روزے ہیں

کیونکہ ان دنوں میں آپ ﷺ نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا اور ایامِ تشریق کے بابت فرمایا: کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔ نیز ان مذکورہ پانچ دنوں میں روزہ رکھنے کی وجہ سے اللہ کی ضیافت سے اعراض لازم آتا ہے۔ (مراقی مع طحطاوی، در مختار مع رد المحتار، قاموس)

وَقْتُ النِّيَّةِ فِي الصِّيَامِ: لَا يَصِحُّ الصِّيَامُ إِلَّا بِالنِّيَّةِ۔ مَحَلُّ النِّيَّةِ اَلْقَلْبُ۔ يَصِحُّ الصِّيَامُ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ إِلىٰ قُبَيْلِ نِصْفِ النَّهَارِ۔ ۱۔ فِيْ أَدَاءِ رَمَضَانَ۔ ۲۔ فِي النَّذْرِ الْمُعَيَّنِ۔ ۳۔ فِي النَّفْلِ۔ يَصِحُّ أَدَاءُ رَمَضَانَ بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ۔ وَيَصِحُّ النَّذْرُ الْمُعَيَّنُ بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ۔ وَيَصِحُّ النَّفْلُ بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ۔

حلّ لغات: قُبَيْلٌ، قَبْلٌ کی تصغیر ہے بمعنی تھوڑی دیر پہلے۔

ترجمہ: روزوں میں نیت کا وقت: روزے درست نہیں مگر نیت کے ساتھ۔ نیت کی جگہ دِل ہے۔ (درج ذیل صورتوں میں) رات سے لیکر آدھے دن سے تھوڑی دیر پہلے تک نیت کرکے روزے رکھنا درست ہے۔ (۱) رمضان المبارک کی ادائیگی میں۔ (۲) نذرِ معیَّن (کے روزے) میں۔ (۳) نفل (روزے) میں۔ رمضان کی ادائیگی مطلق روزے کی نیت کے ساتھ اور نفل روزے کی نیت کے ساتھ صحیح ہے۔ نذرِ معیَّن (کا روزہ) درست ہے مطلق (روزہ کی) نیت کے ساتھ اور نفل (روزہ) کی نیت کے ساتھ۔ اور نفل روزہ مطلق نیت کے ساتھ اور نفل کی نیت کے ساتھ درست ہے۔

تشریح: روزے میں نیت کا حکم: جیسا کہ پہلے ''مَتٰى يَصِحُّ أَدَاءُ الصَّوْمِ'' کے عنوان کے تحت یہ معلوم ہو چکا ہے کہ روزے کے صحیح ہونے کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، اور نیت سے مراد یہ ہے کہ دل میں یہ ارادہ ہو کہ میں روزہ رکھتا ہوں لیکن زبان سے نیت کے الفاظ کہنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ زبان سے نیت کے الفاظ کہنے کو حضراتِ فقہاءِ کرام نے اس لئے پسند فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ دل کی نیت مستحضر ہو جاتی ہے اور دل بھی متوجہ ہو جاتا ہے۔

روزے میں نیت کا وقت: نیت کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ (۱) رمضانِ مبارک کے ادا روزے، (۲) معیَّن تاریخ کا روزہ اور (۳) نفل روزوں میں (نفل میں مسنون، مستحب تمام روزے داخل ہیں) رات ہی کو نیت کرنا ضروری نہیں بلکہ نصفِ نہارِ شرعی سے تھوڑی دیر پہلے تک نیت کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ ابھی تک روزہ کو توڑنے والا کوئی کام (کھانا، پینا، جماع) نہ جان بوجھ کر کیا ہو نہ بھول کر۔ اس کے بعد نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ نہارِ شرعی سے مراد طلوعِ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کا وقت ہے اس مجموعی وقت کا آدھا ''نصفِ نہارِ شرعی'' کہلاتا ہے۔ مثلاً: اگر طلوعِ فجر چار بجے ہو اور غروبِ آفتاب شام سات بجے ہو تو یہ مجموعی وقت پندرہ گھنٹے بنتے ہیں جو نہارِ شرعی کہلاتا ہے اور اس مجموعی وقت کا آدھا یعنی ساڑھے سات گھنٹے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ہو جاتا ہے لہٰذا مندرجہ بالا قسم کے روزوں میں ساڑھے گیارہ بجے سے پہلے پہلے نیت کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی وقت شریعت کی اصطلاح میں ''نصفُ النہار'' ہے۔ تو چونکہ دن کے اکثر حصہ میں نیت پائی گئی تو گویا سارا دن نیت پائی گئی۔

يَصِحُّ أَدَاءُ رَمَضَانَ الخ: نیت کس طرح کر سکتا ہے؟ پہلے یہ اصول ذہن نشین کر لیں کہ: مطلق نیت سے مراد یہ ہے کہ روزہ رکھتے ہوئے صرف روزے کی نیت ہو باقی اُس کے فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ ہونے کی نیت نہ کی جائے۔ دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ رمضان

مبارک کے ادا روزے، معیّن تاریخ کے روزے مطلق نیت سے بھی درست ہو جاتے ہیں اور اگر صرف نفل کی نیت کی جائے تب بھی درست ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ان دونوں صورتوں میں (خواہ رمضان کے ایام ہوں یا نذرِ معیّن کے ایام ہوں) یہ وقت صرف انہی روزوں کے لئے خاص ہو چکا ہے خواہ کوئی بھی نیت کی جائے۔ اور نفل روزے مطلق نیت سے بھی ادا ہو جاتے ہیں اور نفل کی نیت سے بھی۔

خلاصہ: روزے کی وہ اقسام جن میں رات کو نیت کرنا ضروری نہیں ہے، اُن میں روزہ درست ہونے کے لئے تین قسم کی نیتیں کر سکتے ہیں: (۱) رات ہی سے معیّن کر کے کہ یہ رمضان کا روزہ ہے یا نذر کا یا واجب کا یا نفل کا روزہ اور یہی صورت سب سے افضل ہے۔ (۲) مذکورہ تینوں روزوں کو مطلق روزہ یعنی صرف روزہ کی نیت سے رکھا جائے۔ (۳) مذکورہ تینوں قسم کے روزوں کو نفلی روزوں کی نیت سے رکھا جائے۔

وَيُشْتَرَطُ تَعْيِيْنُ النِّيَّةِ وَتَبْيِيْتُهَا۔ ١۔ فِيْ قَضَاءِ رَمَضَانَ۔ ٢۔ فِيْ قَضَاءِ مَا أَفْسَدَهٗ مِنَ النَّفْلِ۔ ٣۔ فِيْ صِيَامِ الْكَفَّارَاتِ۔ ٤۔ فِي النَّذْرِ الْمُطْلَقِ۔

حلّ لغات: تَبْيِيْتٌ؛ مصدر ہے بابِ تفعیل کا اجوف یائی سے بمعنی رات میں کرنا۔

ترجمہ: اور (درج ذیل صورتوں میں) نیت کو متعیّن کرنے کی اور رات ہی میں نیت کرنے کی شرط لگائی جاتی ہے۔ (۱) رمضان المبارک کے قضاء (روزوں) میں۔ (۲) اُس نفل روزہ کی قضاء میں جس نفل کو اس نے توڑ دیا ہو۔ (۳) کفاروں کے روزوں میں۔ (۴) غیر متعیّن نذر (کے روزوں) میں۔

تشریح: مندرجہ بالا قسم کے روزوں میں رات ہی کو نیت کرنا ضروری ہے اور رات سے مراد یہ ہے کہ طلوعِ فجر سے پہلے پہلے نیت کر لے کیونکہ فجر طلوع ہونے سے رات ختم ہو جاتی ہے اور دن شروع ہو جاتا ہے۔ کفارات سے مراد: ظہار، قسم اور قتل کے کفاروں کے روزے ہیں نیز حج سے متعلق روزوں میں بھی ضروری ہے کہ رات ہی کو نیت کی جائے۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی، قاموس الفقہ)

كَيْفَ تَثْبُتُ رُؤْيَةُ الْهِلَالِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا﴾ (رواہ البخاری) يَثْبُتُ شَهْرُ رَمَضَانَ بِأَحَدِ الْأَمْرَيْنِ۔ ١۔ بِرُؤْيَةِ هِلَالِهٖ۔ ٢۔ بِتَمَامِ عِدَّةِ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا إِنْ لَّمْ يُرَ الْهِلَالُ۔ تَثْبُتُ رُؤْيَةُ الْهِلَالِ لِرَمَضَانَ بِخَبَرِ رَجُلٍ أَوْ إِمْرَأَةٍ۔ وَتَثْبُتُ رُؤْيَةُ الْهِلَالِ لِلْعِيْدِ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ إِذَا كَانَتْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ مِنْ غَيْمٍ أَوْ غُبَارٍ أَوْ دُخَانٍ۔ أَمَّا إِذَا لَمْ تَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ مِنْ غَيْمٍ وَغَيْرِهٖ فَلَا تَثْبُتُ رُؤْيَةُ الْهِلَالِ لِرَمَضَانَ، وَلَا لِلْعِيْدِ إِلَّا بِرُؤْيَةِ جَمْعٍ عَظِيْمٍ يَحْصُلُ بِهِ الظَّنُّ الْغَالِبُ۔

حلّ لغات: رُؤْيَةٌ؛ مصدر ہے بابِ فتح کا از مہموز العین ناقص یائی بمعنی دیکھنا۔ اَلْهِلَالُ؛ بمعنی نیا چاند مصدر ہے هَالَّ کا مضاعف ثلاثی از باب مفاعلہ جمع ہے أَهِلَّةٌ۔ شروع مہینہ کی دو راتوں یا تین راتوں یا سات راتوں کے چاند کو ہلال کہتے ہیں اور مہینہ کی آخری دو راتوں اور چھبیسویں اور ستائیسویں کے چاند کو بھی ہلال کہتے ہیں اور چودھویں رات کے چاند کو بدر کہتے ہیں اور ان کے علاوہ بقیہ

راتوں کے چاند کو قمر کہتے ہیں۔ عِدَّةٌ؛ بمعنی گنتی۔ عِلَّةٌ؛ کوئی مسئلہ جمع عِلَلٌ۔ غَیْمٌ؛ بمعنی بادل۔ جمع غُیُوْمٌ۔ غُبَارٌ؛ بمعنی مٹی، خاک۔ دُخَانٌ؛ بمعنی دھواں جمع اَدْخِنَۃٌ۔ (مصباح اللغات)

ترجمہ: چاند دیکھنے کا ثبوت کیسے ہو گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ترجمہ "تم چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھ کر ہی روزہ چھوڑو۔ پس اگر تم پر چاند پوشیدہ رہے تو شعبان کی گنتی یعنی تیس دن پورے کر لو"۔ رمضان المبارک کا مہینہ دو باتوں میں سے کسی ایک (پائے جانے) کی وجہ سے ثابت ہو جاتا ہے۔ (۱) رمضان کا چاند دیکھنے سے۔ (۲) شعبان کی گنتی یعنی تیس دن پورے ہو جانے کی وجہ سے اگر چاند نہ دیکھا گیا۔ رمضانِ مبارک کے چاند کی رؤیت ثابت ہو جاتی ہے ایک مرد یا ایک عورت کی خبر سے۔ اور عید کے چاند کی رؤیت ثابت ہو جاتی ہے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی دینے سے جبکہ آسمان میں کوئی علت یعنی بادل یا غبار یا دھواں ہو۔ بہر حال جب آسمان میں کوئی مسئلہ یعنی بادل وغیرہ نہ ہو تو چاند کی رؤیت کا ثبوت نہ ہو گا نہ رمضان کے لئے اور نہ ہی عید کے لئے مگر ایک ایسے بڑے مجمع کے دیکھنے سے کہ جس سے (دیکھنے کا) غالب گمان حاصل ہو۔

تشریح: رمضان المبارک کا آغاز: مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان کے آغاز کی دو صورتیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) رمضان کا چاند نظر آجائے۔ (۲) چاند نظر نہ آنے کی صورت میں شعبان کے تیس (۳۰) دن پورے ہو جائیں یہ دونوں باتیں اور ان سے رمضان کا آغاز کتاب میں ذکر کردہ حدیثِ مبارک سے ثابت ہیں۔

رؤیتِ ہلال سے متعلق چند باتیں جاننا ضروری ہے: (۱) ہلال پہلی تاریخ سے لے کر سات تاریخ تک اور چھبیس اور ستائیس تاریخ کے چاند کو کہتے ہے، باقی پورے مہینہ کے چاند کو "قمر" کہتے ہیں۔ خوب روشن اور بھرپور چودویں رات کے چاند کو "بدر" کہتے ہیں۔ جن مہینوں سے اسلامی عبادات کا تعلق ہے جیسے رمضان، شوال اور عید الاضحیٰ ان کے لئے چاند دیکھنا واجب علی الکفایہ ہے یعنی ایسا واجب ہے جو بعض کے دیکھنے سے دیگر سب لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جن مہینوں سے کوئی نفلی عبادت متعلق ہو جیسے شعبان سے پندرہ شعبان کا روزہ متعلق ہے اور محرم سے یوم عاشوراء (دس محرم) کا روزہ متعلق ہے تو ان کا چاند دیکھنا بھی مسنون ہو گا۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ ان سنتوں کو انجام دیا جاسکتا ہے۔ پس چونکہ ہر ماہ میں ایام بیض (تیرہ، چودہ، پندرہ ہلالی تاریخ) میں روزہ رکھنے کی خصوصی اہمیت اور اس کا باعثِ ثواب ہونا ثابت ہے، اس لئے درحقیقت تمام ہی مہینوں کا چاند دیکھنا فی الجملہ مسنون یا کم از کم مستحب ہے۔ (۲) چاند یا رمضان المبارک کا ہو گا یا عید الفطر کا۔ (۳) اِدھر آسمان کی دو حالتیں ہوتی ہیں: (۱) مطلع (آسمان کا وہ حصہ جہاں پر چاند طلوع ہوتا ہے) بالکل صاف ہو۔ (۲) مطلع اَبر آلود ہو، کہ اُس پر بادل، غبار یا دھواں چھایا ہوا ہو۔ پھر چاند کے بارے میں گواہی دینے والے لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں: (۱) اکیلا آدمی گواہی دے۔ (۲) نصابِ شہادت پورا ہو یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔ (۳) مجمع عظیم ہو یعنی اتنا بڑا مجمع گواہی دے کہ عقل فیصلہ کرے کہ اتنے سارے لوگ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ یعنی اتنے لوگ ہوں کہ چاند ہونے کا غالب گمان ہو۔

لیجیئے اب تفصیل: اگر چاند رمضان المبارک کا ہے اور مطلع بالکل صاف ہو تو چاند کے ثبوت کے لئے ایک آدمی کی گواہی کافی نہیں ہے، نصابِ شہادت (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں) بھی کافی نہیں بلکہ چاند کے ثبوت کے لئے مجمع عظیم ضروری ہے۔ بڑے مجمع سے کیا

مراد ہے؟خود اس کی تعیین میں علماءِ کرام کی آراء مختلف ہیں:(۱) بعض فرماتے ہیں سارے محلہ والے، بعض فرماتے ہیں پانچ سو، بعض ہزار، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پچاس آدمی۔ بہر حال یہ مسئلہ احوالِ زمانہ سے متعلق ہے اسی لئے صاحبِ مراقی الفلاح اور علامہ طحطاوی وغیرہ نے اس کو امام اور قاضی کی رائے پر موقوف کیا ہے۔ اس لئے کہ جب آسمان بالکل صاف ہے اور مطلع متحد اور ایک ہے، رکاوٹ نہیں، آنکھیں درست ہیں، چاند دیکھنے میں ارادے مستقیم ہیں تو ایک دو آدمیوں کے دیکھنے کا کیا مطلب؟ اس وقت ایک دو کا دیکھنا اور باقی لوگوں کا نہ دیکھنا یہ غلط ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ کسی جہاز وغیرہ کو چاند سمجھ بیٹھے ہوں۔ لہٰذا لوگوں کی بڑی تعداد کا ہونا ضروری ہے۔ اگر چاند رمضان مبارک کا ہے اور مطلع صاف نہیں ہے بلکہ ابر آلود ہے اور یہی مطلب ہے کتاب میں مذکور "عِلَّةٌ" کا تو ایک آدمی کی گواہی سے بھی چاند ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ وہ آدمی معتبر ہو اور معتبر ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں۔ اس لئے کہ عین ممکن ہے کہ اس کے سامنے سے بادل پھٹے ہوں اور وہاں اسے چاند نظر آگیا ہو۔ اور جب دوسروں کی نظر پڑی ہو تو وہاں بادل مل گئے ہوں۔ اس مذکورہ صورت میں جب ایک آدمی کی گواہی معتبر ہے تو پھر نصابِ شہادت اور مجمع عظیم کی کیوں قبول نہیں، بلکہ وہ تو بدرجۂ اولیٰ مقبول ہے۔

اور اگر عید کا چاند ہے اور مطلع بالکل صاف ہے تو رمضان کے چاند کی طرح یہاں بھی لوگوں کی بڑی تعداد کی گواہی ضروری ہے۔ اکیلے آدمی یا نصابِ شہادت کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ اور اگر عید کا چاند ہے اور مطلع ابر آلود ہو تو اکیلے آدمی کی گواہی معتبر نہیں ہے اگرچہ رمضان کے چاند میں معتبر تھی۔ کیونکہ وہاں مسئلہ روزہ شروع کرنے کا تھا جو اتنا بھاری نہیں تھا، جبکہ یہاں عید میں فرض روزہ چھوڑنے کا معاملہ ہے جو زیادہ سنگین ہے، لہٰذا شریعتِ مطہرہ نے یہاں زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے۔ اور اگر چاند دیکھنے والے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں یعنی نصابِ شہادت پورا ہو یا چاند دیکھنے والا مجمع عظیم ہو تو پھر عید کے چاند کی گواہی معتبر ہوگی اور شہادت گواہی کے لفظ کے ساتھ دی جائے گی۔

فائدہ: چاند دیکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ قاضی اور ذمہ دار کو چاند دیکھنے کی اطلاع صبح ہونے سے پہلے پہلے دیدے تاکہ وہ بروقت فیصلہ کر سکیں۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی، قاموس الفقہ، تفہیم الفقہ)

تَثْبُتُ رُؤْيَةُ الْهِلَالِ لِبَقِيَّةِ الشُّهُوْرِ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ عَدْلَيْنِ، أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ غَيْرِ مَحْدُوْدَيْنِ فِي الْقَذْفِ۔ إِذَا ثَبَتَتْ رُؤْيَةُ الْهِلَالِ بِقُطْرٍ مِنَ الْأَقْطَارِ لَزِمَ الصَّوْمُ عَلَى سَائِرِ الْأَقْطَارِ الَّتِيْ تُجَاوِرُهٗ. وَتَتَّحِدُ بِهٖ فِي الْمَطْلَعِ. إِذَا بَلَغَهُمْ مِنْ طَرِيْقٍ مُوْجِبٍ لِلصَّوْمِ۔ مَنْ رَأَى هِلَالَ رَمَضَانَ وَحْدَهٗ فَلَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهٗ لَزِمَهُ الصَّوْمُ۔ وَمَنْ رَأَى هِلَالَ الْعِيْدِ وَحْدَهٗ فَلَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهٗ لَزِمَهُ الصَّوْمُ كَذَالِكَ وَلَا يَجُوْزُ لَهُ الْفِطْرُ۔

حلِّ لغات: مَحْدُوْدَيْنِ؛ تثنیہ ہے مَحْدُوْدٌ کی بمعنی وہ شخص جس کو حد (سزا) لگی ہو۔ قَذْفٌ؛ مصدر ہے بابِ ضرب سے بمعنی تہمت لگانا (تو غیر محدود فی القذف کا مطلب ہوا وہ شخص جس کو کسی پر تہمت لگانے کے جرم میں یا اس پر کسی تہمت میں حد جاری نہ کی گئی ہو)

قُطْرٌ: بمعنی گوشہ، جانب، کنارہ۔ تُجَاوِرُ: صیغہ واحد مؤنث غائب اثبات فعل مضارع معروف صحیح از باب مفاعلہ بمعنی جو اس کے پڑوس میں ہیں، یا اس سے متصل ہیں۔ تَتَّحِدُ: صیغہ واحد مؤنث غائب اثبات فعل مضارع معروف مثال واوی از باب افتعال بمعنی ایک ہونا۔

ترجمہ: بقیہ مہینوں کے لئے چاند کی رؤیت ثابت ہو جائے گی دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے جن پر کسی تہمت میں حدِ شرعی نہ لگی ہو۔ جب علاقوں میں سے کسی علاقہ میں چاند کی رؤیت ثابت ہو جائے تو اُن باقی علاقوں پر جو اس کے پڑوس میں ہیں اور جو اس علاقہ کے ساتھ مطلع میں متحد ہیں روزہ رکھنا لازم ہے جبکہ انکو ایسے ذریعہ سے خبر پہنچے جو روزہ کو لازم کرنے والا ہو۔ جس نے رمضان المبارک کے چاند کو تنہا دیکھا لیکن اسکی بات قبول نہ کی گئی تو اس کو روزہ رکھنا لازم ہے۔ اور جس نے عید کا چاند اکیلے دیکھا اور اس کی بات نہ مانی گئی تو اس پر بھی روزہ رکھنا لازم ہے اور اس کے لئے افطار جائز نہیں ہے۔

تشریح: مُندَرجۂ بالا عبارت میں تین مسائل بیان کئے گئے ہیں: (۱) رمضان اور عید چاہے عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ دونوں کے چاند کے ثبوت کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد اب بقیہ مہینوں کے چاند کی رؤیت کا مسئلہ ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہ: باقی مہینوں کے چاند کی رؤیت دو عادل مردوں کی گواہی سے یا ایک عادل مرد دو عادل عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی۔ عادل سے مراد معتبر آدمی ایسا آدمی جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں۔ غیر محدود دین فی القذف سے مراد بھی نیک اور عادل ہونا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ مذکورہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مطلع غبار آلود ہو اور صاف نہ ہو اگر مطلع صاف ہو تو پھر بدستور ایک بڑے مجمع کا چاند دیکھنے کی شہادت دینا ضروری ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک علاقہ میں چاند کی رؤیت ثابت ہو گئی تو اس کے قریب قریب کے وہ علاقے جو مطلع میں اس مذکورہ علاقہ کے ساتھ متحد ہیں یعنی دونوں کا مطلع ایک ہے اِن سب علاقوں کے رہنے والوں پر روزہ رکھنا لازم ہو گا یعنی ایسی دو جگہوں میں سے ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ والوں کے حق میں معتبر ہو گی جن کا مطلع ایک ہو اور یہ بات کیسے معلوم ہو گی کہ کن جگہوں کا مطلع ایک ہے اور کن کا الگ الگ؟ یہ بات ماہر فلکیات سے پتہ چلے گی۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس آدمی نے بذاتِ خود رمضان کا چاند دیکھا لیکن حاکم کی طرف سے اس کی رؤیت پر چاند کا فیصلہ نہیں کیا گیا تب بھی اسے روزہ رکھنا ضروری ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" ترجمہ: "پس جو کوئی پائے تم میں سے اِس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے" (ترجمہ شیخ الہند تفسیر عثمانی) اور جس نے اکیلے ہی عید کا چاند دیکھا چاہے آسمان اور مطلع صاف ہو یا غبار آلود لیکن اس کی گواہی تسلیم نہیں کی گئی تو اسے اکیلے عید کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ روزہ رکھنا ضروری ہے اسلئے کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: "تمہارا روزہ اس دن ہو گا جس دن لوگ روزہ رکھیں اور افطار اس دن ہے جس دن لوگ افطار کریں" اور یہاں لوگوں نے ابھی عید نہیں کی تو ضروری ہے کہ یہ اکیلے عید کا چاند دیکھنے والا بھی عید نہ منائے۔ نیز اس میں احتیاط بھی ہے البتہ اگر اس نے یہ روزہ توڑ دیا تو صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں کیونکہ قاضی نے اس کی گواہی کو شرعی دلیل (تہمتِ غلطی) کی وجہ سے رد کیا ہے جس کی وجہ سے روزہ ہونے میں شبہ پیدا ہو گیا۔

تنبیہ: رؤیتِ ہلال کے حوالے سے جو احکام عید الفطر کے چاند کے ہیں وہی احکام عید الاضحیٰ کے چاند دیکھنے کے بھی ہیں۔ اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے لفظِ عید استعمال کیا ہے عید الفطر استعمال نہیں کیا۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، تفہیم الفقہ، قاموس)

حُكْمُ الصَّوْمِ فِيْ يَوْمِ الشَّكِّ: يَوْمُ الشَّكِّ هُوَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ لِلتَّاسِعِ وَالْعِشْرِيْنَ مِنْ شَعْبَانَ. إِذَا لَمْ يُعْلَمْ هَلْ طَلَعَ الْهِلَالُ أَمْ لَا؟ يُكْرَهُ الصَّوْمُ فِيْ يَوْمِ الشَّكِّ بِنِيَّةِ فَرْضٍ، أَوْ بِنِيَّةٍ مُتَرَدِّدَةٍ بَيْنَ الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ۔ وَلَا يُكْرَهُ الصَّوْمُ فِيْ يَوْمِ الشَّكِّ بِنِيَّةِ النَّفْلِ إِذَا جَزَمَ بِالنَّفْلِ۔ مَنْ كَانَ مُتَرَدِّدًا بَيْنَ الصَّوْمِ وَالْفِطْرِ لَا يَصِحُّ صَوْمُهُ۔ يَنْبَغِيْ لِلْمُفْتِيْ أَنْ يَّأْمُرَ الْعَامَّةَ فِيْ يَوْمِ الشَّكِّ بِالْإِنْتِظَارِ إِلٰى قُبَيْلِ الظَّهِيْرَةِ بِدُوْنِ نِيَّةِ صَوْمٍ. ثُمَّ إِذَا ذَهَبَ وَقْتُ النِّيَّةِ وَلَمْ يَتَعَيَّنِ الْحَالُ أَمَرَهُمْ بِالْإِفْطَارِ۔ مَنْ صَامَ فِيْ يَوْمِ الشَّكِّ بِنِيَّةِ نَفْلٍ ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّ ذَالِكَ الْيَوْمَ كَانَ مِنْ رَمَضَانَ أَجْزَأَهُ عَنْهُ، وَلَا يَلْزَمُهُ قَضَاءُ ذَالِكَ الْيَوْمِ۔

حلِ لغات: جَزَمَ؛ بمعنی کسی امر کا قطعی فیصلہ کرنا از باب ضرب۔ اَلْمُفْتِيْ؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل ناقص یائی از باب افعال بمعنی فتویٰ دینے والا۔ اَلْعَامَّة؛ عَامٌّ کا مؤنث بمعنی عام لوگ جمع عَوَامّ ہے۔

ترجمہ: شک کے دن میں روزہ رکھنے کا حکم: شک کا دن وہ اُنتیس شعبان المعظم کا دوسرا دن ہے جبکہ یہ معلوم نہ ہو کہ چاند نکلا ہے یا نہیں۔ شک کے دن میں فرض روزہ کی نیت سے یا ایسی نیت کے ساتھ جو فرض اور نفل کے درمیان متردد ہو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ شک کے دن میں نفل کی نیت سے جبکہ قطعی طور پر نفل کی نیت ہو روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔ جو شخص روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے درمیان متردد ہو اسکا روزہ درست نہیں ہوگا۔ مفتی کے لئے مناسب ہے یہ بات کہ شک کے دن میں عام لوگوں کو روزہ کی نیت کے بغیر دوپہر سے تھوڑی دیر پہلے تک انتظار کا حکم دے پھر جب نیت کا وقت ختم ہو جائے اور معاملہ متعین نہ ہو تو لوگوں کو افطار کا حکم دے۔ جس نے شک کے دن نفل کی نیت سے روزہ رکھا پھر معلوم ہوا کہ یہ دن رمضان کا تھا تو وہ نفل روزہ رمضان (کے فرض روزہ) کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اس دن کی قضا اس پر لازم نہ ہوگی۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ شعبان کی اُنتیس (۲۹) تاریخ کو غروب آفتاب کے بعد رمضان کے چاند کو تلاش کرنا ضروری ہے اگر نظر آگیا تو بہت اچھی بات ہے لیکن چاند نظر آنے کے وقت چاند کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کی عادت ہے۔ اور اگر رمضان کا چاند مشتبہ ہوا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کل شعبان کی تیسویں تاریخ ہے یا رمضان کی پہلی تاریخ تو اس دن کو "یوم الشک" کہتے ہیں جس کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۹ شعبان کا دوسرا دن "یعنی ۲۹ شعبان کے بعد والا دن" کہا۔ اس لئے کہ نہ تو اس کو تیس شعبان کہہ سکتے ہیں کیونکہ ممکن ہے مہینہ ۲۹ دن کا ہو اور یہ یکم رمضان ہو اور نہ اس کو یکم رمضان کہہ سکتے ہیں کیونکہ ممکن ہے مہینہ ۳۰ دن کا ہو اور آج ۳۰ شعبان ہو اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر اختیار کی "۲۹ شعبان کا دوسرا" یعنی بعد والا دن۔ اس میں نفل کے علاوہ کوئی روزہ نہیں رکھنا چاہیے فرض، واجب یا ایسا روزہ جو نفل اور فرض کے درمیان متردد ہو کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ اگر اس نیت سے روزہ رکھا کہ رؤیت ہو گئی تو رمضان کا روزہ ہو گا ورنہ نفل تو یہ بوجہ تردد نیت مکروہ ہے، ہاں قطعی اور یقینی طور پر نفل کی نیت ہو تو مضائقہ نہیں،

مگر یہ اہلِ علم کا کام ہے کہ وہ اپنے علم کی بنا پر شکوک و وساوس میں نہیں پڑیں گے بلکہ خالص نفل کی نیت سے روزہ رکھیں گے البتہ عوام چونکہ ان وساوس کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوتے اسلئے ان کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی، تسہیل)

اَلْأَشْيَاءُ الَّتِيْ لَا يَفْسُدُ بِهَا الصَّوْمُ: لَايَفْسُدُ الصَّوْمُ فِي الصُّوَرِ الْاٰتِيَةِ: (۱) إِذَا أَكَلَ نَاسِيًا۔ (۲) إِذَا شَرِبَ نَاسِيًا۔ (۳) إِذَا جَامَعَ نَاسِيًا۔ (٤) إِذَا إِدَّهَنَ۔ (٥) إِذَا اكْتَحَلَ وَلَوْ وَجَدَ طَعْمَهٗ فِيْ حَلْقِهٖ۔ (٦) إِذَا احْتَجَمَ (٧) إِذَا اغْتَابَ أَحَدًا۔ (٨) إِذَا نَوَى الْفِطْرَ وَلَمْ يُفْطِرْ۔ (٩) إِذَا دَخَلَ حَلْقَهٗ غُبَارٌ بِلَاصُنْعِهٖ وَلَوْكَانَ غُبَارَ الطَّاحُوْنِ۔ (١٠) إِذَا دَخَلَ حَلْقَهٗ دُخَانٌ بِلَاصُنْعِهٖ۔ (١١) إِذَا دَخَلَ حَلْقَهٗ ذُبَابٌ۔ (١٢) إِذَا أَصْبَحَ جُنُبًا۔ كَذَا لَايَفْسُدُ الصَّوْمُ إِذَا بَقِيَ طُوْلَ النَّهَارِ جُنُبًا وَلٰكِنْ يُكْرَهُ ذَالِكَ تَحْرِيْمًا لِتَرْكِ فَرْضِ الصَّلَاةِ۔

حلِّ لغات: إِدَّهَنَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف صحیح از باب افتعال اصل میں إِدْتَهَنَ تھا پھر "تا" کو دال کرکے دال کو دال میں مدغم کر دیا گیا۔ بمعنی تیل لگانا۔ دُهْنٌ بمعنی تیل سے ماخوذ ہے۔ إِكْتَحَلَ؛ بمعنی سرمہ لگانا کُحْلٌ بمعنی سرمہ سے ماخوذ ہے۔ إِحْتَجَمَ؛ بمعنی پچھنا لگوانا۔ إِغْتَابَ؛ بمعنی غیبت کرنا۔ صُنْعٌ؛ بمعنی کام، عمل، کوشش۔ طَاحُوْنٌ؛ بمعنی چکی جمع طَوَاحِيْنُ۔

ترجمہ: وہ چیزیں جن سے روزہ خراب نہیں ہوتا ہے۔ روزہ خراب نہیں ہوتا آنے والی صورتوں میں: (۱) جب بھول کر کھالے۔ (۲) جب بھول کر پی لے۔ (۳) جب بھول کر ہمبستری کرلے۔ (۴) جب تیل لگائے۔ (۵) جب سرمہ لگائے اگرچہ اسکا مزہ وہ حلق میں محسوس کرے۔ (۶) جب پچھنا لگوائے۔ (۷) جب کسی کی غیبت کرے۔ (۸) جب روزہ توڑنے کی نیت کرے اور روزہ نہ توڑے۔ (۹) جب اس کے حلق میں گرد وغبار داخل ہو بغیر اُس کے عمل و کوشش کے اگرچہ چکی کا غبار ہو۔ (۱۰) جب اس کے حلق میں بغیر اس کی کوشش اور عمل کے دھواں داخل ہو۔ (۱۱) جب اس کے حلق میں مکھی چلی جائے۔ (۱۲) جب وہ جنبی ہو جائے۔ اسی طرح روزہ خراب نہیں ہوتا جب وہ سارا دن جنابت کی حالت میں رہے لیکن یہ مکروہِ تحریمی ہے فریضۂ نماز کو چھوڑنے کی وجہ سے۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ جب رؤیتِ ہلال کے مسئلہ سے فارغ ہوگئے تو اب اُن عوارض کو بیان فرماتے ہیں جو روزے پر طاری ہوتے ہیں اور ان کی بابت یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید روزہ ٹوٹ گیا ہو حالانکہ روزہ نہیں ٹوٹتا، ایسے چند ضروری مسائل یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) بھول کر کھانے (۲) پینے یا (۳) صحبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اگر کسی توانا و طاقتور آدمی کو دیکھے کہ کھا پی رہا ہے تو مطلع کردے اور اگر کسی کمزور عمر رسیدہ آدمی کو دیکھے تو گنجائش ہے کہ خاموشی اختیار کرے تاکہ وہ کھائے اور پیئے۔ نیز صرف چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تاآنکہ اسے نگل نہ جائے۔ ناسیا؛ فرمایا نسیان کی تعریف یہ ہے کہ ضرورت کے وقت کسی چیز کا یاد نہ رہنا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ بھول کر کھانے پینے اور صحبت سے روزہ نہیں ٹوٹتا یہ قید اسلئے لگائی تاکہ خطأ سے احتراز ہو جائے۔ خطأ یہ ہے کہ یاد تو اسے ہو مگر کام اُس سے بالقصد صادر نہ ہو مثلاً روزہ دار کو روزہ یاد ہے مگر کلّی کرتے وقت بلا اختیار پانی اس کے پیٹ میں چلا گیا لہٰذا اگر روزہ یاد ہے لیکن غلطی سے بلا اختیار کوئی چیز پیٹ میں چلی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر قضا لازم ہے۔ نسیان سے روزہ اسلئے نہیں ٹوٹتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب روزہ دار بھول کر کھالے تو یقیناً یہ رزق ہے جو اللہ نے اس کو دیا ہے لہٰذا اس پر قضا نہیں تو کھانے کی نسبت اللہ کی طرف کی کہ اللہ نے کھلایا ہے۔ اور اگر (۴) روزہ دار نے تیل لگایا سر میں لگائے یا داڑھی میں یا (۵) سرمہ لگائے چاہے سرمہ کا ذائقہ محسوس بھی کیا ہو یا تھوک

وغیرہ میں سرمہ کا رنگ بھی نظر آرہا ہو یا (٦) پچھنا لگایا تو ان تین صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ ان صورتوں میں روزہ کو توڑنے والی کوئی بات نہیں پائی جارہی ہے کیونکہ تیل اور سرمہ براہِ راست دماغ اور پیٹ میں نہیں پہنچتے ہیں بلکہ مسامات کے ذریعہ داخل ہوتے ہیں اور مسامات (بدن پر باریک سوراخ جو بالوں کے نیچے ہوتے ہیں) کے ذریعہ داخل ہونے والی چیز روزہ کے منافی نہیں ہے۔ نیز آپ علیہ السلام نے روزہ کی حالت میں پچھنا لگوایا ہے۔ البتہ اگر پچھنا لگانے سے ضعف اور کمزوری کا خطرہ ہے تو پھر مکروہ ہے ورنہ جائز۔ اسی طرح اگر روزہ دار کے حلق میں غبار داخل ہو گیا چاہے آٹا پیسنے والی چکی میں آٹے کا غبار کیوں نہ ہو یا دھواں یا مکھی داخل ہو گئی روزہ دار کے اختیار کے بغیر تو بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا اسلئے کہ ان چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

تنبیہ: یہاں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ''دَخَلَ'' فرمایا کہ ان اشیاء کا دخول ہو یعنی خود بخود بغیر اختیار کے داخل ہو گئے، لیکن اگر اِدخال ہو کہ کوئی روزہ دار جان بوجھ کر گرد و غبار کو حلق میں داخل کرے تو پھر روزہ فاسد ہوگا۔

فائدہ: اگر بتی وغیرہ کے دھوئیں سے جبکہ وہ حلق میں جائے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر بتی، عود وغیرہ جلا کر اس کی خوشبو کو سونگھا جائے تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح کوئی دمہ کا سخت مریض ہے اور دورہ پڑنے پر اسے آکسیجن پہنچائی جائے تو اگر آکسیجن کے ساتھ کوئی دوائی نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ یہ سانس لینے کی طرح ہے اور سانس کے ذریعہ ہوا لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر آکسیجن کے ساتھ دواء کے اجزاء بھی شامل ہوں تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (جدید فقہی مسائل، مراقی مع الطحطاوی، ردالمحتار مع درمختار)

إِذَا أَصْبَحَ جُنُباً: اس جملہ کے دو مطلب ہیں۔ (۱) روزہ دار سو گیا اور اس حالت میں اسکو احتلام ہو گیا تو اسکا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تین چیزیں روزہ کو نہیں توڑتیں، قے کرنا، پچھنا لگوانا اور احتلام ہونا۔ نیز احتلام میں نہ صورۃً جماع ہے نہ معنیً۔ (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ رات کو جنابت لاحق ہو گئی صحبت کی وجہ سے یا احتلام کی وجہ سے اور اسی حالتِ جنابت میں صبح کی، اور غسل نہیں کیا تو بھی روزہ خراب نہیں ہوگا اسی طرح اگر روزہ دار سارا دن بھی جنابت ہی کی حالت میں رہے تو بھی روزہ ہو جائے گا مگر سارا دن جنابت کی حالت میں رہنا مکروہِ تحریمی ہے اسلئے کہ فرض نمازیں چھوٹ جائیں گی۔

(۱۳) إِذَا خَاضَ نَهْرًا فَدَخَلَ الْمَاءُ فِيْ أُذُنِهِ۔ (۱٤) إِذَا دَخَلَ أَنْفَهُ مُخَاطٌ فَاسْتَنْشَقَهُ عَمْدًا، أَوِ ابْتَلَعَهُ۔ (۱۵) إِذَا غَلَبَهُ الْقَيْئُ وَعَادَ بِغَيْرِ صُنْعِهِ سَوَاءٌ كَانَ الْقَيْئُ قَلِيلًا أَوْ كَانَ كَثِيْرًا۔ (۱٦) إِذَا تَعَمَّدَ الْقَيْئَ وَكَانَ الْقَيْئُ أَقَلَّ مِنْ مِّلْءِ فِيْهِ وَعَادَ لِغَيْرِ صُنْعِهِ۔ (۱۷) إِذَا أَكَلَ الشَّيْئَ الَّذِيْ كَانَ بَيْنَ أَسْنَانِهِ. وَكَانَ الشَّيْئُ الْمَأْكُوْلُ أَقَلَّ مِنَ الْحِمَّصَةِ۔ (۱۸) إِذَا مَضَغَ شَيْأً مِثْلَ سِمْسِمَةٍ مِنْ خَارِجِ الْفَمِ حَتّٰى يَتَلَاشٰى وَلَمْ يَجِدْ لَهٗ طَعْمًا فِيْ حَلْقِهِ۔ (۱۹) لَايَفْسُدُ الصَّوْمُ بِالْإِبْرَةِ سَوَاءٌ تُعْطٰى فِي الْجِلْدِ أَوْ تُعْطٰى فِي الشِّرْيَانِ۔ (۲۰) إِذَا حَكَّ أُذُنَهٗ بِعُوْدٍ فَخَرَجَ عَلَيْهِ دَرَنٌ ثُمَّ أَدْخَلَ ذٰلِكَ الْعُوْدَ مِرَارًا فِيْ أُذُنِهِ۔

حلِّ لغات: خَاضَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف اجوف واوی از باب نصر بمعنی پانی میں داخل ہونا، گھسنا۔ مُخَاطٌ؛ بمعنی ناک کی رینٹ جمع أَمْخِطَةٌ۔ اِسْتَنْشَقَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف صحیح از باب استفعال بمعنی اوپر چڑھانا، ناک میں پانی ڈالنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ناک میں پانی یا بلغم کو کھینچ کر اوپر چڑھانا۔ اِبْتَلَعَ؛ بمعنی نگلنا۔ حِمَّصَةٌ؛ بمعنی چنا۔ مَضَغَ؛ بمعنی چبانا۔ سِمْسِمَةٌ؛

بمعنی تل۔ یَتَلَاشٰی، صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف ناقص واوی از باب تفاعل بمعنی لاشئی اور معدوم ہونا۔ اَلْاِبْرَۃ، بمعنی سوئی، انجکشن۔ جمع اِبَرٌ۔ شِرْیَانٌ، بمعنی اچھلنے والی رگ جس میں خون دوڑتا ہے۔ حَکَّ، صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف مضاعف ثلاثی از باب نصر بمعنی رگڑنا، کھجلانا۔ دَرَنٌ، بمعنی میل کچیل جمع اَدْرَانٌ۔

ترجمہ: (۱۳) جب نہر میں گھس جائے اور پانی اس کے کان میں چلا جائے۔ (۱۴) جب کسی شخص کی ناک میں بلغم، رینٹ آجائے اور وہ اس رینٹ کو جان بوجھ کر اوپر چڑھالے یا نگل جائے۔ (۱۵) جب قے اس پر غالب آجائے اور وہ روزہ دار کے کچھ کئے بغیر لوٹ جائے، قے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ۔ (۱۶) جب جان بوجھ کر قے کر ڈالے اور وہ قے منہ بھر سے کم ہو اور وہ قے روزہ دار کے اختیار کے بغیر لوٹ جائے۔ (۱۷) جب وہ چیز کھالے جو اس کے دانتوں کے درمیان اٹکی ہوئی ہے اور وہ کھائی ہوئی چیز چنے کے دانے سے کم ہو۔ (۱۸) جب تل کے برابر کوئی چیز منہ کے باہر سے لیکر چبالے یہاں تک کہ وہ کالعدم ہو جائے اور اپنے حلق میں اسکا مزہ محسوس نہ کیا ہو۔ (۱۹) انجکشن سے روزہ خراب نہیں ہوتا خواہ انجکشن چمڑے میں لگایا جائے یا رگ میں۔ (۲۰) جب اپنا کان کسی لکڑی سے کھجائے اور اس پر میل نکلے پھر اس لکڑی کو کئی بار اپنے کان میں داخل کرے۔

تشریح: اِذَا خَاضَ نَهْرًا الخ: (۱۳) جن صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص نہر میں یا تالاب وغیرہ میں گھس جائے پھر خود بخود پانی اس کے کان میں چلا جائے یا وہ کان میں پانی ڈالے دونوں صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا اسلئے کہ نہ یہ صورۃً افطار ہے نہ معنًی، صورۃً کا مطلب یہ ہے کہ منہ سے کوئی چیز ڈالے جو معدہ تک پہنچ جائے اور معنًی کا مطلب یہ ہے کسی بھی راستہ سے معدہ تک چیز پہنچ جائے نیز اس پہنچنے والی چیز میں بدن کی اصلاح ہو، یہاں پانی نہ تو منہ کے راستہ سے اندر گیا اور نہ ہی بدن کی کوئی اصلاح ہوئی بخلاف تیل کے کہ اگر کان میں تیل ڈالے تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ تیل میں صورۃً تو افطار نہیں ہے لیکن معنًی ہے کیونکہ تیل سے دماغ کو تقویت ملتی ہے۔

(۱۴) جب ناک میں رینٹ داخل ہو جائے (داخل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ باہر سے ناک میں آجائے کیونکہ اس کا کوئی مطلب نہیں بنتا بلکہ ناک میں رینٹ کے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سر سے رینٹ یا بلغم ناک میں اتر جائے تو دخل بمعنی نزل کے ہے) پھر اس کو اوپر کی جانب کھینچے یا اندر نگل لے تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا اسلئے کہ باہر سے کوئی چیز اندر نہیں گئی۔

(۱۵) قے کی کل بارہ (۱۲) صورتیں بنتی ہیں: قے یا (۱) از خود آئے گی یا (۲) جان بوجھ کر کرے گا پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ (۳) منہ بھر کر ہو گی یا (۴) اس سے کم۔ پھر چاروں صورتوں میں سے ہر ایک صورت میں قے یا تو خود واپس پیٹ میں جائے یا جان بوجھ کر اس کو واپس کرے یا باہر پھینک دے۔ ان تمام صورتوں میں سے صرف دو صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (۱) ایک صورت یہ ہے کہ منہ بھر کر قے کی اور چنے کی مقدار یا اس سے زائد جان بوجھ کر قصداً لوٹا دی۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ خود جان بوجھ کر منہ بھر قے کی اس صورت میں مطلقا روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ واپس لوٹائی ہو یا نہ لوٹائی ہو۔ کتاب میں ذکر کردہ دونوں صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا پہلی صورت

میں اگر چہ قے واپس پیٹ میں گئی ہے لیکن بغیر اختیار کے اور دوسری صورت میں قے اگر چہ جان بوجھ کر کی ہے لیکن ایک تو منہ بھر کر نہیں کی دوسری بات خود واپس گئی ہے بغیر اختیار کے۔

(۱۷) جب وہ چیز نگل جائے اور کھالے جو دانتوں کے درمیان رہ گئی ہو بشرطیکہ وہ چنے کی مقدار سے کم ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا اسلئے کہ یہ تھوک کے تابع ہے نیز اس سے بچنا ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ عادۃً دانتوں کے درمیان کچھ نہ کچھ غذا باقی رہ جاتی ہے ہاں چنے کی مقدار سے زیادہ ہو تو پھر روزہ فاسد ہوگا اسلئے کہ اس سے بچنا ممکن ہے البتہ اگر چنے سے کم مقدار والی چیز کو منہ سے نکال کر پھر منہ میں ڈال دے اور نگل لے تو پھر اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(۱۹) انجکشن اور ڈرپ وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ چمڑے اور گوشت میں لگے یا رگوں میں کیونکہ انجکشن کے ذریعہ جو چیزیں جسم میں داخل کی جاتی ہیں وہ عموماً مَسَام اور رگوں کے واسطہ سے دماغ تک یا معدہ تک پہنچتی ہیں اور رگ دماغ اور معدہ کا حقیقی راستہ نہیں ہے، ہاں اگر انجکشن براہِ راست پیٹ میں دیا جائے جیسا کہ کتے کے کاٹنے کی صورت میں دیا جاتا ہے تو پھر روزہ فاسد ہو جائے گا، نیز آج کل بعض میڈیکل ٹسٹ میں اٰلات معدے تک پہنچائے جاتے ہیں اور پھر نکالے جاتے ہیں اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ ان اٰلات کے ساتھ دوائی داخل نہ کی جائے بلکہ خشک داخل کئے جائیں۔

(۲۰) اس آخری صورت میں روزہ اسلئے نہیں ٹوٹے گا کہ کان کے سوراخ میں بار بار لکڑی کا تنکا وغیرہ داخل کرنے سے دماغ تک کوئی چیز پہنچی نہیں ہے۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی، قاموس الفقہ، تسہیل، تفہیم الفقہ، کتاب الاختیار لتعلیل المختار، در مختار مع رد المحتار)

مَتٰى تَجِبُ الْكَفَّارَةُ مَعَ الْقَضَاءِ؟ يَفْسُدُ الصَّوْمُ فِي الصُّوَرِ الْاٰتِيَةِ وَتَجِبُ فِيْهَا الْكَفَّارَةُ مَعَ الْقَضَاءِ۔ ۱۔ إِذَا أَكَلَ الصَّائِمُ غِذَاءً يَمِيْلُ إِلَيْهِ الطَّبْعُ وَتَنْقَضِيْ بِهٖ شَهْوَةُ الْبَطْنِ۔ ۲۔ إِذَا أَكَلَ الصَّائِمُ دَوَاءً لِغَيْرِ عُذْرٍ شَرْعِيٍّ۔ ۳۔ إِذَا شَرِبَ الصَّائِمُ مَاءً. أَوْ مَشْرُوْبًا اٰخَرَ۔ ٤۔ إِذَا جَامَعَ الصَّائِمُ۔ ٥۔ إِذَا ابْتَلَعَ مَطَرًا دَخَلَ إِلٰى فَمِهٖ۔ ٦۔ إِذَا أَكَلَ الْحِنْطَةَ وَقَضَمَهَا۔ ۷۔ إِذَا ابْتَلَعَ حَبَّةَ حِنْطَةٍ بِدُوْنِ قَضْمٍ۔ ۸۔ إِذَا ابْتَلَعَ حَبَّةَ سِمْسِمَةٍ. أَوْ نَحْوَهَا مِنْ خَارِجِ فَمِهٖ۔ ۹۔ إِذَا أَكَلَ الْمِلْحَ الْقَلِيْلَ۔ ۱۰۔ إِذَا ادَّخَنَ السِّيْجَارَةَ أَوِ النَّارَجِيْلَةَ۔ ۱۱۔ إِذَا أَكَلَ الطِّيْنَ وَهُوَ مُعْتَادٌ بِأَكْلِ الطِّيْنِ۔ أَمَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ مُعْتَادًا بِأَكْلِ الطِّيْنِ فَلَا تَلْزَمُهُ الْكَفَّارَةُ۔

حلِ لغات: يَمِيْلُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف اجوف یائی از باب ضرب بمعنی مائل ہونا، رغبت و محبت کرنا۔ تَنْقَضِيْ؛ صیغہ واحد مؤنث غائب اثبات فعل مضارع معروف ناقص یائی از باب انفعال بمعنی پورا ہونا، ختم ہونا۔ قَضَمَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف صحیح از باب ضرب بمعنی دانت کے اطراف سے کاٹنا اور کھانا۔ سِمْسِمَةٌ؛ بمعنی تل کا ایک دانہ جمع سَمَاسِمُ۔ اَلسِّيْجَارَةُ؛ بمعنی سگریٹ جمع سَجَائِرُ۔ اَلنَّارَجِيْلَةُ؛ بمعنی حُقّہ۔ دَخَّنَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف از باب تفعیل بمعنی تمباکو یا سگریٹ یا حُقّہ پینا۔ (جدید عربی)

ترجمہ: قضاء روزہ کے ساتھ کفّارہ کب واجب ہوتا ہے؟ آنے والی (۱۱ گیارہ) صورتوں میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور ان میں قضاء کے ساتھ کفّارہ بھی واجب ہو جاتا ہے۔(۱) جب روزہ دار ایسی غذاء کھائے جس کی طرف اس کی طبیعت مائل ہو اور اسکے کھانے سے پیٹ کی اشتہاء (کھانے کی خواہش اور چاہت) پوری ہوتی ہو۔(۲) جب روزہ دار بغیر کسی شرعی مجبوری کے کوئی دوائی کھالے۔(۳) جب روزہ دار پانی یا کوئی اور مشروبات پی لے۔(۴) جب روزہ دار ہمبستری کرلے۔(۵) جب روزہ دار اُس بارش کو نگل جائے جو اس کے منہ میں داخل ہوئی ہے۔(۶) جب روزہ دار گندم کو دانتوں سے چبا کر کھائے۔(۷) جب گیہوں کے دانے کو بغیر چبائے نگل جائے۔(۸) جب تل کا دانہ یا اس جیسی کوئی چیز اپنے منہ کے باہر سے لے کر نگل جائے۔(۹) جب تھوڑا سا نمک کھالے۔(۱۰) جب سگریٹ یا حقّہ پی لے۔(۱۱) جب مٹی کھالے جبکہ مٹی کھانے کا عادہ بھی ہو۔ بہر حال جب وہ مٹی کھانے کا عادی نہ ہو تو اس پر کفّارہ لازم نہ ہوگا۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے وہ مسائل بیان فرمائے جن میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اب یہاں سے اُن مسائل کا آغاز کرتے ہیں جن میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر روزہ ٹوٹ جانے کی بعض صورتیں وہ ہیں جن میں صرف روزہ قضاء کرنا ضروری ہے اور بعض صورتیں وہ ہیں جن میں قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم آتا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے وہ صورتیں ذکر فرمائی ہیں جن میں قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم آتا ہے پھر ان کے بعد وہ صورتیں ذکر کی ہیں جن میں صرف قضاء لازم آتی ہے اگرچہ بہتر یہ تھا کہ اُن صورتوں کو مقدم رکھتے جن میں صرف قضاء لازم آتی ہے تاکہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی۔

بہر حال یہ اصول یاد رکھیں کہ جب روزہ توڑنے کا جرم کامل درجہ کا ہو تو قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم آئے گا اور اگر روزہ توڑنے کا جرم کامل درجہ کا نہ ہو تو صرف قضاء لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں۔ رمضان مبارک کو اللہ تعالیٰ نے روزہ کے فرض ہونے کے لئے مخصوص فرمایا ہے اور اس کو خصوصی فضیلت واہمیت عطا فرمائی ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ میں بلا عذر اور قصداً روزہ توڑنے کو کفارہ کے واجب ہونے کا باعث قرار دیا ہے۔ ہر چند کہ جس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے اس میں شوہر نے اپنی بیوی سے روزہ کی حالت میں ہمبستری کرلی تھی لیکن چونکہ روزہ کے فاسد ہونے میں جماع (ہمبستری) اور خورد ونوش کو برابر درجہ کا دخل ہے اس لئے احناف کے نزدیک روزہ کے دوران قصداً کھانے پینے سے بھی کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔

پھر کھانے پینے کے سلسلہ میں نمبر (۱) پر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ روزہ دار ایسی غذا کھالے جسکی طرف طبیعت کا میلان ہو یعنی عموماً کھائی جاتی ہو اور اسکے کھانے سے پیٹ کی اشتہاء یعنی کھانے کی چاہت بھی ختم ہو جاتی ہے تو اس صورت میں روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے مثلاً ہر قسم کے کھانے (چاول، روٹی، بریانی، نہاری، کباب، پھل فروٹ ومشروبات وغیرہ) لیکن اگر ایسی چیز کھالی جس کی طرف طبیعت کا میلان نہ ہو اور انہیں عموماً نہیں کھایا جاتا اور نہ ہی ان کے کھانے سے پیٹ کی اشتہاء ختم ہوتی ہے تو ان چیزوں کے کھانے سے صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں مثلاً ایک ہی دفعہ میں بہت سارا نمک کھالیا۔ یا روئی، کاغذ، گھٹلی، لوہے کا ٹکڑا، کنکری، مٹی جب کہ عادت نہ ہو۔

(۲)روزہ دار کسی قسم کی دوا بغیر کسی عذرِ شرعی کے کھالے تو قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہے قضاء تو اس لئے کہ اس کو روزہ کا حکم تھا اور اس نے توڑ دیا اور کفار اسلئے کہ پیٹ کی شہوت کو پورا کرنے کی وجہ سے جُرم کامل درجہ کا ہے۔ لیکن اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے کوئی دوائی کھالے تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں یہی حال کھانے پینے کا بھی ہے۔

(۴)جب روزہ دار جماع کرلے یعنی قصداً کسی زندہ آدمی کے ساتھ دونوں راستوں میں سے کسی ایک راستہ میں جماع کرے خواہ انزال ہو یا نہ ہو یا عمداً کسی عورت کے ساتھ صحبت کی گئی تو ان دونوں صورتوں میں قضاء بھی لازم ہے اور کفارہ بھی، قضاء تو اسلئے کہ روزہ توڑ دیا اور کفارہ اسلئے کہ شرمگاہ کی شہوت کو پورا کرنے کی وجہ سے جُرم کامل درجہ کا ہے۔

(۵)اگر معمولی مقدار میں بھی کوئی چیز کھاپی لے اور کھائی جانے والی چیز غذا یا دوا کا کام کرتی ہے جس سے بدن کا نفع متعلق ہو تو اس سے روزہ ٹوٹنے کے علاوہ کفارہ بھی واجب ہوگا جیسے بارش کے قطرے یا اولے یا برف منہ میں داخل ہو جائے۔

شُرُوْطُ وُجُوْبِ الْكَفَّارَةِ: لَاتَلْزَمُ الْكَفَّارَةُ إِلَّا إِذَا تَوَفَّرَتِ الشُّرُوْطُ الْاٰتِيَةُ:١-إِذَا أَكَلَ، أَوْ شَرِبَ فِيْ أَدَاءِ رَمَضَانَ- فَلَا تَلْزَمُ الْكَفَّارَةُ إِذَا أَكَلَ، أَوْ شَرِبَ فِيْ غَيْرِ رَمَضَانَ- كَذَا لَا تَلْزَمُ الْكَفَّارَةُ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ فِيْ قَضَاءِ رَمَضَانَ-٢-إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ عَامِدًا-فَلَا تَلْزَمُ الْكَفَّارَةُ إِذَا أَكَلَ،أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا-٣-إِذَا لَمْ يَكُنْ مُخْطِأً فِيْ أَكْلِهٖ وَشُرْبِهٖ-فَلَاتَلْزَمُ الْكَفَّارَةُ إِذَا أَكَلَ، أَوْشَرِبَ مُخْطِأً ظَانًّا بَقَاءَ اللَّيْلِ أَوْدُخُوْلَ الْمَغْرِبِ، ثُمَّ تَبَيَّنَ لَهٗ أَنَّهٗ أَكَلَ نَهَارًا-٤-إِذَا لَمْ يَكُنْ مُضْطَرًّا إِلَى الْأَكْلِ،أَوِ الشُّرْبِ- فَلَاتَلْزَمُ الْكَفَّارَةُ إِذَا اضْطُرَّ إِلَى الْأَكْلِ، أَوِ الشُّرْبِ-٥- إِذَا لَمْ يَكُنْ مُكْرَهًا عَلَى الْأَكْلِ،أَوِ الشُّرْبِ- فَلَا تَلْزَمُ الْكَفَّارَةُ إِذَا أُكْرِهَ عَلَى الْأَكْلِ، أَوِ الشُّرْبِ-

حلِّ لغات: ظَانًّا؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل مضاعف ثلاثی از باب نصر بمعنی گمان کرنا۔ مُضْطَرًّا؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول مضاعف ثلاثی از باب افتعال بمعنی مجبور ہونا۔ اصل میں تھا مُضْتَرِرٌ۔ راکا را میں ادغام ہوا مُضْتَرٌّ بن گیا پھر باب افتعال کا فاء کلمہ ضاد ہونے کی وجہ سے باب افتعال کی تا کو طا سے بدل دیا گیا تو مُضْطَرٌّ بن گیا۔

ترجمہ: کفّارہ کے واجب ہونے کی شرطیں۔ کفّارہ واجب نہیں ہوتا مگر جب آنے والی شرطیں کامل طور پر پائی جائیں۔(۱)رمضان المبارک کے ادا روزہ کے دوران کھالے یا پی لے۔ لہٰذا کفّارہ واجب نہیں ہوگا جب رمضان المبارک کے علاوہ (کسی روزہ) میں کھائے یا پیئے۔ اسی طرح کفارہ واجب نہیں ہوتا جب رمضان المبارک کے قضاء روزے کے دوران کھائے یا پیئے۔(۲)جب جان بوجھ کر کھالے یا پی لے۔ لہٰذا کفارہ واجب نہیں ہوگا جب بھول کر کچھ کھالے یا پی لے۔(۳)جب کھانے اور پینے میں غلطی نہ کرے لہٰذا کفارہ لازم نہیں ہوگا جب غلطی سے کھائے یا پیئے جبکہ اس کا یہ گمان ہو کہ رات ابھی باقی ہے یا مغرب کا وقت داخل ہو چکا ہے پھر اسکے سامنے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس نے دن ہی میں کھالیا تھا۔(۴)جب کھانے یا پینے کی طرف مجبور نہ ہو پس کفارہ لازم نہیں ہوتا جب کھانے یا پینے کی طرف مجبور ہو۔(۵)جب کھانے یا پینے پر مجبور نہ کیا جائے، لہٰذا کفارہ لازم نہیں ہوتا جب کھانے یا پینے پر روزہ دار کو مجبور کیا جائے۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قضاء کے ساتھ کفارہ کے واجب ہونے کی صورتوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب یہاں مذکورہ بالا عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جن صورتوں میں کفارہ واجب ہوتا ہے ان کی شرطیں کیا ہیں؟ مثلاً کھانے پینے سے کفارہ واجب تو ہوتا ہے مگر ہمیشہ نہیں صرف اس وقت کہ جب رمضان کے ادا روزے میں کھا پی لے۔ یعنی کھانے پینے سے کفارہ لازم تو ہوتا ہے مگر چند شرطوں کے ساتھ:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ یہ کھانا پینا رمضان کے ادا روزہ میں ہو لہٰذا اگر رمضان کا قضاء روزہ رکھ کر یا کسی اور روزہ کے دوران مثلاً نفلی یا نذر یا قضاء روزہ رکھ کر پھر جان بوجھ کر کچھ کھا پی لیا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ رمضان کے ادا روزہ کو توڑنے کی صورت میں قضاء اور کفارہ دونوں اسلئے لازم ہوتے ہیں کہ اس میں رمضان کی بے حرمتی ہے اس لئے کہ رمضان کے مہینہ کو اللہ نے روزہ کے فرض ہونے کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ یہ کھانا پینا جان بوجھ کر ہو لہٰذا اگر رمضان میں ہی کسی نے کھا پی لیا لیکن بھول کر تو بھی کفارہ لازم نہ ہوگا بلکہ بھول کر کھانے پینے سے تو روزہ ہی نہیں ٹوٹے گا۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ یہ کھانا پینا غلطی سے نہ ہو غلطی کا مطلب روزہ تو یاد ہے لیکن بلا اختیار پانی حلق میں اتر گیا تو اس صورت میں بھی صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

اسی طرح روزہ دار نے یہ سمجھ کر کہ ابھی رات باقی ہے فجر طلوع نہیں ہوئی کچھ کھا لیا پھر بعد میں تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ میں نے تو صبحِ صادق کے طلوع ہونے کے بعد کھایا تھا یا یہ سمجھ کر کہ مغرب کا وقت داخل ہو چکا ہے روزہ کھول لیا پھر بعد میں پتہ چلا کہ میں نے غروب سے پہلے کھانا کھایا روزہ کھولنے کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا تو ان دونوں صورتوں میں صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ اس لئے کہ اس نے جان بوجھ کر نہیں کھایا لہٰذا جُرم کامل نہیں ہے۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ کھانے پینے کی شدید ضرورت نہ ہو اور کھا پی لے تو کفارہ لازم آئے گا لیکن اگر بھوک کی وجہ سے مرنے کے قریب ہے اور کھانے کی اشد ضرورت ہے تو اس صورت میں بھی روزہ توڑنے سے صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ روزہ دار کو کھانے پینے پر دھمکی دیکر مجبور نہ کیا گیا ہو لیکن اگر کسی روزہ دار کو قتل کی دھمکی دیکر کھانے پینے پر مجبور کر دیا گیا اور اس نے کھا لیا تو اس پر صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

فائدہ: کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ توڑ دیا تو بھی کفارہ لازم نہیں ہوگا مثلاً کسی شخص نے روزہ رکھا اور پھر سفر شروع کر دیا اور اس وجہ سے روزہ توڑ دیا تو قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ بیماری کی وجہ سے روزہ توڑ دیا اور کچھ کھا پی لیا تو قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ)

بَيَانُ الْكَفَّارَةِ: اَلْكَفَّارَةُ الَّتِيْ تَحَدَّثْنَا عَنْهَا اَلْاٰنَ هِيَ: ۱۔ عِتْقُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ كَانَتْ أَوْ غَيْرَ مُؤْمِنَةٍ۔ ۲۔ صِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَا يَتَخَلَّلُ فِيْهِمَا يَوْمُ عِيْدٍ وَلَا أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ۔ ۳۔ إِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا مِنْ أَوْسَطِ مَا يَأْكُلُهُ عَادَةً۔ تَجِبُ الْكَفَّارَةُ عَلٰى هٰذَا التَّرْتِيْبِ. فَمَنْ لَمْ يَجِدْ عِتْقَ رَقَبَةٍ. صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَأَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا. لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ وَجْبَتَانِ كَامِلَتَانِ۔ وَيَجِبُ أَنْ لَا يَكُوْنَ فِي الْمَسَاكِيْنِ

مَنْ تَلْزَمُهُ نَفَقَتُهُ. كَالْوَالِدَيْنِ وَالْأَبْنَاءِ. وَالزَّوْجَةِ۔ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّدْفَعَ إِلَى الْمَسَاكِيْنِ حُبُوْبًا فَعَلَيْهِ أَنْ يَّدْفَعَ إِلٰى كُلِّ فَقِيْرٍ نَصْفَ صَاعٍ مِنَ الْقَمْحِ. أَوْ دَقِيْقِهِ. أَوْ قِيْمَةَ نِصْفِ صَاعٍ مِنَ الْقَمْحِ. أَوْ صَاعًا مِنَ الشَّعِيْرِ. أَوِ التَّمْرِ. أَوْ قِيْمَةَ صَاعٍ مِنَ الشَّعِيْرِ أَوِ التَّمْرِ۔

حلِّ لغات: وَجْبَتَانِ؛ تثنیہ ہے وَجْبَةٌ کا بمعنی ایک وقت کا کھانا جس سے شکم سیری حاصل ہو، دن میں ایک مرتبہ کی خوراک جمع وَجَبَاتٌ۔ حُبُوْبٌ؛ جمع ہے حَبَّةٌ کی بمعنی دانے، اناج۔ قَمْحٌ؛ بمعنی گندم، گیہوں۔ دَقِيْقٌ؛ بمعنی گندم کا آٹا۔ اَلشَّعِيْرُ؛ بمعنی جَو۔ تَمْرٌ؛ بمعنی کھجور، خُرما۔

ترجمہ: کفارے کا بیان۔ وہ کفارہ جس کے بارے میں ہم نے ابھی گفتگو کی وہ (۱) ایک غلام کو آزاد کرنا ہے چاہے وہ غلام مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ (۲) لگاتار دو ماہ تک روزے رکھنا اس طور پر کہ ان دونوں مہینوں میں نہ تو عید کا دن داخل ہو اور نہ ہی تشریق کے دن۔ (۳) ساٹھ مسکینوں کو درمیانی درجہ کا کھانا کھلانا جو وہ خود عام طور سے کھاتا ہے۔ کفارہ اسی ترتیب سے واجب ہوتا ہے۔ پس وہ شخص جو غلام کو آزاد کرنے کی طاقت نہ پائے تو وہ مسلسل دو مہینے روزے رکھے۔ پس اگر وہ طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ہر مسکین کو دو پورے خوراک۔ اور ضروری ہے یہ بات کہ مسکینوں میں وہ لوگ نہ ہوں جن کا خرچہ اس (کفارہ ادا کرنے والے) کے ذمہ ہے جیسا کہ ماں باپ، اولاد اور بیوی۔ جب اس کا ارادہ یہ ہو کہ مسکینوں کو غلہ دے تو اس پر ضروری ہے یہ بات کہ وہ ہر مسکین کو آدھا صاع گندم یا گندم کا آٹا یا گندم کے آدھے صاع کی قیمت دے۔ یا جَو یا کھجور کا ایک صاع یا جَو یا کھجور کے ایک صاع کی قیمت دے۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کفارہ کے واجب ہونے کی شرطیں ذکر فرمائی تھیں تو اب یہاں سے خود کفارہ کو بیان فرماتے ہیں: وہ صورتیں جن میں قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی ادا کرنا ہوتا ہے وہ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام کو آزاد کر دے خواہ غلام مسلمان ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح وہ غلام ہو یا باندی کیونکہ رقبہ کا لفظ لایا گیا ہے اور رقبہ مرد (غلام) اور عورت (باندی) دونوں کو شامل ہے یا چھوٹا بچہ ہو۔ البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ اس غلام میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جو اس کے جسم سے متعلق ہو مثلاً ہاتھ کے پکڑنے کی طاقت یا پاؤں کے چلنے کی طاقت فوت ہو گئی ہو یا بات کرنے، دیکھنے، سمجھنے کی طاقت ختم ہو چکی ہو تو ایسے غلام کو آزاد کرنا کفارہ کے لئے کافی نہ ہو گا۔ پھر اگر غلام آزاد نہ کر سکتا ہو یا اس وجہ سے کہ غلام مُیَسَّر نہیں جیسا کہ آجکل کا دور ہے یا مُیَسَّر تو ہے لیکن خرید نہیں سکتا تو پھر دو مہینے اس طرح لگاتار روزے رکھے کہ درمیان میں عید کے دن نہ آئیں نہ ایامِ تشریق کیونکہ ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے پھر یہ روزے چونکہ لگاتار رکھنا ضروری ہے اس لئے اگر درمیان میں ایک دن بھی روزہ چھوڑ دیا خواہ عذر سے جیسے سفر یا بیماری یا بے عذر تو پھر نئے سرے سے روزہ رکھنا ضروری ہو گا البتہ حیض کا عذر مستثنیٰ ہے کہ اگر کفارہ کے روزوں کے درمیان میں حیض آئے تو اس سے روزوں کے تسلسل پر فرق نہیں پڑے گا پھر اگر روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہ ہو بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے۔ خوب یاد رہے کہ کھانا کھلانے کا نمبر اس وقت ہے کہ جب روزہ کی طاقت بالکل نہ ہو اور اس بات کا فیصلہ کوئی ماہر دیندار ڈاکٹر کر سکتا ہے یا اپنا تجربہ۔ محض یہ خیال کرنا کہ مجھ میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں جیسا کہ عوام کرتے ہیں یہ بات درست نہیں۔ پھر کھانا کھلانے میں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے (۱) ساٹھ مسکینوں کو

آسودہ (شکم سیر) ہو کر کھانے کی اجازت دی جائے۔ اس میں یہ ضروری ہے کہ پہلے وقت جن فقراء، مساکین کو کھانا کھلایا ہے دوسرے وقت انہی مساکین کو کھلایا جائے نئے مساکین کو نہیں کیونکہ ہر مسکین کو دو وقت کا کھانا دینا ضروری ہے۔ (۲) ان مسکینوں میں اگر بعض بالکل چھوٹے بچے ہوں جو ابھی قریب البلوغ نہ ہوں تو جائز نہیں ان بچوں کے بدلہ دیگر مسکینوں کو پھر کھلانا پڑے گا۔ (۳) اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک صبح وشام کھانا کھلایا تو بھی درست ہے کھانا کھلانے میں تسلسل ضروری نہیں جس طرح روزوں میں ضروری ہے۔ بلکہ متفرق اوقات میں بھی مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔

(۴) مِنْ أَوْسَطِ مَا يَأْكُلُهُ عَادَةً: کا مطلب یہ ہے کہ نہ بہت تکلّف کرکے قیمتی کھانا کھلانا ضروری ہے اور نہ ہی انتہائی گھٹیا کھانا کھلانا مناسب ہے بلکہ درمیانے درجہ کا جو آدمی خود کھائے وہی کھلائے۔

(۵) تَجِبُ عَلٰى هٰذَا التَّرْتِيْبِ: کا مطلب یہ ہے کہ کفارہ کے ان تین کاموں میں اختیار نہیں کہ جو کام آسان ہے وہی کردے بلکہ سب سے پہلے غلام آزاد کرنا ضروری ہے اگر اس کی طاقت نہیں تو پھر روزے رکھنا ضروری ہے اگر اس کی بھی استطاعت نہیں تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

وَجْبَتَانِ كَامِلَتَانِ: کا مطلب وہی ہے جو اُوپر گذرا کہ ہر مسکین کو دو وقت کی پوری خوراک دی جائے گی، جس سے وہ شکم سیر ہو جائے۔

وَيَجِبُ أَنْ لَّا يَكُوْنَ الخ: کا مطلب یہ ہے کہ مساکین باہر کے ہوں گھر کے لوگ نہ ہوں جن کا خرچہ ویسے ہی اس کے ذمہ ہے مثلاً اپنے ماں باپ اور بیوی، بچے اگر نادار اور فقیر ہوں تب بھی ان کو کھانا کھلانا اور مساکین میں شامل کرنا کفارہ کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوگا۔

إِذَا أَرَادَ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی کھانا کھلانا نہیں چاہتا بلکہ ساٹھ مسکینوں کو کچا اناج دے تو یہ بھی جائز ہے پھر دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر گندم یا گندم کا آٹا دینا چاہتا ہے تو ہر مسکین کو آدھا صاع (پورے دو سیر گندم یا گندم کا آٹا یا پورے دو سیر گندم یا آٹے کی قیمت) اور اگر جَو، کھجور وغیرہ دینا چاہتا ہے تو ہر مسکین کو ایک صاع (ساڑھے تین سیر جَو یا کھجور یا ساڑھے تین سیر جَو یا کھجور کی قیمت) دیدے۔

فائدہ: روزے اگر اسلامی مہینہ کے آغاز سے رکھنا شروع کرے تو چاند کے حساب سے دو مہینہ لگاتار رکھنا ضروری ہے خواہ ساٹھ دن پورے ہوں یا نہ ہوں لیکن اگر اسلامی مہینہ کے شروع ہونے کے بعد روزہ رکھنا شروع کرے تو پھر ساٹھ دن پورے کرنا ضروری ہے۔

صاع: تقریباً ۳ کلو اور ۲۲۴ گرام کا ہوتا ہے۔

مَتٰى يَجِبُ الْقَضَاءُ دُوْنَ الْكَفَّارَةِ۔ يَفْسُدُ الصَّوْمُ فِي الصُّوَرِ الْاٰتِيَةِ وَيَجِبُ الْقَضَاءُ فِيْهَا وَلٰكِنْ لَا تَجِبُ فِيْهَا الْكَفَّارَةُ: ١۔ إِذَا أَفْطَرَ الصَّائِمُ لِعُذْرٍ مِنَ الْأَعْذَارِ الشَّرْعِيَّةِ كَالسَّفَرِ، وَالْمَرَضِ، وَالْحَمْلِ، وَالرِّضَاعِ، وَالْحَيْضِ، وَالنِّفَاسِ، وَالْإِغْمَاءِ، وَالْجُنُوْنِ۔ ٢۔ إِذَا أَكَلَ الصَّائِمُ شَيْئًا لَا يُؤْكَلُ عَادَةً وَلَا تَنْقَضِيْ بِهٖ شَهْوَةُ الْبَطْنِ، كَالدَّوَاءِ إِذَا أَكَلَهٗ لِعُذْرٍ شَرْعِيٍّ، وَالدَّقِيْقِ وَالْعَجِيْنِ، وَالْمِلْحِ الْكَثِيْرِ دَفْعَةً وَاحِدَةً، وَالْقُطْنِ، وَالْكَاغَذِ، وَالنَّوَاةِ، وَالطِّيْنِ إِذَا لَمْ تَكُنْ عَادَتُهٗ أَكْلَ الطِّيْنِ۔ ٣۔ إِذَا ابْتَلَعَ الصَّائِمُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ الْاٰتِيَةِ: حَصَاةٌ، حَدِيْدٌ، حَجَرٌ، ذَهَبٌ، فِضَّةٌ، نُحَاسٌ وَغَيْرُهَا۔ ٤۔ إِذَا أُكْرِهَ الصَّائِمُ عَلَى الْأَكْلِ، أَوِ الشُّرْبِ فَأَكَلَ أَوْ

شَرِبَ۔ ۵۔ إِذَا اضْطُرَّ الصَّائِمُ إِلَى الْأَكْلِ، أَوِ الشُّرْبِ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ۔ ۶۔ إِذَا أَكَلَ الصَّائِمُ مُخْطِئًا يَظُنُّ بَقَاءَ اللَّيْلِ، أَوْ غُرُوبَ الشَّمْسِ ثُمَّ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّ الْفَجْرَ كَانَ قَدْ طَلَعَ، أَوْ أَنَّ الشَّمْسَ لَمْ تَكُنْ غَرَبَتْ بَعْدُ۔

حل لغات: اَلدَّقِيْقُ؛ بمعنی آٹا جمع أَدِقَّةٌ۔ اَلْعَجِيْنُ؛ بمعنی گُندھا ہوا آٹا۔ اَلْقُطْنُ؛ بمعنی روئی۔ اَلْكَاغِذُ اور اَلْكَاغَذُ (غین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ) بمعنی کاغذ۔ حَصَاةٌ؛ بمعنی کنکری۔ حَدِيْدٌ؛ بمعنی لوہا۔ حَجَرٌ؛ بمعنی پتھر۔ ذَهَبٌ؛ بمعنی سونا۔ فِضَّةٌ؛ بمعنی چاندی۔ نُحَاسٌ؛ نون میں تینوں حرکتوں کے ساتھ بمعنی تانبا۔ أُضْطُرَّ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی مجہول مضاعف ثلاثی از باب افتعال بمعنی مجبور ہوا۔ اصل میں أُضْتُرِرَ بروزن أُجْتُنِبَ حروفِ اصلی ضَرَرٌ پھر تائے افتعال کو طا کر دیا گیا اور را کو را میں مدغم کر دیا گیا تو أُضْطُرَّ بن گیا۔

ترجمہ: قضاء بغیر کفارہ کے کب واجب ہوتی ہے؟ مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور ان صورتوں میں قضاء واجب ہوتی ہے لیکن ان میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ (۱) جب روزہ دار شرعی مجبوریوں میں سے کسی مجبوری کی بنیاد پر روزہ افطار کرلے۔ مثلاً سفر اور بیماری اور حمل اور بچہ کو دودھ پلانا اور ماہواری اور ولادت کے بعد خون کا زمانہ اور بے ہوشی اور دیوانگی۔ (۲) جب روزہ دار کوئی ایسی چیز کھالے جو عام طور پر نہیں کھائی جاتی اور نہ ہی اس سے پیٹ کی خواہش پوری ہوتی ہے، جیسے دوا جب کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے کھالے۔ اور خشک آٹا اور گوندھا ہوا آٹا۔ اور یک بارگی بہت زیادہ نمک کھانا۔ اور روئی اور کاغذ اور گٹھلی اور مٹی جبکہ مٹی کھانے کی اس کی عادت نہ ہو۔ (۳) جب روزہ دار مندرجہ ذیل چیزوں میں سے کوئی چیز نگل جائے، جیسے سنگریزہ (چھوٹی کنکری) لوہا، پتھر، سونا، چاندی، تانبا وغیرہ۔ (۴) جب روزہ دار کو کھانے یا پینے پر مجبور کر دیا جائے پس وہ کھائے یا پیئے۔ (۵) جب روزہ دار کھانے پینے کی طرف مجبور ہو جائے پس وہ کھا پی لے۔ (۶) جب روزہ دار رات کو باقی سمجھ کر یا سورج کو ڈوبا ہوا سمجھ کر غلطی سے کھالے پھر اسکو معلوم ہو کہ صبح صادق طلوع ہو چکی تھی یا سورج ابھی ڈوبا نہیں تھا۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کفارہ سے متعلق تفصیلی گفتگو فرمائی جس میں تین باتیں واضح فرمائیں: (۱) کفارہ واجب کب ہوتا ہے؟۔ (۲) کفارہ کے واجب ہونے کی شرطیں کیا ہیں؟۔ (۳) کفارہ کیا ہے؟۔ اب یہاں سے روزہ سے متعلق ان صورتوں کو ذکر فرماتے ہیں جن میں صرف قضاء واجب ہوتی ہے کفارہ نہیں۔ چونکہ اسلام ایسا دین ہے جو انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اللہ نے نوعِ انسانی کو انہی احکام کا مکلف بنایا ہے جن کا بجالانا اسکی قدرت اور طاقت میں ہو۔ جہاں بھی مشقت لاحق ہونے کا خطرہ ہو وہاں احکام میں بڑی سہولت پیدا فرمادی ہے۔ چنانچہ درج ذیل صورتوں میں ایک مسلمان کو شریعت نے اجازت دی ہے کہ روزہ چھوڑ دے۔ اور یہ صورتیں مختلف کتابوں میں مختلف تعداد میں بیان ہوئی ہیں: بعض میں ستاون (۵۷) بھی بیان ہوئیں ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بیس (۲۰) صورتوں کا تذکرہ کیا ہے، پھر قضاء کا ضابطہ اور اصول یہ ہے کہ وہ چیز جس میں غذائیت نہ ہو یا غذائیت تو ہو لیکن کامل غذائیت نہ ہو یا کامل غذائیت ہو لیکن کسی شرعی عذر کی وجہ سے اس کو استعمال کیا اور اس سے پیٹ کی شہوت بھی پوری نہ ہوتی ہو تو اس چیز میں کفارہ نہیں البتہ ایک روزہ کے عوض صرف ایک روزہ کی قضاء ہوگی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

إِذَا أَفْطَرَ الصَّائِمُ الخ: جب روزہ دار کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ افطار کرے شرعی عذر سے مراد ایسا عذر ہے جس کو شریعت قبول کر کے روزہ افطار کرنے کی اجازت دیدے۔ كَالسَّفَرِ الخ مثلاً کسی شخص نے روزہ کی حالت میں سفر شروع کر دیا تو اسے بلا عذر روزہ نہیں توڑنا

چاہیئے لیکن اگر اس نے روزہ افطار کر لیا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ سفر سے مراد کم از کم سفرِ شرعی کے بقدر سفر کرنا ہے جو اڑتالیس (۴۸) میل ہوتی ہے موجودہ زمانہ کے لحاظ سے تقریباً ستتر (۷۷) کلومیٹر کا فاصلہ بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص دن کے وقت گھر سے نکلے تو نہ روزہ توڑ کر نکلنا جائز ہے اور نہ نکلنے کے بعد بلا کسی مشقت کے روزہ توڑنا جائز ہے۔ البتہ سفر شروع کرنے کے بعد روزہ توڑ دیا تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ پھر سفر میں روزہ توڑنے کی اجازت تو ہے لیکن اگر مشقت نہ ہو تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔

(۲) **وَالْمَرَضِ**: دوسرا شرعی عذر جس کی وجہ سے روزہ توڑ دینا جائز ہے اور صرف قضاء لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں، وہ بیماری ہے۔ سخت بیماری کی وجہ سے روزہ توڑنے کی اجازت ہے، اگر اس قدر بیمار ہو کہ جان جانے یا کسی عضو یا کسی صلاحیت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے یا طول پکڑنے کا امکان ہو، ان تمام صورتوں میں روزہ توڑنے کی گنجائش ہے، نیز اگر کوئی شخص فی الحال صحت مند ہو لیکن روزہ رکھنے کی وجہ سے بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو وہ بھی بیمار ہی کے حکم میں ہے، البتہ بیماری کی وجہ سے اِفطار کے جائز ہونے کیلئے اصل دیندار، سند یافتہ، ماہر معالج کا مشورہ یا خود اس شخص کا تجربہ ہے کہ دیندار ماہر معالج کہدے کہ روزے کی وجہ سے نقصان ہو سکتا ہے یا خود روزہ دار کا تجربہ ہو کہ روزہ رکھنے سے میں بیمار ہو جاؤں گا، یا بیماری بڑھ جائے گی یعنی بیماری کا غالب گمان ہو محض بیماری کے وہم کی وجہ سے روزہ توڑنا جائز نہیں ہے۔

وَالْحَمْلِ، وَالرِّضَاعِ: تیسرا شرعی عذر حمل ہے اور چوتھا عذر دودھ پلانا ہے یعنی اگر حاملہ عورت کو روزہ رکھنے کی وجہ سے خود اسے یا حمل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے بھی روزہ توڑنا جائز ہے۔

وَالْحَيْضِ، وَالنِّفَاسِ: پانچواں اور چھٹا عذر؛ حیض و نفاس والی عورت پر واجب ہے کہ روزہ چھوڑ دے یعنی حیض و نفاس کے دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے لیکن جب بعد میں قضاء کریں گی تو صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ یا فدیہ واجب نہ ہوگا۔

وَالْإِغْمَاءِ، وَالْجُنُوْنِ: ساتواں عذر بے ہوشی کا طاری ہونا اور آٹھواں عذر دیوانگی ہے۔ یہ دونوں بھی ایک قسم کی بیماریاں ہیں یعنی اگر رمضان میں کئی دن بے ہوشی طاری رہی اور وہ روزہ توڑنے والی چیزوں (مُفْطِرات، کھانے، پینے) سے باز رہا تو جس دن بے ہوشی طاری ہوئی اس دن کے بعد والے دنوں کی قضاء کرے کیونکہ ان دنوں میں اگرچہ وہ مفطرات سے باز رہا ہے مگر نیت نہ پائی جانے کی وجہ سے روزہ نہیں ہوا۔ البتہ جس دن بیہوشی طاری ہوئی اس دن کے روزے کی قضاء نہ کرے کیونکہ ظاہر حال مسلمان کا یہ ہے کہ اس نے رات سے روزے کی نیت کی ہے اور مفطرات سے بھی باز رہا لہٰذا روزہ پایا گیا اس لئے اس پر قضاء واجب نہیں ہے۔ پس اگر قطعی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے روزے کی نیت کی تھی تو اس دن کی قضاء اس پر یقیناً نہ ہوگی، اور اگر قطعی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس نے نیت نہیں کی تھی تو پھر اس دن کی بھی قضاء اُس پر لازم ہوگی کیونکہ نیت نہ پائی جانے کی وجہ سے اس دن کا روزہ بھی نہیں ہوا۔

وَالْجُنُوْنِ الخ: اعذارِ شرعیہ میں سے آٹھواں عذر یہ ہے کہ آدمی پر دیوانگی طاری ہو جائے۔ پس اگر یہ دیوانگی غیر مُمْتَدّ ہو یعنی پورا مہینہ نہ رہا رمضان کے کچھ دن رہا اور پھر افاقہ ہو گیا یعنی جنون ختم ہو کر عقل ٹھکانے آگئی تو گذشتہ ایام کی قضاء کرے کفارہ نہیں اور آئندہ صحت کے دنوں کے روزے رکھے البتہ جنونِ مُمْتَدّ کی صورت میں قضاء بھی لازم نہیں ہے۔ جنونِ مُمْتَدّ سے مراد یہ ہے کہ دیوانگی رمضان کے پورے مہینہ میں رہے۔

اِذَا اَكَلَ الصَّائِمُ شَيْئًا الخ: یہاں سے ان صورتوں میں سے دوسری صورت ذکر کرتے ہیں جن میں روزہ فاسد ہونے کی وجہ سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ جب روزہ دار کوئی ایسی چیز کھالے جو عام طور پر نہیں کھائی جاتی اور نہ ہی اس سے پیٹ کی خواہش پوری ہوتی ہے جیسا کہ عذرِ شرعی کی وجہ سے دوائی استعمال کرلے، (عذر شرعی سے مراد وہ عذر ہے جس کی وجہ سے شریعت نے روزہ توڑنے کی اجازت دی ہو) اسی طرح خشک آٹا یا گوندھا ہوا آٹا کھالیا تو بھی صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں بشرطیکہ ان میں کوئی اور چیز مثلاً گھی یا چینی وغیرہ کا شیرہ ملا ہوا نہ ہو۔ اسی طرح بہت سارا نمک ایک ہی دفعہ میں کھالیا چونکہ اتنا نمک عموماً نہیں کھایا جاتا اور نہ ہی اس سے پیٹ کی خواہش پوری ہوتی ہے اس لئے صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں (لیکن اگر تھوڑا سا نمک یا بہت سارا نمک تھوڑا تھوڑا کرکے کھالیا تو پہلی مرتبہ کھانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہونگے۔) اسی طرح روئی، کاغذ کا ٹکڑا، گھٹلی، مٹی جبکہ اس کے کھانے کی عادت نہ ہو۔ ان تمام چیزوں میں سے کسی بھی چیز کے کھانے سے صرف قضاء لازم آتی ہے کفارہ نہیں اس لئے کہ ان چیزوں سے نہ پیٹ کی اِشتہاء ختم ہوتی ہے نہ ان کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے اور نہ ہی عموماً یہ چیزیں کھائی جاتی ہیں البتہ اگر وہ مٹی ایسی ہے جس کو بطورِ علاج یا یوں ہی کھایا کرتے ہیں تو اس کا کھانا بھی قضاء و کفارہ دونوں کا سبب ہے۔

اِذَا ابْتَلَعَ الصَّائِمُ شَيْئًا الخ: جب روزہ دار مندرجہ ذیل چیزیں کنکری، لوہا، سونا، چاندی، تانبا وغیرہ نگل لے تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں ہے اس لئے کہ پیٹ کی خواہش پوری نہ ہونے کی وجہ سے جرم کامل نہیں البتہ چونکہ روزہ توڑنے کی صورت پائی گئی ہے اس لئے صرف قضاء لازم ہے۔

اِذَا اُكْرِهَ الصَّائِمُ عَلَى الْاَكْلِ الخ: جب کسی روزہ دار پر جبر کیا گیا یعنی اس کو دھمکی دی گئی کہ اگر روزہ نہیں توڑے گا تو جان سے ماردیں گے اور کھانے پینے پر مجبور کرکے زبردستی اس کو کھلایا گیا یا پلایا گیا تو اس صورت میں بھی روزہ توڑنے پر صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ اگر کسی روزہ دار کو اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کرنے پر مجبور کیا گیا۔

اِذَا اضْطُرَّ الصَّائِمُ الخ: اسی طرح اگر کسی دوسرے انسان نے کھانے پینے پر مجبور نہیں کیا لیکن آدمی خود مجبور ہوجائے یعنی بھوک یا پیاس اتنی شدت سے لگی کہ روزہ نہ توڑنے کی صورت میں جان جانے کا خطرہ ہو اور اس صورت میں کچھ کھالیا یا پی لیا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

اِذَا اَكَلَ الصَّائِمُ مُخْطِئًا الخ: جب روزہ دار غلطی سے یہ سمجھتے ہوئے کہ ابھی رات باقی ہے فجر طلوع نہیں ہوئی کچھ کھالے یا غلطی سے یہ سمجھتے ہوئے کہ سورج غروب ہوچکا ہے کچھ کھالے بعد میں تحقیق کی پھر معلوم ہوا کہ پہلی صورت میں تو سحری کا وقت ختم ہوچکا تھا اور دوسری صورت میں ابھی غروب نہیں ہوا تھا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

۷۔ اِذَا بَالَغَ فِي الْمَضْمَضَةِ، وَالْاِسْتِنْشَاقِ فَسَبَقَهُ الْمَاءُ اِلٰى جَوْفِهٖ۔ ۸۔ اِذَا تَعَمَّدَ الْقَيْئَ وَكَانَ الْقَيْئُ مِلْءَ الْفَمِ۔ ۹۔ اِذَا دَخَلَ حَلْقَهٗ مَطَرٌ اَوْ ثَلْجٌ وَلَمْ يَبْتَلِعْهُ بِصُنْعِهٖ۔ ۱۰۔ اِذَا اَفْسَدَ صَوْمَهٗ فِيْ غَيْرِ اَدَاءِ رَمَضَانَ۔ ۱۱۔ اِذَا اَدْخَلَ دُخَانًا فِيْ حَلْقِهٖ بِصُنْعِهٖ۔ ۱۲۔ اِذَا بَقِيَ بَيْنَ اَسْنَانِهٖ شَيْئٌ مِنَ الطَّعَامِ قَدْرَ الْحِمَّصَةِ فَابْتَلَعَهٗ۔

۱۳۔ إِذَا أَكَلَ عَمْدًا بَعْدَ مَا أَكَلَ نَاسِيًا۔ ۱۴۔ إِذَا أَكَلَ بَعْدَ مَا نَوٰى نَهَارًا، وَلَمْ يَكُنْ نَوٰى لَيْلًا۔ ۱۵۔ إِذَا أَصْبَحَ مُسَافِرًا فَنَوٰى الْإِقَامَةَ ثُمَّ أَكَلَ۔ ۱۶۔ إِذَا سَافَرَ بَعْدَ مَا أَصْبَحَ مُقِيمًا فَأَكَلَ۔

حلّ لغات: مَضْمَضَةٌ؛ مصدر ہے مضاعف رباعی کا بمعنی کلّی کرنا، منہ میں پانی پھرانا۔ اَلْإِسْتِنْشَاق؛ بمعنی ناک میں پانی ڈالنا۔ لَمْ يَبْتَلِعْ؛ صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی جحد بلم معروف صحیح از باب افتعال بمعنی نِگلنا، حلق سے نیچے اُتارنا۔ دُخَانٌ؛ بمعنی دھواں۔ حِمَّصَةٌ؛ بمعنی چنا۔

ترجمہ: (۷) جب کلّی کرنے میں اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرے، پس پانی اس کے پیٹ میں چلا جائے۔ (۸) جب جان بوجھ کر قے کرے اور قے منہ بھر کر ہو۔ (۹) جب روزہ دار کے حلق میں بارش یا برف چلی جائے اور وہ اس کو اپنے اختیار سے نہ نگلے۔ (۱۰) جب اپنا روزہ غیر رمضان میں توڑ دے۔ (۱۱) جب روزہ دار اپنے اختیار سے اپنے حلق میں دھواں داخل کرے۔ (۱۲) جب روزہ دار کے دانتوں کے درمیان کھانے کا کچھ حصہ چنے کے بقدر پھنس جائے اور وہ اس کو نگل لے۔ (۱۳) بھول کر کھانے کے بعد جب جان بوجھ کر کھالے۔ (۱۴) دن میں (روزہ کی) نیت کرنے کے بعد کھالے حالانکہ اس نے رات میں نیت نہ کی ہو۔ (۱۵) جب مسافر نے سفر کی حالت میں صبح کی پھر اقامت کی نیت کی پھر کھالیا۔ (۱۶) جب کوئی سفر شروع کرے بعد اس کے کہ اس نے مقیم ہونے کی حالت میں صبح کی ہو پھر کھالے۔

تشریح: إِذَا بَالَغَ فِي الْمَضْمَضَةِ الخ: یہاں سے ساتویں صورت ذکر کرتے ہیں ان صورتوں میں سے جن میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن صرف قضاء لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ کلّی کرتے وقت اسی طرح ناک میں پانی ڈالتے وقت بلا اختیار پانی حلق میں اتر گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف ایک روزہ کی قضاء لازم آئے گی کفارہ (یعنی ساٹھ روزے) نہیں البتہ اس روزہ کے ٹوٹنے سے گنہگار نہ ہوگا اس لئے کہ یہ غلطی سے ہے جس پر گناہ نہیں ہوتا۔

إِذَا تَعَمَّدَ الْقَيْءَ الخ: آٹھویں صورت: قی کرنے کی تقریباً چوبیس صورتیں ہیں۔ ان میں سے صرف دو صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (۱) ایک صورت یہ ہے کہ منہ بھر قے کی ہو اور یہ قے خود بخود آئی جان بوجھ کر نہیں کی اور چنے کی مقدار یا اس سے زیادہ واپس کی ہو، (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ خود جان بوجھ کر منہ بھر قے کی ہو اس دوسری صورت میں مطلقاً روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ واپس لوٹائی ہو یا نہ لوٹائی ہو ان دونوں صورتوں میں صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

وَإِذَا دَخَلَ حَلْقَهٗ الخ: نویں صورت یہ ہے کہ جب بلا اختیار روزہ دار کے منہ میں بارش کا قطرہ یا برف کا کچھ حصہ داخل ہو جسکی صورت یہ ہے کہ جمائی لینے کے لئے یا کسی اور غرض سے منہ کھولا اتنے میں بارش کا قطرہ یا اولہ منہ کے اندر گر گیا اور خود بخود ہی حلق سے نیچے اتر ے اپنے اختیار سے جان بوجھ کر اس کو نگلے نہیں تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں البتہ اگر جان بوجھ کر اپنے اختیار سے نگل گیا تو پھر قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔

إِذَا أَفْسَدَ صَوْمَهٗ الخ: دسویں صورت یہ ہے کہ کسی نے رمضان کے اداروزوں کے علاوہ کوئی روزہ رکھ لیا پھر اس روزہ کو جان بوجھ (عمداً) کر توڑ دیا جماع کے ذریعہ یا کھاپی کر تو اس پر صرف ایک روزہ کی قضاء لازم آئے گی کفارہ نہیں مثلاً نفلی روزہ، یا نذر کا روزہ، یا رمضان کا قضاء روزہ رکھا پھر توڑ دیا، کیونکہ کفارہ صرف رمضان کا ادا روزہ رکھ توڑنے سے لازم ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھ کر توڑنے سے رمضان کی بے حرمتی لازم آتی ہے اور یہ بے حرمتی دیگر روزوں کو توڑنے میں نہیں ہے۔

فائدہ: اگر رمضان کا روزہ رکھا ہی نہیں تو بھی صرف قضاء لازم ہے اس لئے کہ کفارہ تو اس وقت لازم ہوتا ہے جب روزہ رکھ کر پھر جان بوجھ کر توڑ دیا جائے۔

إِذَا أَدْخَلَ دُخَانًا الخ: گیارہویں صورت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی جان بوجھ کر دھوئیں کو اپنے حلق میں داخل کرے اسی طرح اگر بتی کو پاس رکھ کر اسکو سونگھا جائے اور حلق میں داخل کیا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضاء لازم ہو گی کفارہ نہیں البتہ اگر کسی بھی قسم کا دھواں، غبار، مکھی حلق میں بلا اختیار خود بخود داخل ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ان چیزوں سے بچنے کی استطاعت نہیں۔

إِذَا بَقِيَ بَيْنَ أَسْنَانِهِ الخ: تیرھویں صورت یہ ہے کہ روزہ دار کے دانتوں میں جو کچھ غذا لگی ہوئی تھی روزہ دار نے اس کو کھالیا تو اگر وہ قلیل ہے تو اس کا روزہ فاسد نہ ہو گا کیونکہ عادۃً دانتوں کے درمیان کچھ نہ کچھ غذا باقی رہ جاتی ہے جس سے احتراز ممکن نہیں پس ایسی غذا دانتوں کے تابع ہو کر لعاب کے حکم میں ہے اور اگر کثیر ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ زیادہ سے بچنا ممکن ہے۔ البتہ اگر قلیل مقدار کو نکالا پھر منہ میں ڈالا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

فائدہ: قلیل اور کثیر مقدار میں حدِ فاصل یہ ہے کہ چنے کی مقدار کثیر اور زیادہ ہے اور اس سے کم قلیل ہے۔

إِذَا أَكَلَ عَمْدًا الخ: کسی نے بھولے سے کچھ کھالیا اور یوں سمجھا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا، اسی وجہ سے پھر قصداً کھالیا تو اب روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔ نیز جو حکم کھانے کا ہے وہی پینے کا بھی ہے۔

إِذَا أَكَلَ بَعْدَ مَا نَوىٰ نَهَارًا الخ: چودھویں صورت یہ ہے کہ جب روزہ دار اس حال میں صبح کرے کہ اس نے روزہ کی نیت رات سے نہ کی ہو پھر دن کو دوپہر سے پہلے پہلے نیت کی پھر اس کے بعد جان بوجھ کر کچھ کھالیا یا پی لیا یا جماع کر لیا تو بھی اس کے ذمہ صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان میں احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر کوئی رات سے روزہ کی نیت نہ کرے تو دن کو بھی نیت کرنا درست ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ رات سے نیت کرنا ضروری ہے دن کی نیت روزہ کے لئے کافی نہیں چونکہ مذکورہ مسئلہ میں اگرچہ دن کو نیت کی ہے لیکن رات سے نیت نہیں تھی اس لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ روزہ ہوا ہی نہیں تو اب اس روزہ کے ہونے نہ ہونے میں شبہ پیدا ہو گیا یہ اُس روزہ کی طرح نہیں جس میں رات سے نیت ہو لہٰذا اس روزہ کو توڑنے کے بعد صرف قضاء لازم ہو گی کفارہ نہیں۔ اور اگر روزہ کی نیت سے پہلے کچھ کھالیا تو پھر تو بدرجۂ اولیٰ صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں کیونکہ جب تک نیت نہیں کی تو روزہ شروع نہیں ہوا اور کفارہ تو روزہ شروع کرنے کے بعد توڑنے سے لازم آتا ہے۔

إِذَا أَصْبَحَ مُسَافِرًا الخ: پندرہویں صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بحالتِ سفر صبح کی جب کہ وہ رات کو روزہ کی نیت کر چکا ہو پھر مقیم بننے کی نیت کر لی اور پھر جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں بھی صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں اگرچہ روزہ توڑنا اس کے لئے جائز نہیں تھا۔

إِذَا سَافَرَ بَعْدَ مَا أَصْبَحَ مُقِيمًا فَأَكَلَ: سولہویں صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص مقیم ہونے کی حالت میں صبح کرے جبکہ وہ رات سے روزہ کی نیت بھی کر چکا ہو پھر سفر شروع کرے اور دورانِ سفر روزہ توڑ دے تو اس پر صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں اگرچہ روزہ توڑنا اس کے لئے جائز نہیں تھا۔ مذکورہ دونوں صورتوں میں کفارہ لازم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں سفر کی وجہ سے روزہ توڑنے اور نہ رکھنے کا شبہ پیدا ہو گیا۔

فائدہ: سفر سے مراد شرعی سفر ہے یعنی اپنے علاقہ کی آبادی سے ۴۸ میل تقریباً ۷۸ کلومیٹر دور جانے کی نیت سے نکلنا۔

۱۷۔ إِذَا أَمْسَكَ عَنِ الْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ طُوْلَ النَّهَارِ بِلَا نِيَّةِ صَوْمٍ، وَلَا بِنِيَّةِ فِطْرٍ۔ ۱۸۔ إِذَا أَقْطَرَ دُهْنًا، أَوْ مَاءً فِيْ أُذُنِهٖ۔ ۱۹۔ إِذَا أَدْخَلَ دَوَاءً فِيْ أَنْفِهٖ۔ ۲۰۔ إِذَا دَاوٰى جِرَاحَةً فِي الْبَطْنِ، أَوْ دَاوٰى جِرَاحَةً فِي الدِّمَاغِ فَوَصَلَ الدَّوَاءُ إِلَى الْجَوْفِ۔ اَلَّذِيْ فَسَدَ صَوْمُهٗ بِسَبَبٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَسْبَابِ فِيْ رَمَضَانَ وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُمْسِكَ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ بَقِيَّةَ ذَالِكَ الْيَوْمِ تَعْظِيْمًا لِحُرْمَةِ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

ترجمہ: ۱۷۔ جب پورا دن کھانے اور پینے سے رُکا رہے روزہ اور افطار کی نیت کے بغیر۔ ۱۸۔ جب تیل یا پانی اپنے کان میں ڈالے۔ ۱۹۔ جب اپنی ناک میں کوئی دوائی ڈالے۔ ۲۰۔ جب ایسے زخم کا علاج کرے جو پیٹ میں ہو یا ایسے زخم کا علاج کرے جو دماغ میں ہو اور دوائی اندر تک پہنچ جائے۔ وہ شخص جس کا روزہ مُندرجہ بالا وجوہات میں سے کسی بھی وجہ سے ٹوٹ جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اُس دن کے باقی حصّہ میں (افطار تک) کھانے اور پینے سے رُک جائے ماہِ رمضان کی عزت کا احترام کرتے ہوئے۔

تشریح: ان صورتوں میں سے کہ جن میں روزہ ٹوٹ جانے سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں سترھویں صورت یہ ہے: إِذَا أَمْسَكَ عَنِ الْأَكْلِ الخ چونکہ روزہ کے درست اور معتبر ہونے کے لئے نیت شرط ہے کہ عبادت کی نیت سے آدمی تین روزہ توڑنے والی چیزوں سے رُک جائے۔ کھانا۔ پینا۔ جماع۔ اس لئے اگر کوئی رمضان کا سارا دن کھانے پینے سے رُکا رہا لیکن نیت کے بغیر تو روزہ نہیں ہوا اور اس کے ذمہ صرف ایک قضاء روزہ لازم ہے کفارہ نہیں اس لئے کہ کفارہ تو اسی وقت لازم ہوتا ہے کہ جب روزہ رکھ کر توڑ دے اور یہاں تو سرے سے روزہ ہی نہیں رکھا۔

إِذَا أَقْطَرَ دُهْنًا الخ: آٹھارویں صورت یہ ہے کہ روزہ دار روزہ کی حالت میں اپنے کان میں تیل اسی طرح دوائی یا پانی ڈالے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء لازم ہو گی کفارہ نہیں۔

فائدہ: کان میں تیل یا دوائی کے قطرے اگر ٹپکائے جائیں تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اگر پانی کان میں ڈالے یا پانی خود چلا جائے تو پھر روزہ کے ٹوٹ جانے میں اختلاف ہے۔ تحقیق یہی ہے کہ پانی کے کان کے اندر جانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ خود بخود جائے یا جان بوجھ کر پانی کان میں ڈالا جائے کیونکہ یہاں نہ افطار کی صورت ہے یعنی نہ اِفطار کی شکل پائی گئی ہے جو کہ نگلنا ہے اور نہ معنی ہے (یعنی نہ جسم میں داخل ہونے والی چیز جسم کے لئے نفع بخش ہے کیونکہ پانی دماغ کے لئے نقصان دِہ ہے۔)

إِذَا أَدْخَلَ دَوَاءً فِيْ أَنْفِهٖ الخ: مسئلہ نمبر ۱۹ اور ۲۰ میں اس لئے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کہ ان میں اگرچہ اِفطار کی صورت نہیں جو کہ نگلنا ہے مگر معنوی طور پر یہاں اِفطار ہے اس لئے کہ ناک میں دوائی ڈالنے سے اسی طرح دماغ یا پیٹ کے زخم میں دوائی ڈالنے سے مفید چیز جسم میں داخل ہو گئی۔ پیٹ کے زخم میں تو ظاہر ہے اور دماغ تک پہنچنے والی دوا بھی پیٹ میں جاتی ہے کیونکہ دماغ اور پیٹ کے درمیان راستہ موجود ہے پس دماغ تک پہنچنے والی دوا پیٹ میں جائے گی۔ پھر دوائی خواہ خشک ہو یا تَر دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ لہٰذا روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء لازم ہو گی کفارہ نہیں۔

مَايُكْرَهُ لِلصَّائِمِ؟ تُكْرَهُ الْأُمُوْرُ الْاٰتِيَةُ لِلصَّائِمِ. يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَجْتَنِبَهَا لِئَلَّا يَعْتَرِيَ الصَّوْمَ نَقْصٌ مَا: ١۔ مَضْغُ شَيْئٍ، أَوْ ذَوْقُهُ بِدُوْنِ حَاجَةٍ۔ ٢۔ جَمْعُ الرِّيْقِ فِي الْفَمِ ثُمَّ إِبْتِلَاعُهُ۔ ٣۔ كُلُّ مَا يَكُوْنُ سَبَبًا لِضُعْفِهِ كَالْفَصْدِ وَالْحِجَامَةِ۔

ترجمہ: روزہ دار کے لئے کونسی باتیں مکروہ ہیں؟ روزہ دار کے لئے مندرجہ ذیل کام مکروہ ہیں: اسے چاہئے کہ ان تمام کاموں سے پرہیز کرے تاکہ روزہ میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو۔ (۱) کسی بھی چیز کو بغیر ضرورت کے چبانا یا چکھنا۔ (۲) منہ میں تھوک کو جمع کرنا اور پھر اس کو نگلنا۔ (۳) ہر وہ کام جو روزہ دار کی کمزوری کا باعث بنے جیسے: رگ کھولنا اور پچھنے لگوانا۔

تشریح: کچھ باتیں وہ ہیں جن سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں لیکن روزہ کی حالت میں ان کا ارتکاب مکروہ ہے، پھر مکروہ سے مراد علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق مکروہِ تحریمی ہے۔ پھر روزہ کے مکروہات بعض علماءِ کرام نے سات تک گنے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے صرف تین کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے (۱) ایک بلا عذر کسی چیز کا چبانا یا چکھنا ہے یعنی اگر کسی نے زبان سے کوئی چیز چکھی تو اس کا روزہ تو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ کوئی مفطِر چیز جوف میں نہیں پہنچی البتہ یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ اس میں تَعْرِيْضُ الصَّوْمِ عَلَى الْفَسَادِ ہے یعنی روزہ کو خطرہ میں ڈالنا ہے اس لئے کہ قوتِ جاذبہ قوی قوت ہے ممکن ہے کہ وہ اس میں سے کچھ پیٹ کی طرف جذب کردے، یہی حال چبانے کا بھی ہے۔ پھر یہاں پر یہ کراہیت کسی عذر کے نہ ہونے پر موقوف ہے لہٰذا اگر کوئی عذر ہو مثلاً کسی عورت کا شوہر بد مزاج ہے اور تلخ طبیعت کا مالک ہے اور نمک کے کم و بیش ہونے کی صورت میں عورت کو اس سے مار کھانے یا گالی گلوچ کا خطرہ ہو تو اس کو پکی ہوئی چیز زبان پر رکھ کر چکھنے کی اجازت ہوگی۔ اسی طرح اگر چھوٹے بچے کو روٹی چبا کر کھلانے کی ضرورت ہو اور روزہ دار عورت کے علاوہ وہاں کوئی اس ضرورت کو پورا کرنے والا نہ ہو تو وہ اس کو چبا کردے سکتی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ چکھنے یا چبانے میں کوئی حصہ حلق کے نیچے نہ اترے بلکہ چکھنے اور چبانے کے فوراً بعد کھانے کے اجزاء تھوک دے اور کلی کرلے۔

(۲) جَمْعُ الرِّيْقِ الخ: دوسری چیز منہ میں تھوک جمع کرنا اور اس کو نگلنا ہے یہ بھی مکروہ ہے اس لئے کہ اس طرح کرنے سے کچھ کھانے کا شبہ ہے یعنی روزہ تو نہیں ٹوٹے گا لیکن اس طرح کرنے سے لوگ دیکھ کر سمجھیں گے کہ کچھ نگل رہا ہے تو اس شبہ سے بچنے کے لئے ایسا نہ کرے۔

(۳) تیسری بات كُلُّ مَا يَكُوْنُ الخ: یعنی روزہ میں قصداً تھکا دینے والے کام کو انجام دینا یعنی ہر ایسا کام کرنا جس کے بارے میں یہ غالب گمان ہو کہ یہ کمزور کردے گا اور روزہ توڑنا پڑ جائے گا جیسے فصد؛ (فصد کا مطلب ہے رگ کھولنا یعنی کسی کو خون دینے کے لئے رگ سے خون نکالنا اور رگ کھولنا) اور حجامہ؛ (حجامہ کا مطلب پچھنے لگانا یہ ایک طریقۂ علاج ہے جس میں جسم کے مختلف حصّوں سے گندا خون نکالا جاتا ہے احادیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ طریقۂ علاج اختیار فرمایا تھا تو چونکہ خون نکلنے سے کمزوری لاحق ہوتی ہے اس لئے رمضان میں ایسا نہ کرے)۔

فائدہ: روزہ کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا، کوئلہ یا کوئی منجن دانتوں میں ملنا یا عورت کا اس طرح ہونٹ پر سُرخی لگانا کہ اس کے پیٹ میں چلے جانے کا اندیشہ ہو مکروہ ہے۔ اسی طرح ناک میں پانی چڑھانے اور کلی کرنے میں مبالغہ کرنے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ بیوی کے

لئے شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے البتہ اگر شوہر شدید بیمار ہے یا وہ بھی روزہ سے ہے یا حالتِ احرام میں ہے تو پھر مکروہ نہیں۔ سحری میں اتنی تاخیر کرنا کہ رات کا باقی رہنا مشکوک ہو جائے۔ (طحطاوی مع مراقی، در مختار مع شامی)

مَا لَا يُكْرَهُ لِلصَّائِمِ؟ لَاتُكْرَهُ الْأُمُوْرُ الْاٰتِيَةُ حَالَ الصِّيَامِ: ١- دَهْنُ الشَّارِبِ وَاللِّحْيَةِ۔ ٢- اَلْإِكْتِحَالُ. ٣- اَلْإِغْتِسَالُ لِلتَّبَرُّدِ۔ ٤- اَلتَّلَفُّفُ بِثَوْبٍ مُبْتَلٍّ لِلتَّبَرُّدِ۔ ٥- اَلْمَضْمَضَةُ وَالْإِسْتِنْشَاقُ لِغَيْرِ الْوُضُوْءِ. ٦- اَلسِّوَاكُ فِيْ اٰخِرِ النَّهَارِ. بَلْ هُوَ سُنَّةٌ فِيْ اٰخِرِ النَّهَارِ كَمَا هُوَ سُنَّةٌ فِيْ أَوَّلِ النَّهَارِ۔

حلِّ لغات: دَهْنٌ؛ مصدر ہے باب نصر سے بمعنی تیل لگانا۔ شَارِبٌ؛ بمعنی مونچھ جمع شَوَارِب۔ اللِّحْيَة؛ بمعنی داڑھی جمع لُحًی. اَلْإِكْتِحَال؛ مصدر ہے باب افتعال کا صحیح سے بمعنی سرمہ لگانا۔ اَلتَّبَرُّدُ؛ مصدر ہے باب تفعّل کا بمعنی ٹھنڈک حاصل کرنا۔

ترجمہ: وہ کونسی باتیں ہیں جو روزہ دار کے لئے مکروہ نہیں ہیں؟ مندرجہ ذیل باتیں روزہ کی حالت میں مکروہ نہیں ہیں۔ (۱) مونچھ اور داڑھی میں تیل لگانا۔ (۲) سرمہ لگانا۔ (۳) ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا۔ (۴) ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے بھیگے کپڑے میں لپٹنا۔ (۵) بغیر وضو کے کلّی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔ (۶) دن کے آخری حصہ میں مسواک کرنا، بلکہ دن کے آخری حصّہ میں مسواک کرنا سنت ہے جیسا کہ دن کے شروع حصّہ میں سنت ہے۔

تشریح: اَلْإِكْتِحَالُ؛ روزہ کی حالت میں سُرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے روزہ کی حالت میں سُرمہ لگایا ہے اسی طرح تر کپڑے میں لپٹنا بھی مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ آپ علیہ السلام نے روزہ کی حالت میں اپنے سر مبارک پر پانی بہایا ہے پیاس یا گرمی کی وجہ سے (ابوداؤد) نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تر کپڑے کو اوڑھتے تھے جبکہ آپ کا روزہ ہوتا تھا نیز اس میں عبادت پر مدد ہے اور فطری اکتاہٹ کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔

اَلسِّوَاكُ الخ: یعنی روزہ کی حالت میں مسواک کرنا بھی مکروہ نہیں ہے مسواک خواہ خشک لکڑی کی ہو یا سرسبز لکڑی کی جس میں ایک گونہ ذائقہ موجود ہوتا ہے (لیکن ٹوتھ پیسٹ یا ٹوتھ پاوڈر کا حال اس سے مختلف ہے کیونکہ اس میں ذائقہ زیادہ اور اچھا ہوتا ہے) کیونکہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے بے شمار مرتبہ دیکھا ہے۔ نیز جس طرح مسواک کرنا دن کے شروع میں سنت ہے اسی طرح دن کے آخر میں بھی سنت ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ روزہ دن کے شروع اور آخر دونوں میں مسواک فرمائی ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دن کے شروع اور آخر کا ذکر اس لئے کیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شام کے وقت روزہ دار کے لئے مسواک کرنا مکروہ ہے وہ فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے۔ اور شام کے وقت مسواک کرنے سے وہ بدبو زائل ہو جاتی ہے، مگر اس بات کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں جس بدبو کا ذکر ہے اس سے مراد معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے نکلنے والی بدبو ہے اور وہ ایسی بدبو ہے جو مسواک کرنے سے بھی زائل نہیں ہوتی۔

فائدہ: خوشبو سونگنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (طحطاوی مع مراقی الفلاح، قاموس الفقہ)

مَايُسْتَحَبُّ لِلصَّائِمِ؟ تُسْتَحَبُّ الْأُمُوْرُ الْاٰتِيَةُ لِلصَّائِمِ: ۱۔ أَنْ يَّتَسَحَّرَ۔ ۲۔ أَنْ يُؤَخِّرَ السُّحُوْرَ، وَلٰكِنْ يَنْبَغِيْ لَهٗ أَنْ يَّمْتَنِعَ عَنِ الْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِدَقَائِقَ حَتّٰى لَا يَقَعَ فِي الشَّكِّ۔ ۳۔ أَنْ يُّعَجِّلَ الْفِطْرَ بَعْدَ التَّحَقُّقِ مِنْ غُرُوْبِ الشَّمْسِ۔ ۴۔ أَنْ يَّغْتَسِلَ مِنَ الْحَدَثِ الْأَكْبَرِ قَبْلَ الْفَجْرِ لِيُؤَدِّيَ الْعِبَادَةَ عَلٰى طَهَارَةٍ۔ ۵۔ أَنْ يَّصُوْنَ لِسَانَهٗ عَنِ الْكَذِبِ، وَالْغِيْبَةِ، وَالنَّمِيْمَةِ، وَالْمُشَاتَمَةِ۔ ۶۔ أَنْ يَّنْتَهِزَ فُرْصَةَ رَمَضَانَ فَيَشْتَغِلَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ، أَوْ بِذِكْرٍ مِنَ الْأَذْكَارِ الْمَأْثُوْرَةِ۔ ۷۔ أَنْ لَّا يَغْضَبَ، وَلَا يَثُوْرَ لِشَيْئٍ تَافِهٍ۔ ۸۔ أَنْ يَّصُوْنَ نَفْسَهٗ عَنِ الشَّهَوَاتِ وَلَوْ كَانَتْ حَلَالًا۔

حلِّ لغات: اَلسُّحُوْرُ؛ سین کے ضمہ کے ساتھ سحری کے وقت (طلوعِ فجر سے کچھ دیر پہلے) کھانا کھانے کو کہتے ہیں اور یہ مصدر ہے باب تفعّل کا۔ اور اَلسَّحُوْر؛ سین کے فتحہ کے ساتھ اس چیز کو کہتے ہیں جو سحری کے وقت کھائی جائے۔ دَقَائِقَ؛ جمع ہے دَقِيْقَةٌ کی بمعنی منٹ، درجہ کا ساٹھواں حصّہ۔ يَصُوْنُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف اجوف واوی از باب نصر بمعنی حفاظت کرنا۔ نَمِيْمَةٌ؛ بمعنی چغلخوری۔ مُشَاتَمَةٌ؛ باب مفاعلہ کا مصدر ہے بمعنی باہم گالی گلوچ کرنا۔ يَنْتَهِزُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف صحیح از باب افتعال بمعنی غنیمت جاننا اور سبقت کرتے ہوئے اُٹھنا۔ لَايَثُوْرُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع منفی معلوم اجوف واوی از باب نصر بمعنی جوش میں آنا، بھڑک اُٹھنا۔ تَافِهٍ؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسمِ فاعل صحیح از باب سمع بمعنی گھٹیا ہونا، حقیر ہونا۔

ترجمہ: روزہ دار کے لئے کونسی باتیں مستحب ہیں؟ مندرجہ ذیل باتیں روزہ دار کے لئے مستحب ہیں: (۱) سحری کھانا۔ (۲) سحری میں تاخیر کرنا، لیکن روزہ دار کو چاہیئے کہ طلوعِ فجر سے چند منٹ پہلے کھانے پینے سے رُک جائے تاکہ شک میں نہ پڑے۔ (۳) غروبِ آفتاب کے اچھی طرح ثابت ہو جانے کے بعد روزہ کھولنے میں جلدی کرنا۔ (۴) فجر سے پہلے بڑی ناپاکی سے غسل کرنا تاکہ عبادت پاکی کے ساتھ ادا کرے۔ (۵) جھوٹ اور غیبت اور چغلخوری اور گالی گلوچ سے اپنی زبان کو محفوظ کرنا۔ (۶) رمضان کی فرصت کو غنیمت سمجھنا اور قرآن کریم کی تلاوت میں یا مسنون اذکار میں سے کسی ذکر میں مشغول ہو جانا۔ (۷) معمولی بات پر نہ غصہ ہونا نہ بھڑک اُٹھنا۔ (۸) خواہشات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اگرچہ حلال ہی ہوں۔

تشریح: مکروہات وغیرہ کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب مصنف رحمۃ اللہ علیہ مستحبات کو بیان فرماتے ہیں: (۱) سحری کھانا، چونکہ روزہ کی ابتداء طلوعِ صبحِ صادق سے ہوتی ہے اور اختتام غروبِ آفتاب پر اس لئے شریعت نے یہ سہولت رکھی ہے کہ روزہ دار صبح ہونے سے پہلے سحری کھالے تاکہ روزہ میں قوت بحال رہے مختلف حدیثوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہے ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سحری کھاؤ سحری میں برکت ہے" (مسلم) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمارے اور اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے روزوں کے درمیان صرف سحری کھانے کا فرق ہے"۔ چنانچہ سحری کے مستحب ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

(۲) سحری اتنی تاخیر سے کھانا مستحب ہے کہ صبح ہو جانے کا شک نہ ہو چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کرتے تھے تو سحری اور فجر کی اذان کے درمیان پچاس آیات کی تلاوت کے بقدر وقفہ ہوتا تھا

عام طور پر اتنی مقدار قرآن پاک کی دس منٹ میں تلاوت کی جاسکتی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "تین باتیں پیغمبروں کی عادات میں سے ہیں: (۱) جلدی افطار کرنا۔ (۲) سحری میں تاخیر کرنا۔ (۳) نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا"۔ (بخاری، طحطاوی)

(۳) جب اچھی طرح یقین ہو جائے کہ سورج غروب ہو گیا تو اس کے بعد بلا تاخیر نماز سے پہلے ہی روزہ افطار کرنا مسنون ہے چنانچہ حضرت سہل بن ساعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ لوگ جب تک افطار میں جلدی کریں گے خیر پر رہیں گے"۔ (بخاری، مسلم)

فائدہ: (۱) سحری اور افطار کا تعلق وقت سے ہے اذان سے نہیں ہے چنانچہ سحری میں اذان تک کھاتے رہنا اور اذان پر سحری بند کرنا اسی طرح افطار میں اذان تک انتظار کرنا یہ درست نہیں اس لئے کہ سحری کے ختم ہونے کا وقت طلوعِ فجر سے پہلے ہے اور اذان کا وقت طلوعِ فجر کے داخل ہونے کے بعد ہے۔ اسی طرح افطار میں بھی۔ (۲) سحری میں تاخیر اور افطار میں عُجلت اس لئے بہتر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز و بندگی کا اور اپنے ضعف اور ناتوانائی کا اظہار ہے کہ ہم ایک پل بھی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے مستغنی نہیں ہو سکتے، یہ جو کچھ بھوک اور پیاس برداشت کی گئی ہے وہ محض حکم خداوندی کی تعمیل میں ہے اور جوں ہی اللہ کی طرف سے پروانۂ اجازت ملا تو اب ایک لمحہ کے لئے رُکنے کی تاب نہیں ہے۔

(۴) چوتھا مستحب أَنْ يَغْتَسِلَ الخ: اگر رات کو جنابت کی حالت پیش آئی تو طلوعِ فجر سے پہلے ہی غسل کرنا مستحب ہے تاکہ یہ روزہ والی عبادت پوری کی پوری طہارت کے ساتھ ادا ہو اور اس کا کوئی حصہ ناپاکی کی حالت میں ادا نہ ہو، اگر طلوعِ فجر کے بعد غسل کرے تب بھی روزہ میں کوئی فرق نہ آئے گا مگر بہتر نہیں ہے۔

فائدہ: بہتر ہے کہ کھجور سے افطار کرے ورنہ چھوہارے سے اگر یہ بھی میسّر نہ ہوں تو پانی ہی سے افطار کرے۔ اور امام ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ موسم سرما میں کھجور سے اور موسم گرما میں پانی سے افطار کرنے کا معمول تھا۔ نیز افطار کے بعد یہ دُعا پڑھنی چاہیے: ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ، وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ ترجمہ: پیاس ختم ہو گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور ان شاء اللہ اجر بھی مل گیا۔

اَلْأَعْذَارُ الْمُبِيحَةُ لِلْفِطْرِ: اَلْإِسْلَامُ دِيْنُ الْفِطْرَةِ. فَلَا يُكَلِّفُ الْإِنْسَانَ فَوْقَ طَاقَتِهِ. وَاللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهِ فَقَدْ أَجَازَ لَهُمُ الْفِطْرَ وَالْقَضَاءَ فِيْ أَيَّامٍ أُخْرٰى إِذَا لَحِقَ بِهِمُ الضَّرَرُ، أَوِ الْمَشَقَّةُ بِسَبَبِ الصَّوْمِ فَيَجُوْزُ تَرْكُ الصَّوْمِ فِي الصُّوَرِ الْآتِيَةِ: ١۔ لِلْمَرِيْضِ إِذَا أَلْحَقَ الصَّوْمُ ضَرَرًا، أَوْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ، أَوْ طُوْلَ مُدَّةِ الْمَرَضِ عَلَيْهِ۔ ٢۔ لِلْمُسَافِرِ الَّذِيْ يُسَافِرُ سَفَرًا طَوِيْلًا تُقْصَرُ فِيْهِ الصَّلَاةُ۔ ٣۔ لِلَّذِيْ حَصَلَ لَهُ جُوْعٌ شَدِيْدٌ، أَوْ عَطَشٌ شَدِيْدٌ وَغَلَبَ عَلٰى ظَنِّهِ أَنَّهُ إِذَا لَمْ يُفْطِرْ هَلَكَ۔ ٤۔ لِلْحَامِلِ إِذَا كَانَ الصَّوْمُ يَضُرُّ بِهَا، أَوْ بِالْجَنِيْنِ ٥۔ لِلْمُرْضِعِ إِذَا كَانَ الصَّوْمُ يَضُرُّ بِهَا، أَوْ بِالطِّفْلِ الرَّضِيْعِ۔

حلّ لغات: حَامِلٌ، صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل صحیح از باب ضرب بمعنی اُٹھانا۔ عورت کا حاملہ ہونا۔ یہاں حامل سے مراد حاملہ عورت ہے چونکہ حمل عورتوں کے ساتھ خاص ہے اس لئے اس صیغہ میں علامتِ تانیث لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ علامتِ تانیث سے مرد اور عورت کے درمیان فرق کرنا ہوتا ہے اور حاملہ ہونا ایک ایسی صفت ہے جو مردوں میں نہیں پائی جاتی بلکہ عورتوں کے ساتھ خاص ہے

اس لئے حامل بغیر تاءِ تانیث کے بھی اگر ذکر کیا جائے تو عورت ہی مراد ہوگی اس لئے عرب لوگوں کا یہ دستور ہے کہ جو صفت ایسی ہو جو عورتوں کے ساتھ خاص ہو وہ بغیر تا کے مذکر کے صیغہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جیسے: حَامِلٌ؛ حمل والی عورت۔ مُرْضِعٌ؛ دودھ پلانے والی۔ حَائِضٌ؛ حیض والی۔ جَنِيْنٌ؛ صیغہ واحد مذکر بحث صفت مشبہ مضاعف ثلاثی از باب نصر بمعنی ہر پوشیدہ چیز، بچہ جو ابھی رحمِ مادر میں ہو۔ جمع أَجِنَّةٌ۔ رَضِيْعٌ؛ صیغہ واحد مذکر بحث صفت مشبہ صحیح از باب سمع بمعنی دودھ پیتا بچہ۔

ترجمہ: روزہ چھوڑنے کو جائز کرنے والی مجبوریاں۔ اسلام دینِ فطرت ہے، لہٰذا وہ انسان کو اسکی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے روزہ (کے دنوں میں عذر کی وجہ سے روزہ) توڑنے اور دوسرے دنوں میں اسکی قضاء کرنے کو جائز قرار دیا جبکہ روزہ کی وجہ سے روزہ داروں کو پریشانی اور تکلیف پہنچے چنانچہ آنے والی صورتوں میں روزہ کو چھوڑنا جائز ہے: (۱) بیمار کے لئے جبکہ روزہ اس کو تکلیف پہنچائے یا مریض کو مرض کی زیادتی کا ڈر ہو یا مرض کی مدت کے لمبا ہونے کا اس کو ڈر ہو۔ (۲) اس مسافر کے لئے جو اتنا لمبا سفر کرے جس میں نماز میں قصر کیا جاتا ہے۔ (۳) اس شخص کے لئے جسکو سخت بھوک یا سخت پیاس لگی ہو اور اس کا غالب گمان ہو کہ اگر روزہ نہیں توڑے گا تو مر جائے گا۔ (۴) پیٹ والی عورت کے لئے جبکہ روزہ اس کے لئے باعثِ تکلیف ہو یا پیٹ کے بچے کے لئے۔ (۵) دودھ پلانے والی عورت کے لئے جبکہ روزہ اس کو نقصان پہنچائے یا دودھ پیتے بچے کو۔

تشریح: چونکہ بلا عذر روزہ توڑنا باعثِ گناہ ہے اور بوجہِ عذر روزہ توڑنا گناہ نہیں ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ اُن اعذار کو بیان کیا جائے جن کی وجہ سے روزہ توڑنا مباح ہے اور ایسے اعذار نو (۹) ہیں: ان میں سے (۱) ایک عذر بیماری ہے، یعنی اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بیمار ہو اور اس قدر بیمار ہو کہ جان جانے یا کسی عضو یا کسی صلاحیت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا یا مرض کے طول پکڑنے کا امکان ہو تو ان تمام صورتوں میں روزہ توڑنے کی گنجائش ہے، نیز اگر کوئی شخص فی الحال صحت مند ہو لیکن روزہ رکھنے کی وجہ سے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ بھی بیمار ہی کے حکم میں ہے مگر یاد رہے کہ بیماری کی وجہ سے روزہ توڑنے کے لئے معتبر، ماہر، مسلمان، طبیب کا مشورہ یا خود اپنا تجربہ اصل ہے محض بیماری کے وہم کی وجہ سے روزہ توڑنا جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسرا عذر سفر ہے؛ اس لئے کہ سفر مشقت سے خالی نہیں ہوتا۔ سفر سے مراد کم سے کم سفرِ شرعی کی مسافت کے بقدر سفر کرنا ہے زیادہ جتنا بھی ہو۔ اور سفرِ شرعی اڑتالیس میل ہے جس میں نماز کو قصر کر کے پڑھا جاتا ہے جو آجکل کے حساب سے یعنی انگریزی کلومیٹر کے حساب سے تقریباً ۷۷ کلومیٹر بنتا ہے۔

پھر سفر کی وجہ سے افطار کے جائز ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ روزہ رکھنے کے بعد سفر کی وجہ سے توڑنے کی اجازت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ شروع سے روزہ چھوڑنے اور نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر گھر پر روزہ رکھا اور صبح ہونے کے بعد سفر شروع کیا تو اب روزہ رکھنا واجب ہے توڑنا جائز نہیں لیکن اگر کسی نے سفر شروع کرنے کے بعد روزہ توڑ دیا تو صرف ایک دن کی قضا واجب ہوگی کفارہ (ساٹھ روزے) واجب نہ ہوگا۔ البتہ اگر روزہ رکھنے کے بعد گھر پر ہی روزہ توڑ دیا سفر شروع کرنے سے پہلے اس خیال سے کہ میں نے آج سفر پر نکلنا ہے تو اب قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ گھر پر روزہ رکھنے کے بعد نہ روزہ توڑ کر سفر پر نکلنا جائز ہے اور نہ ہی نکلنے کے بعد روزہ توڑنا جائز ہے اور اگر سفر میں صبح ہوئی تو اب روزہ کو توڑنے میں مضائقہ نہیں۔

پھر سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت تو ہے لیکن اگر روزہ رکھنے میں زیادہ مشقت نہ ہو تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور اگر روزہ زیادہ مشقت کا باعث ہو تو بتکلّف روزہ رکھنا مناسب نہیں ہے۔ پھر چونکہ شریعت میں سفر کی وجہ سے افطار کی اجازت دی گئی ہے اور سفر کس نوع کا ہو؟ اس بابت کوئی شرط عائد نہیں کی گئی ہے اس لئے سفر کارِ طاعت کے لئے ہو یا معصیت ونافرمانی کے لئے یا کسی مباح وجائز کام کے لئے بہر صورت سفر کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی اجازت حاصل رہے گی۔

(۳) تیسرا عذر، بھوک اور پیاس کی شدت ہے کہ جان جانے کا خطرہ ہو یا دماغی توازن کے متاثر ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے لئے روزہ نہ رکھنا یا اگر رکھا ہوا ہے تو توڑ دینا جائز ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب بھوک اور پیاس خود بخود لگ جائے لیکن اگر کسی نے قصداً اتنا کام کیا جس سے یہ حالت بن گئی تو پھر گنہگار ہوگا اگرچہ روزہ توڑنا اس حالت میں بھی درست ہے۔

(۴) چوتھا اور پانچواں عذر: حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو اگر روزہ رکھنے کی صورت میں اپنی جان جانے کا خوف ہو یا اپنے بچوں کے بارے میں نقصان اور ضائع ہونے کا اندیشہ رکھتی ہو تو ان دونوں کو بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

فائدہ: بیماری، سفر، حمل، دودھ پلانے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی صورت میں یا روزہ توڑنے کی صورت میں بعد میں اسی روزہ کی قضاء واجب ہوگی یعنی ایک روزہ کے بدلہ ایک روزہ۔ کفارہ یعنی ساٹھ روزے یا فدیہ واجب نہ ہوگا۔

فائدہ: مُرْضِعٌ بغیر تاءِ تانیث کے اس عورت کو کہتے ہیں جسکی شان یہ ہو کہ وہ دودھ پلائے یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد دو سال کے زمانہ میں عورت مُرْضِعٌ کہلاتی ہے اور مُرْضِعَةٌ تاءِ تانیث کے ساتھ اس عورت کو کہتے ہیں جو فی الحال دودھ پلا رہی ہے یعنی اس کا پستان بچہ کے منہ میں رکھا ہوا ہو اور وہ دودھ پی رہا ہو۔ بالفاظِ دیگر مُرْضِعٌ بالقوۃ دودھ پلانے والی کو کہتے ہیں جس میں دودھ پلانے کی صلاحیت ہو خواہ فی الحال پلا رہی ہو یا نہ۔ اور مُرْضِعَةٌ بالفعل دودھ پلانے والی کو کہتے ہیں یعنی جو فی الحال دودھ پلائے۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، درمختار مع ردالمحتار، قاموس)

٦۔ لِلْحَائِضِ وَالنُّفَسَاءِ، بَلْ يَجِبُ عَلَيْهِمَا الإِفْطَارُ وَلَا يَصِحُّ الصَّوْمُ مِنْهُمَا۔ ٧۔ لِلشَّيْخِ الْفَانِيْ الَّذِيْ لَا يُطِيْقُ الصَّوْمَ۔ وَلَا قَضَاءَ عَلَى الشَّيْخِ الْفَانِيْ لِكِبَرِ سِنَّةٍ بَلْ عَلَيْهِ الْفِدْيَةُ فِيْ يَوْمٍ آخَرَ۔ ٨۔ يَجُوْزُ الْفِطْرُ لِلَّذِيْ صَامَ مُتَطَوِّعًا بِلَا عُذْرٍ، وَيَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَّقْضِيَهُ فِيْ يَوْمٍ آخَرَ۔ ٩۔ يَجُوْزُ الْفِطْرُ لِلَّذِيْ هُوَ فِيْ قِتَالِ الْعَدُوِّ۔ يُسْتَحَبُّ لِلَّذِيْ عَلَيْهِ قَضَاءٌ أَنْ يُّبَادِرَ الْقَضَاءَ، وَلٰكِنْ إِذَا أَخَّرَ الْقَضَاءَ جَازَ۔ وَيَجُوْزُ لَهُ أَنْ يَّصُوْمَ أَيَّامَ الْقَضَاءِ مُتَتَابِعَةً، أَوْ مُتَفَرِّقَةً۔ إِذَا أَخَّرَ الْقَضَاءَ حَتّٰى جَاءَ رَمَضَانُ الثَّانِيْ قَدَّمَ الْأَدَاءَ عَلَى الْقَضَاءِ۔ وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِ بِسَبَبِ التَّأْخِيْرِ فِي الْقَضَاءِ۔

حلِّ لغات: اَلشَّيْخُ الْفَانِيْ: شَيْخٌ بمعنی بوڑھا نیز شوہر، استاد، عالم، سردارِ قوم کو بھی شیخ کہتے ہیں۔ شیخ فانی سے مراد نہایت بوڑھا شخص جو شدید مشقت کے بغیر روزہ نہ رکھ پائے۔ علّامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعریف کی ہے جو دن بدن مائل بہ انحطاط ہو اور اسکی کمزوری

کی طرف جارہا ہو جو موت پر جاکر ختم ہوجائے۔ اور اس کو فانی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ فناء کے قریب ہوگیا ہے یا اس کے قوی فنا ہوچکے ہیں۔ کِبَرٌ؛ مصدر ہے باب سمع سے بمعنی عمر رسیدہ ہونا۔ سِنَةٌ؛ بمعنی عمر۔ مُتَتَابِعَةً؛ صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از باب تفاعل بمعنی لگاتار، مسلسل۔

ترجمہ: (۱) حیض اور نفاس والی عورت کے لئے بلکہ ان دونوں پر روزہ نہ رکھنا واجب ہے اور ان دونوں کا روزہ درست نہیں ہے۔ (۷) ایسے کھوسٹ بوڑھے کے لئے جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا اور انتہائی بوڑھے پر روزہ کی قضاء بھی نہیں ہے عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بلکہ اس پر فدیہ واجب ہے۔ (۸) بغیر عذر کے روزہ توڑنا جائز ہے اس شخص کے لئے جس نے نفلی روزہ رکھا اور اس پر واجب ہے کہ اُس روزہ کی قضاء کرے دوسرے دن میں۔ (۹) اس شخص کے لئے روزہ توڑ دینا جائز ہے جو دشمن سے لڑ رہا ہو۔ مستحب ہے اس شخص کے لئے جس پر قضاء واجب ہے کہ قضاء کو بجالانے میں جلدی کرے لیکن جب وہ قضاء کرنے میں تاخیر کرے تو جائز ہے اور اس کے لئے گنجائش ہے اس بات کی کہ وہ قضاء کے دنوں میں مسلسل روزہ رکھے یا متفرق طور پر۔ جب قضاء کو بجالانے میں تاخیر کردے یہاں تک کہ دوسرا رمضان آپہنچے تو ادا کو قضاء پر مقدم کرے اور قضاء میں تاخیر کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔

تشریح: وہ اعذار جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا یا رکھ کر توڑنا جائز ہے ان میں سے (۶) چھٹا عذر حیض ونفاس کا خون ہے چونکہ روزہ کے درست ہونے کے لئے حیض ونفاس سے پاک ہونا شرط ہے جب عورتیں حیض ونفاس سے پاک ہوجائیں تو گو انہوں نے غسل نہ کیا ہو تب بھی ان کا روزہ درست ہوجائے گا چنانچہ اگر حیض ونفاس والی عورت نے روزہ رکھا بھی تو درست نہ ہوگا۔ بلکہ روزہ رکھنا اس کے لئے حرام ہے۔

(۷) ساتواں عذر انتہائی درجہ کا بڑھاپا ہے: کہ روزہ رکھنے کی قوت نہ رہے اور روز بروز اس کی صحت گھٹتی جائے ایسے لوگوں کو فقہاء "شیخ فانی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ روزانہ کے اعتبار سے یا مہینہ کے شروع میں یا مہینہ کے اختتام پر روزوں کا فدیہ ادا کریں اور فدیہ کی مقدار یہ ہے کہ ایک روزہ کے عوض ایک مسکین کو دو وقت (دوپہر اور رات) کا کھانا پیٹ بھر کر کھلائے لیکن اگر کھانا کھلانے کے بجائے محتاج کو غلہ یا اس کی قیمت ہی دیدے تو اس کی بھی گنجائش ہے پھر غلہ کی مقدار وہی ہے جو صدقۃ الفطر کی ہے یعنی پونے دو سیر گندم یا گندم کا آٹا (ایک کلو چھ سو گرام) جس کا تفصیلی بیان آگے آنے والا ہے۔

فائدہ: اگر یہ بوڑھا شخص فدیہ ادا کرنے کے بعد بفضل خداوندی روزہ رکھنے پر قادر ہوا تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہوگا اور فدیہ جو ادا کرچکا ہے وہ صدقہ بن جائے گا۔

(۸) آٹھویں صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہے تو بلا عذر کے توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم نے ایک مرتبہ حَیس (ایک قسم کا کھانا ہے جو پنیر، گھی، کھجور اور آٹے سے ملاکر بنایا جاتا ہے) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھپا کر رکھ لیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں نے روزہ کا ارادہ کرلیا تھا مگر اب کھالیتا ہوں اور اس کی جگہ دوسرا قضاء کرلوں گا۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ بلا عذر نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے جبکہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ بلا عذر نفلی روزہ توڑنا جائز نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کسی کو

کھانے کی دعوت دی جائے تو اگر روزہ سے نہیں تو قبول کر کے کھالے اور اگر روزہ سے ہے تو اسے دُعا دے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ بلا عذر روزہ توڑنا جائز نہیں ہے۔

بہر حال نفلی روزہ توڑنے کے بعد روزہ کی قضاء کرنا واجب ہے کیونکہ نفلی روزہ جو شروع کر دیا گیا وہ عبادت اور عمل ہے اور عمل کو باطل کرنے سے بچانا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اپنے اعمال کو باطل مت کرو"۔(بقرہ) اور اعمال کو باطل کرنے سے بچانا اس طرح ہو سکتا ہے کہ اُن کو پورا کیا جائے اور جس عمل کو پورا کرنا واجب ہو بصورتِ فساد اس کی قضاء کرنا بھی واجب ہے۔

(۹) نواں عذر؛ جب آدمی دشمن سے برسرِ پیکار ہو تو بتکلّف روزہ رکھنا بہتر نہیں ہے چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر "کراعِ غمیم" کے مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ نے روزہ افطار کر لیا بعض حضرات نے روزہ جاری رکھا تو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا اور اس کو ایک طرح کی نافرمانی قرار دیا۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی، در مختار مع رد المحتار، قاموس)

مَتٰی یَجِبُ الْوَفَاءُ بِالنَّذْرِ؟

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿مَنْ نَذَرَ أَنْ يُّطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَّعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ﴾ (رواہُ البخاری) يَجِبُ الْوَفَاءُ بِالنَّذْرِ إِذَا اجْتَمَعَتْ فِيْهِ ثَلَاثَةُ شُرُوْطٍ: ۱۔أَنْ يَّكُوْنَ مِنْ جِنْسِ الْمَنْذُوْرِ وَاجِبٌ كَالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ۔ ۲۔ أَنْ يَّكُوْنَ الْمَنْذُوْرُ مَقْصُوْدًا لِذَاتِهٖ۔ ۳۔أَنْ لَّا يَكُوْنَ الْمَنْذُوْرُ وَاجِبًا قَبْلَ النَّذْرِ۔ فَيَصِحُّ النَّذْرُ بِالْعِتْقِ، وَالْإِعْتِكَافِ، وَالصَّلَاةِ غَيْرِ الْمَفْرُوْضَةِ، وَالصَّوْمِ غَيْرِ الْمَفْرُوْضِ۔

حلِّ لغات: نَذْرٌ؛ بمعنی اپنے اوپر غیر لازم کو لازم اور واجب کیا ہوا کام۔ جمع نُذُوْرٌ، نُذُرٌ۔

ترجمہ: نذر کو پورا کرنا کب واجب ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو چاہیئے کہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ (روایت کیا اس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے) نذر کو پورا کرنا واجب ہے جب اس میں آنے والی تین شرطیں جمع ہو جائیں: (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ نذر مانے ہوئے کام کی جنس میں سے کوئی واجب ہو جیسے روزہ اور نماز۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ نذر مانا ہوا کام خود مقصود ہو۔ (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ نذر مانا ہوا کام نذر ماننے سے پہلے ہی واجب نہ ہو۔ چنانچہ غلام کو آزاد کرنے کی اور اعتکاف کرنے کی اور فرض نماز کے علاوہ کی اور فرض روزہ کے علاوہ کی نذر ماننا درست ہے۔

تشریح: جب مصنف رحمۃ اللہ علیہ اُن روزوں کے بیان سے فارغ ہو گئے جن کا وجوب اللہ کی طرف سے ہے تو اب ان روزوں کا بیان شروع فرمایا جن کو خود آدمی اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے جس کو نذر کہتے ہیں۔ پھر چونکہ اللہ کے واجب کرنے سے جو واجب ہوتا ہے وہ فرض ہے اور بندہ کے خود اپنے اوپر واجب کرنے سے جو واجب ہوتا ہے وہ واجب ہے اس لئے اللہ کے واجب کئے ہوئے (فرض) کو پہلے بیان کیا۔

نذر کی لغوی تحقیق: نذر؛ کے لغوی معنی کسی چیز کو واجب اور لازم کر لینے کے ہیں۔ عربی زبان میں اس کی جمع نُذُوْرٌ اور نُذُرٌ آتی ہے۔

اصطلاحی تعریف: شریعت کی اصطلاح میں کسی مباح کام کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اِجلال کی نیت سے اپنے اوپر واجب کر لینا "نذر" ہے۔

نذر کے مشروع اور جائز ہونے کی دلیل قرآن اور حدیث اور اجماع ہے۔ قرآن میں ایک سے زیادہ موقعوں پر نذر کو پورا کرنے کا ذکر ہے (سورۂ دہر ۷، الحج ۲۹) اور حدیث سے خود مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل حاصل کی ہے جو ترجمہ میں گذر گئی ہے۔ اور ابنِ قُدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مسلمانوں کا اجماع بھی نقل کیا ہے۔

نذر کا رکن: نذر کا رکن احناف رحمہم اللہ کے نزدیک صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے زبان سے صیغۂ نذر کو ادا کرنا۔ جیسے یوں کہنا کہ مجھ پر اللہ کے لئے یہ کام واجب ہے، یا میرا مال اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، وغیرہ۔

نذر کی شرائط: نذر سے متعلق شرائط تین طرح کی ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں صرف وہ شرائط ذکر کی ہیں جن کا تعلق نذر مانی ہوئی چیز سے ہے۔ (۱) ایک وہ جن کا تعلق نذر ماننے والے سے ہے، (۲) دوسری: وہ جن کا تعلق اس چیز سے ہے جس کی نذر مانی جائے، (۳) تیسری: وہ جن کا تعلق خود صیغۂ نذر سے ہے۔

نذر ماننے والے سے متعلق شرائط: نذر ماننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ، مسلمان ہو لہٰذا پاگل، ناسمجھ بچے، اور کافر کی نذر ماننے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی کافر نے مسلمان ہونے سے پہلے کوئی نذر مانی پھر مسلمان ہو گیا تو اس نذر کا پورا کرنا اس پر واجب نہ ہو گا۔

نذر مانی ہوئی شئی سے متعلق شرطیں: (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے شریعت میں بھی اس کی جنس سے کوئی کام آدمی پر واجب ہو جیسے: نماز، روزہ، حج، صدقہ۔ لہٰذا اگر نذر مانی ہوئی شئ کی جنس میں سے شریعت میں کوئی واجب نہ ہو تو نذر صحیح نہیں ہے جیسے: بیمار کی عیادت کی نذر ماننا۔ البتہ اعتکاف کے بارے میں شبہ ہوتا ہے کہ بظاہر اعتکاف کی جنس سے کوئی چیز واجب نہیں ہے لہٰذا اعتکاف کی نذر بھی درست نہیں ہونی چاہیئے لیکن اہلِ علم کا خیال ہے کہ اعتکاف چونکہ ایک ہی جگہ پر رُکے رہنے کا نام ہے جس کو حبس کہتے ہیں اور حبس کی جنس نماز میں قعدۂ اخیرہ اور حج میں وقوفِ عرفہ ہے اور یہ دونوں فرض ہیں اس لئے اعتکاف کی نذر بھی بالاتفاق معتبر ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ نذر مانا ہوا کام خود مقصود ہو کسی دوسری عبادت کے لئے وسیلہ نہ ہو جیسے نماز، روزہ، حج عمرہ، اعتکاف، قربانی وغیرہ لہٰذا جو چیزیں عبادتِ مقصودہ کا درجہ نہیں رکھتیں بلکہ دوسری عبادت کے لئے وسیلہ ہیں ان کی نذر ماننا درست نہیں ہے جیسے: وضو کی نذر ماننا، جنازہ کے ساتھ چلنے کی، مسجد میں داخل ہونے کی، اذان کی، قرآن کو ہاتھ لگانے کی نذر ماننا درست نہیں ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی جارہی ہو وہ پہلے ہی سے فرضِ عین یا فرضِ کفایہ یا واجبِ عین یا واجبِ کفایہ نہ ہو۔ چنانچہ نمازِ پنجگانہ، نمازِ جنازہ، وتر، صدقۂ فطر، اور مُردہ کی تجہیز اور تکفین کی نذر معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ تو پہلے ہی سے فرض یا واجب ہیں۔ البتہ غلام آزاد کرنے کی، اعتکاف کی، فرض کے علاوہ نفل نماز کی اور رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں کی نذر ماننا درست ہے۔

فائدہ: ان تین شرطوں کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ کام ناممکن نہ ہو بلکہ اس کا وجود ممکن ہو لہٰذا اگر کسی شخص نے رات میں روزہ رکھنے کی نذر مان لی یا کسی عورت نے زمانہ حیض میں روزہ رکھنے کی نذر مان لی یا یوں کہا کہ میں کل گذشتہ روزہ کی نذر مانتا ہوں تو یہ نذر درست نہیں ہے۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ کام جس کی نذر مانی ہے وہ معصیت اور اللہ کی نافرمانی نہ ہو مثلاً شراب پینے کی نذر مانی یا غیر اللہ کے سامنے سجدہ کی نذر مانی تو یہ جائز نہیں ہے۔

نذر کے مشروع اور جائز ہونے کی دلیل قرآن اور حدیث اور اجماع ہے۔ قرآن میں ایک سے زیادہ موقعوں پر نذر کو پورا کرنے کا ذکر ہے (سورۂ دہر ۷، الحج ۲۹) اور حدیث سے خود مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل حاصل کی ہے جو ترجمہ میں گذر گئی ہے۔ اور ابنِ قُدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مسلمانوں کا اِجماع بھی نقل کیا ہے۔

نذر کا رکن: نذر کا رکن احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے زبان سے صیغۂ نذر کو ادا کرنا۔ جیسے یوں کہنا کہ مجھ پر اللہ کے لئے یہ کام واجب ہے، یا میرا مال اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، وغیرہ۔

نذر کی شرائط: نذر سے متعلق شرائط تین طرح کی ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں صرف وہ شرائط ذکر کی ہیں جن کا تعلق نذر مانی ہوئی چیز سے ہے۔ (۱) ایک وہ جن کا تعلق نذر ماننے والے سے ہے، (۲) دوسری: وہ جن کا تعلق اس چیز سے ہے جس کی نذر مانی جائے، (۳) تیسری: وہ جن کا تعلق خود صیغۂ نذر سے ہے۔

نذر ماننے والے سے متعلق شرائط: نذر ماننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ، مسلمان ہو لہٰذا پاگل، ناسمجھ بچے، اور کافر کی نذر ماننے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی کافر نے مسلمان ہونے سے پہلے کوئی نذر مانی پھر مسلمان ہو گیا تو اس نذر کا پورا کرنا اس پر واجب نہ ہو گا۔

نذر مانی ہوئی شئی سے متعلق شرطیں: (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے شریعت میں بھی اس کی جنس سے کوئی کام آدمی پر واجب ہو جیسے: نماز، روزہ، حج، صدقہ۔ لہٰذا اگر نذر مانی ہوئی شئ کی جنس میں سے شریعت میں کوئی واجب نہ ہو تو نذر صحیح نہیں ہے جیسے: بیمار کی عیادت کی نذر ماننا۔ البتہ اعتکاف کے بارے میں شبہ ہوتا ہے کہ بظاہر اعتکاف کی جنس سے کوئی چیز واجب نہیں ہے لہٰذا اعتکاف کی نذر بھی درست نہیں ہونی چاہئے لیکن اہلِ علم کا خیال ہے کہ اعتکاف چونکہ ایک ہی جگہ پر رُک کے رہنے کا نام ہے جس کو حبس کہتے ہیں اور حبس کی جنس نماز میں قعدۂ اخیرہ اور حج میں وقوفِ عرفہ ہے اور یہ دونوں فرض ہیں اس لئے اعتکاف کی نذر بھی بالاتفاق معتبر ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ نذر مانا ہوا کام خود مقصود ہو کسی دوسری عبادت کے لئے وسیلہ نہ ہو جیسے نماز، روزہ، حج عمرہ، اعتکاف، قربانی وغیرہ لہٰذا جو چیزیں عبادتِ مقصودہ کا درجہ نہیں رکھتیں بلکہ دوسری عبادت کے لئے وسیلہ ہیں ان کی نذر ماننا درست نہیں ہے جیسے: وضو کی نذر ماننا، جنازہ کے ساتھ چلنے کی، مسجد میں داخل ہونے کی، اذان کی، قرآن کو ہاتھ لگانے کی نذر ماننا درست نہیں ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی جارہی ہو وہ پہلے ہی سے فرضِ عین یا فرضِ کفایہ یا واجبِ عین یا واجبِ کفایہ نہ ہو۔ چنانچہ نمازِ پنجگانہ، نمازِ جنازہ، وتر، صدقۂ فطر، اور مُردہ کی تجہیز اور تکفین کی نذر معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ تو پہلے ہی سے فرض یا واجب ہیں۔ البتہ غلام آزاد کرنے کی، اعتکاف کی، فرض کے علاوہ نفل نماز کی اور رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں کی نذر ماننا درست ہے۔

فائدہ: ان تین شرطوں کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ کام ناممکن نہ ہو بلکہ اس کا وجود ممکن ہو لہٰذا اگر کسی شخص نے رات میں روزہ رکھنے کی نذر مان لی یا کسی عورت نے زمانہ حیض میں روزہ رکھنے کی نذر مان لی یا یوں کہا کہ میں کل گذشتہ روزہ کی نذر مانتا ہوں تو یہ نذر درست نہیں ہے۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ کام جس کی نذر مانی ہے وہ معصیت اور اللہ کی نافرمانی نہ ہو مثلاً شراب پینے کی نذر مانی یا غیر اللہ کے سامنے سجدہ کی نذر مانی تو یہ جائز نہیں ہے۔

صیغۂ نذر اور تعبیر سے متعلق شرط: یہ ہے کہ استثناء کے ذریعہ کلام کو بے اثر نہ کیا جائے، چنانچہ اگر کوئی شخص صیغۂ نذر کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ بھی کہہ دے مثلاً: "مجھ پر اللہ کے لئے چار رکعت نماز ہے ان شاء اللہ" تو یہ نذر نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے ذمہ اب نماز پڑھنا ضروری ہے کیونکہ ان شاء اللہ جس کو استثناء کہا جاتا ہے اس نے صیغۂ نذر کو بے اثر اور باطل کر دیا۔

وَلَا يَصِحُّ النَّذْرُ بِالْوُضُوْءِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ مَقْصُوْدًا لِذَاتِهِ۔ وَلَا يَصِحُّ النَّذْرُ بِسُجُوْدِ التِّلَاوَةِ، لِأَنَّهُ وَاجِبٌ قَبْلَ النَّذْرِ۔ وَلَا يَصِحُّ النَّذْرُ بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ، لِأَنَّهَا لَيْسَ مِنْ جِنْسِهَا وَاجِبٌ۔ إِذَا نَذَرَ بِصَوْمِ الْعِيْدَيْنِ، أَوْ بِصِيَامِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ، صَحَّ نَذْرُهُ۔ وَيَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يُفْطِرَ فِيْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ لِلنَّهْيِ عَنِ الصَّوْمِ فِيْهَا، وَيَقْضِيْ بَعْدَهَا۔

حل لغات: أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ، أَيَّامٌ يَوْمٌ کی جمع ہے اور تَشْرِيْق مصدر ہے باب تفعیل کا بمعنی گوشت کے ٹکڑے کر کے دھوپ میں خشک کرنا۔ ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کی تاریخیں ایام تشریق کہلاتی ہیں، ان ایام کو ایام تشریق اس لئے کہتے ہیں کہ عرب لوگ ان دنوں میں قربانی کا گوشت سکھایا کرتے تھے اور پھر سارا سال توشہ دانوں میں رکھ کر استعمال کرتے تھے۔

ترجمہ: اور وضو کی نذر ماننا درست نہیں ہے اس لئے کہ وضو بذاتِ خود مقصود نہیں ہے۔ اور سجدۂ تلاوت کی نذر ماننا بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ نذر سے پہلے ہی واجب ہے۔ اور بیمار کی بیمار پرسی کی نذر ماننا بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ بیمار پرسی کی جنس میں سے کوئی واجب نہیں ہے۔ جب کوئی شخص عیدین کے روزوں کی یا ایامِ تشریق کے روزوں کی نذر مانے تو اس کی نذر درست ہے اور اس پر لازم ہے کہ اِن دنوں میں روزہ نہ رکھے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے ممانعت کی وجہ سے اور اِن دنوں کے بعد قضاء کرے۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے نذر کے درست ہونے کی تین شرطیں بیان فرمائی تھیں، اب یہاں سے تین ایسی مثالیں بیان فرماتے ہیں جن میں مندرجہ بالا شرطیں نہیں پائی جا رہی ہیں لہٰذا نذر بھی منعقد نہیں ہو گی۔

(۱) پہلی مثال وَلَا يَصِحُّ النَّذْرُ بِالْوُضُوْءِ سے بیان فرماتے ہیں کہ وضو کی نذر ماننا درست نہیں ہے اس لئے کہ وضو بذاتِ خود کوئی مقصود نہیں بلکہ نماز وغیرہ کا وسیلہ ہے۔ اس مثال میں دوسری شرط نہیں پائی جا رہی ہے۔

(۲) دوسری مثال یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کی نذر ماننا درست نہیں اس لئے کہ وہ پہلے سے ہی شریعت کے واجب کرنے سے واجب ہے۔ اس مثال میں تیسری شرط نہیں پائی جا رہی ہے۔

(۳) تیسری مثال وَلَا يَصِحُّ النَّذْرُ بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ سے بیان فرماتے ہیں اس لئے کہ اس میں پہلی شرط موجود نہیں ہے۔

ممنوع اوقات میں عبادت کی نذر: إِذَا نَذَرَ بِصَوْمِ الْعِيْدَيْنِ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب کوئی کام ایسا ہو جو فی نفسہٖ مشروع اور جائز ہو البتہ غیر کی وجہ سے وہ ممنوع ہو تو یہ بھی نذر ماننے سے رُکاوٹ نہیں اگر ایسی بات کی نذر مان لی تو درست ہے، مثلاً کسی شخص نے عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے کی نذر مان لی یا ایامِ تشریق گیارہ بارہ تیرہ ذی الحجہ کو روزہ رکھنے کی نذر مان لی تو یہ درست ہے اس لئے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنا فی نفسہٖ درست ہے روزہ رکھنا اپنی ذات میں نافرمانی نہیں ہے البتہ غیر کی وجہ سے ان دنوں میں روزہ رکھنا نافرمانی ہے اور وہ غیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی سے اعراض لازم آتا ہے اور احادیث میں اسی بنا پر ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنے سے ممانعت وارد ہوئی

ہے، پس فی نفسہ روزہ مشروع ہونے کی وجہ سے ان دنوں میں روزہ کی نذر درست ہے البتہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھے بلکہ ان دنوں سے گذرنے کے بعد روزے کی قضاء کرلے تاکہ معصیت سے بھی بچے اور نذر بھی پوری ہو جائے۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی، قاموس)

اَلْاِعْتِكَاف

اَلْإِعْتِكَافُ هُوَ اللُّبْثُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ تُقَامُ فِيْهِ الْجَمَاعَةُ بِنِيَّةِ الْإِعْتِكَافِ۔

أَنْوَاعُ الْاِعْتِكَاف

يَنْقَسِمُ الْإِعْتِكَافُ إِلٰى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ: ١۔ وَاجِبٌ، وَهُوَ الْإِعْتِكَافُ الْمَنْذُوْرُ، فَمَنْ نَذَرَ بِأَنَّهٗ يَعْتَكِفُ وَجَبَ عَلَيْهِ الْإِعْتِكَافُ۔ ٢۔ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ كِفَايَةٌ فِي الْعَشْرِ الْأَخِيْرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ ٣۔ مُسْتَحَبٌّ: وَهُوَ مَا سِوَى الْمَنْذُوْرِ، وَالْعَشْرِ الْأَخِيْرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

حلِ لغات: اَلْإِعْتِكَافُ: مصدر ہے باب افتعال کا بمعنی ٹھہرنا، اپنے آپکو روک لینا، کسی مکان میں بند رہنا۔

ترجمہ: اعتکاف: وہ اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے اُس مسجد میں جس میں نماز باجماعت قائم کی جاتی ہو۔ اعتکاف کی قسمیں: اعتکاف تین قسموں کی طرف منقسم ہوتا ہے: (۱) واجب: اور وہ نذر مانا ہوا اعتکاف ہے، پس جس شخص نے اس بات کی نذر مانی کہ وہ اعتکاف کرے گا تو اس پر اعتکاف کرنا واجب ہے۔ (۲) سنّتِ مؤکّدہ کفایہ: رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں۔ (۳) مستحب: اور وہ نذر مانے ہوئے (اعتکاف) اور رمضان کے اخیر عشرہ کے علاوہ ہے۔

تشریح: اعتکاف اپنی روح اور اصل کے اعتبار سے روزہ کے مقاصد کی تکمیل ہے ہر چند کہ انسان روزہ کی حالت میں خورد و نوش اور جنسی تعلقات سے دور رہتا ہے تاہم گھر سے اس کا تعلق بالکل منقطع نہیں ہوتا، بلکہ رات کو بیوی سے جنسی ضرورت کی تکمیل کی گنجائش بھی رہتی ہے، اعتکاف ان تمام تعلقات کی رسّی کو بھی کاٹ دیتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ رمضان میں اعتکاف کا ایک اہم مقصد شبِ قدر کی تلاش اور زیادہ سے زیادہ عبادت ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے روزہ کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اعتکاف کے مسائل کو بیان فرمایا۔

اعتکاف کا ثبوت: خود قرآن سے بھی اعتکاف کا ثبوت ملتا ہے "وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ" (بقرہ ۱۸۷) اور حدیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کی خاص فضیلت بیان فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حالتِ اعتکاف میں معتکف گناہوں سے باز رہتا ہے، نیز مسجد سے باہر نہ نکلنے کی وجہ سے جن نیکیوں سے محروم رہتا ہے وہ نیکیاں بھی باری تعالیٰ کے فضل سے اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتی ہیں مثلاً نمازِ جنازہ، مریض کی عیادت، کسی نیک مجلس میں شرکت، کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کے لئے کوشش۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پابندی سے اعتکاف فرمایا ہے۔

اعتکاف کی قسمیں: فقہاء نے احکام اور اہمیت کے لحاظ سے اعتکاف کی تین قسمیں قرار دی ہیں: واجب، مسنون، مستحب۔

اعتکافِ واجب: اعتکاف کی نذر اور منّت ماننے کی وجہ سے دوسری عبادتوں کی طرح اعتکاف بھی واجب ہو جاتا ہے، خواہ یہ نذر مشروط ہو یا غیر مشروط، اگر نذر غیر مشروط ہے تب تو اس کی تکمیل کے لئے کوئی شرط نہیں بلکہ وہ بہر حال واجب ہے، مثلاً کوئی کہے میں تین دن اعتکاف

کروں گا تو یہ غیر مشروط نذر ہوئی، بہر صورت اس کو یہ نذر پوری کرنی ہوگی، اور اگر کسی شرط کے ساتھ مشروط نذر مانی مثلاً: یہ کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اللہ کے لئے تین دن اعتکاف کروں گا، اب اس کام کے ہونے کے بعد ہی اعتکاف واجب ہوگا، اس قسم کی نذر کو "نذرِ معیَّن" کہتے ہیں اور پہلی صورت کو "نذرِ مطلق" کہتے ہیں۔ اعتکافِ واجب کم از کم ایک دن کا ہوگا اس سے کم کا نہیں۔ اور اس کی نذر کرنے کے وقت روزہ رکھنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بہر صورت اعتکاف میں روزہ رکھنا بھی واجب ہوگا۔

فائدہ: نذر کے لازم اور واجب ہونے کے لئے نذر کے الفاظ زبان سے بولنا ضروری ہے صرف نذر کا خیال آنے سے یا نیت کرنے سے نذر منعقد نہیں ہوگی۔ (طحطاوی مع المراقی)

اعتکافِ مسنون: رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، علی الکفایہ کا مطلب وہی ہے جو نمازِ جنازہ کے فرضِ کفایہ ہونے کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ نمازِ جنازہ فرض ہے اور یہ اعتکاف سنت ہے۔ یعنی اگر پورے محلے میں سے کسی ایک شخص نے بھی اعتکاف کر لیا تو باقی سب کے ذمہ سے ترکِ سنت کا گناہ ختم ہو جائے گا اور اگر کسی نے بھی نہیں کیا تو تمام اہلِ محلّہ ترکِ سنت کے مرتکب ہونگے اور گنہگار ہونگے۔ اس اعتکاف کے لئے بھی روزہ ضروری ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص مرض کی وجہ سے یا مسافر ہونے کی حالت میں روزہ رکھے بغیر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرلے تو سنت کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوگا۔

مسافر ہونے کی مثال: مثلاً ایک شخص شرعی سفر کے ارادہ سے نکلا اور رمضان کے آخری دس دن کسی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ کیا اور وہاں اعتکاف کے ارادے سے کسی مسجد میں بیٹھ گیا تو اب چونکہ اس نے پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہے لہٰذا یہ مسافر ہے اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، تو اب یہ روزہ چھوڑ کر اعتکاف کرنا چاہتا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔

سنت اعتکاف کا طریقہ: یہ ہے کہ ۲۰ رمضان المبارک کو غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہو جائے اور ۲۹ رمضان المبارک کو عید الفطر کا چاند ہونے کے بعد یا ۳۰ تاریخ کو غروبِ آفتاب کے بعد مسجد سے نکل کر واپس آجائے۔

مستحب اعتکاف: جس کو نفلی اعتکاف بھی کہتے ہیں یہ مذکورہ دو قسموں کے علاوہ ہے، اس میں نہ روزہ کی شرط ہے، نہ مسجد میں رات گذارنے کی شرط ہے اور نہ دنوں کی کوئی تعداد مقرر ہے جتنے دن اور جتنے لمحات کا بھی چاہے اعتکاف کر سکتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلے، اس طرح جب تک وہ مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب ملتا رہے گا اور جب مسجد سے باہر آجائے گا اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

اعتکاف کا رکن: ٹھہرنا ہے۔

اعتکاف کی شرطیں: اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے معتکف کا مسلمان ہونا، عاقل ہونا (یعنی پاگل، دیوانہ نہ ہو) نیت کا ہونا، مرد کا جنابت اور عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونا، نیز ایسی مسجد میں اعتکاف کرنا جس میں پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہو شرط ہے۔ بالغ ہونا ضروری نہیں ہے، قریب البلوغ اور نابالغ سمجھدار بھی اعتکاف کر سکتے ہیں۔ اور اعتکاف واجب یا مسنون ہو تو روزہ رکھنا بھی شرط ہے۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الاختیار لتعلیل المختار، رد المحتار، قاموس الفقہ)

مُدَّةُ الْإِعْتِكَافِ: مُدَّةُ الْإِعْتِكَافِ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ أَقْسَامِ الْإِعْتِكَافِ۔ فَمُدَّةُ الْوَاجِبِ هِيَ الزَّمَانُ الَّذِيْ عَيَّنَهُ فِي النَّذْرِ۔ وَمُدَّةُ الْمَسْنُوْنِ هِيَ الْعَشْرُ الْأَخِيْرُ مِنْ رَمَضَانَ۔ وَمُدَّةُ النَّفْلِ أَقَلُّهَا لَحْظَةٌ زَمَانِيَّةٌ وَلَا حَدَّ لِأَكْثَرِهَا۔ لَايَصِحُّ الْإِعْتِكَافُ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ تُقَامُ فِيْهِ الْجَمَاعَةُ، وَالْمَسْجِدُ الَّذِيْ لَهُ إِمَامٌ وَمُؤَذِّنٌ۔ وَالْمَرْأَةُ تَعْتَكِفُ فِيْ مَسْجِدِ بَيْتِهَا، وَهُوَ الْمَكَانُ الَّذِيْ عَيَّنَتْهُ لِلصَّلَاةِ فِيْ بَيْتِهَا۔ وَيُشْتَرَطُ الصَّوْمُ لِلْإِعْتِكَافِ الْمَنْذُوْرِ. فَلَا يَصِحُّ بِدُوْنِ الصَّوْمِ۔ وَلَا يُشْتَرَطُ الصَّوْمُ لِصِحَّةِ الْإِعْتِكَافِ الْمَسْنُوْنِ وَالْمُسْتَحَبِّ۔

حلِّ لغات: لَحْظَةٌ؛ بمعنی ایک لحہ، اسم مرّۃ ہے باب فتح سے۔ جمع لَحَظَاتٌ۔ زَمَانِيَّةٌ؛ اسم منسوب ہے زمان کی طرف بمعنی زمانے والا پس لَحْظَةٌ زَمَانِيَّةٌ کا معنی ہوا زمانہ کا ایک لحہ۔

ترجمہ: اعتکاف کی مُدّت: اعتکاف کی مُدّت مختلف ہے اعتکاف کی قسموں کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ اعتکافِ واجب کی مُدّت وہ زمانہ ہے جو اس نے نذر میں متعیّن کر دی۔ اور اعتکافِ مسنون کی مُدّت وہ رمضان کا اخیر عشرہ ہے۔ اور اعتکافِ نفل کی مُدّت کم از کم زمانہ کا ایک لحہ ہے اور زیادہ مُدّت کی کوئی حد نہیں ہے۔ اعتکاف درست نہیں ہے مگر اس مسجد میں جس میں جماعت ہوتی ہو اور اس مسجد میں جس کا امام اور مؤذّن ہو۔ اور عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے گی اور گھر کی مسجد وہ جگہ ہے جو اس نے نماز کے لئے اپنے گھر میں متعین کی ہے۔ نذر مانے ہوئے اعتکاف کے لئے روزہ رکھنا شرط ہے، لہٰذا وہ بغیر روزہ کے درست نہ ہوگا، اور مسنون اور مستحب اعتکاف کی درستگی کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں ہے۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ اعتکاف کی تعریف اور اقسام کو بیان کرنے کے بعد اب ہر قسم کی مُدّت بیان فرماتے ہیں، چنانچہ واجب اعتکاف کی مُدّت وہی ہے جو آدمی اپنے اوپر لازم کرلے لیکن یہ یاد رہے کہ واجب اعتکاف کم از کم ایک دن کا ہوگا اس سے کم کا نہیں اس لئے کہ روزہ اعتکافِ واجب کے لئے شرط ہے اور روزہ دن سے کم کا نہیں ہوا کرتا۔

لَايَصِحُّ الْإِعْتِكَافُ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ الخ: یہاں سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مرد کے حق میں اعتکاف کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مسجد میں ہو اور مسجد بھی ایسی جہاں نماز باجماعت کے لئے امام اور مؤذّن باقاعدہ موجود ہوں اور تمام نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہوں، لہٰذا ویران مسجد میں تنہا اعتکاف معتبر نہ ہوگا۔

وَالْمَرْأَةُ تَعْتَكِفُ الخ: عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے گی کیونکہ گھر کی مسجد عورت کے لئے زیادہ محفوظ جگہ ہے، اور گھر کی مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جہاں وہ نماز پڑھتی ہے۔ وہ جگہ اس کے لئے مسجد کا حکم رکھتی ہے اس خاص کمرہ سے بلاضرورت باہر آنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ گھر کے صحن میں بھی بلاضرورت آئے گی تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ اعتکاف نماز کے انتظار کی عبادت ہے اور عورت گھر کی مسجد میں نماز کا انتظار کرتی ہے نہ کہ عام مسجد میں، لہٰذا عام مسجد میں عورت کا اعتکاف مکروہ ہوگا۔

فائدہ: اگر عورت نے نماز کے لئے ایسی کوئی جگہ گھر میں متعیّن نہیں کی جس میں وہ نماز پڑھتی ہو تو پھر باقی ماندہ گھر میں اس کا اعتکاف درست نہیں ہے۔

وَيُشْتَرَطُ الصَّوْمُ الخ: یہاں سے یہ بیان فرماتے ہیں کہ کونسے اعتکاف کے لئے روزہ رکھنا شرط ہے؟ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف واجب اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہونے کو بیان فرمایا جبکہ مسنون اور مستحب اعتکاف کے لئے روزہ کے شرط ہونے کی نفی فرمائی ہے لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ (صاحبِ رد المحتار) کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت اعتکاف کے لئے بھی روزہ ضروری اور شرط ہے اور کتابوں میں بالخصوص مُتون میں اس کا ذکر نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ عادۃً اعتکافِ مسنون روزہ کے بغیر نہیں ہوتا، لہٰذا جب سنت اعتکاف کے لئے بھی روزہ شرط ہے تو اگر کسی نے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے ہوئے مرض یا مسافر ہونے کی وجہ سے روزہ نہ رکھا تو اس اعتکاف سے سنت ادا نہ ہوگی بلکہ یہ اعتکاف نفل شمار ہوگا۔ (کتاب الاختیار لتعلیل المختار، رد المحتار، تسہیل)

مُفْسِدَاتُ الْإِعْتِكَافِ

يَفْسُدُ الْإِعْتِكَافُ بِالْأُمُوْرِ الْاٰتِيَةِ: ١۔ بِالْخُرُوْجِ مِنَ الْمَسْجِدِ بِدُوْنِ عُذْرٍ۔ ٢۔ بِطُرُوْءِ الْحَيْضِ أَوِ النِّفَاسِ۔ ٣۔ بِالْجِمَاعِ، أَوْ دَوَاعِيْهِ كَالْقُبْلَةِ أَوِ اللَّمْسِ بِشَهْوَةٍ۔

حلِّ لغات: طُرُوْءٌ: مصدر ہے باب فتح کا بمعنی اچانک آنا۔ طاری ہونا۔ دَوَاعِيْ: جمع ہے دَاعِيَةٌ کی صیغہ جمع مؤنث مکسر بحث اسم فاعل بمعنی اسباب۔

ترجمہ: اعتکاف کو فاسد کرنے والی چیزیں: مندرجہ ذیل کاموں سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔ (۱) بغیر کسی مجبوری کے مسجد سے باہر نکلنے سے۔ (۲) حیض یا نفاس کے آجانے کی وجہ سے۔ (۳) ہمبستری یا ہمبستری کے اسباب (کو اختیار کرنے) کی وجہ سے، جیسا کہ بوسہ لینا یا (عورت کو) شہوت کے ساتھ چھونا۔

تشریح: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ وہ امور ذکر فرماتے ہیں جن کو اختیار کرنے کی وجہ سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ (۱) بلا ضرورت مسجد سے تھوڑی دیر کیلئے بھی نکل گیا خواہ جان بوجھ کر ہو یا بھول کر تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، کیونکہ مسجد میں ٹھہرنا اعتکاف کا رکن ہے اور مسجد سے نکل جانا اس کی ضد ہے اور شئ اپنی ضد کے پائے جانے کی وجہ سے فوت ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر ضرورت ہو تو بالاتفاق نکل سکتا ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

(۲) حیض و نفاس والی عورت جس طرح بحالتِ ناپاکی اعتکاف نہیں کر سکتی اسی طرح اگر دورانِ اعتکاف حیض یا نفاس شروع ہو گیا تو اُس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا کیونکہ اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور ان دو حالتوں میں روزہ نہیں ہوتا۔ لیکن پاک ہو جانے کے بعد خاص اُس دن کے اعتکاف کی قضاء ضروری ہے پورے دس دن کی قضاء لازم نہیں ہے، پھر اگر یہ قضاء رمضان ہی میں کی تو رمضان کا روزہ کافی ہوگا اور اگر رمضان کے بعد قضاء کی تو اُس دن روزہ رکھنا بھی ضروری ہوگا۔

(۳) بیوی سے ہمبستری، اندرونِ مسجد ہو یا بیرونِ مسجد، جان بوجھ کر ہو یا بھول کر، دن میں ہو یا رات میں، انزال ہو یا نہ ہو، بہر حال اعتکاف ٹوٹ جائے گا، اسی طرح ہمبستری کا پہلا مرحلہ یعنی جماع کی طرف لے جانے والے اسباب اور کام جیسا کہ عورت کا بوسہ لینا، عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا یہ بھی ممنوع اور حرام ہے لیکن ان سے اعتکاف ٹوٹے گا نہیں جب تک انزال نہ ہو۔ (مراقی الفلاح، نور الایضاح، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، کتاب الاختیار لتعلیل المختار، در مختار مع رد المحتار)

اَلْأَعْذَارُ الْمُبِيْحَةُ لِلْخُرُوْجِ مِنَ الْمَسْجِدِ۔اَلْأَعْذَارُ الَّتِیْ تُبِيْحُ الْخُرُوْجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثَلَاثَةٌ:۱۔اَلْأَعْذَارُ الطَّبِيْعِيَّةُ كَالْبَوْلِ، وَالْغَائِطِ، وَالْإِغْتِسَالِ مِنَ الْجَنَابَةِ۔ فَإِنَّ الْمُعْتَكِفَ يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِلْإِغْتِسَالِ مِنَ الْجَنَابَةِ، وَلِقَضَاءِ حَاجَةٍ مِنَ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ بِشَرْطِ أَنْ لَّا يَمْكُثَ خَارِجَ الْمَسْجِدِ إِلَّا قَدْرَ قَضَاءِ حَاجَتِهٖ۔
۲۔اَلْأَعْذَارُ الشَّرْعِيَّةُ كَالصَّلَاةِ لِلْجُمُعَةِ، إِذَا كَانَ الْمَسْجِدُ الَّذِیْ إِعْتَكَفَ فِيْهِ لَاتُقَامُ فِيْهِ الْجُمُعَةُ۔
۳۔اَلْأَعْذَارُ الضَّرُوْرِيَّةُ كَالْخَوْفِ عَلٰى نَفْسِهٖ، أَوْ عَلٰى مَتَاعِهٖ إِذَا بَقِیَ فِیْ ذَالِكَ الْمَسْجِدِ۔ وَكَذَا إِذَا انْهَدَمَ الْمَسْجِدُ فَإِنَّهٗ يَخْرُجُ مِنْ ذَالِكَ الْمَسْجِدِ بِشَرْطِ أَنْ يَّذْهَبَ إِلٰى مَسْجِدٍ اٰخَرَ فَوْرًا نَاوِيًا الْإِعْتِكَافَ فِيْهِ۔ اَلْمُعْتَكِفُ يَأْكُلُ، وَيَشْرَبُ، وَيَعْقِدُ الْبَيْعَ فِی الْمَسْجِدِ لِلشَّیْءِ الَّذِیْ يَحْتَاجُهٗ بِدُوْنِ إِحْضَارِ الْمَبِيْعِ فِی الْمَسْجِدِ۔

حلِّ لغات: تُبِيْحُ؛ صیغہ واحد مؤنث غائب اثبات فعل مضارع معلوم اجوف واوی از باب افعال بمعنی جائز کرنا۔ اَلطَّبِيْعِيَّةُ؛ اَلطَّبِيْعِیُّ کامؤنث، ہر وہ چیز جو طبیعت کے ساتھ خاص ہو۔ اِنْهَدَمَ؛صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معلوم صحیح از باب انفعال بمعنی عمارت کاویران وشکستہ ہونا۔

ترجمہ: وہ مجبوریاں جو مسجد سے نکلنے کو جائز کرتی ہیں۔وہ مجبوریاں جو مسجد سے نکلنے کو جائز کرتی ہیں تین ہیں:(۱) طبعی اور فطری مجبوریاں، جیسے پیشاب، پاخانہ، اور جنابت سے غسل کرنا۔ پس بے شک اعتکاف کرنے والا مسجد سے نکل سکتا ہے جنابت سے غسل کرنے کے لئے اور پیشاب اور پاخانہ کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بشر طیکہ وہ مسجد سے باہر نہ رہے مگر اپنی ضرورت پوری کرنے کے بقدر۔(۲) شرعی اور دینی ضرورتیں، جیسا کہ جمعہ کی نماز جبکہ اُس مسجد میں جس میں اس نے اعتکاف کیا ہے جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو۔(۳) اضطراری اور ناگہانی ضرورتیں، جیسے اپنی جان یا اپنے سامان کے متعلق اندیشہ ہو جب وہ اس مسجد میں ٹھہرا رہے گا۔ اور اسی طرح جب مسجد گرنے لگے تو یقیناً وہ اس مسجد سے نکل سکتا ہے بشر طیکہ وہ فوراً دوسری مسجد میں جائے اس میں اعتکاف کی نیت کر کے۔ اعتکاف کرنے والا کھا، پی سکتا ہے اور مسجد میں اس چیز کی خرید و فروخت کر سکتا ہے جس کا وہ ضرورت مند ہے مسجد میں اس چیز کو لائے بغیر۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمایا: کہ بلا ضرورت مسجد سے نکل جانا اعتکاف کو ختم کر دیتا ہے تو اب یہاں سے بیان فرماتے ہیں: کہ اگر ضرورت اور مجبوری ہو تو نکل سکتا ہے، اور یہ تین قسم کی ہے،(۱) ایک طبعی اور فطری ضرورت: جیسے پیشاب، پاخانہ، جنابت سے غسل کرنے کے لئے، اسی طرح جمعہ کے غسلِ مسنون کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی گنجائش بعض کتابوں سے معلوم ہوتی ہے مگر اس میں بہتر صورت یہ ہے کہ حاجتِ ضروریہ پیشاب وغیرہ کے لئے نکلنے کے بعد وہاں غسل خانہ میں وضو کے بجائے جلدی جلدی غسل کیا جائے تو جمعہ کا غسل بھی ہو جائے گا اور مستقل طور پر غیر واجب غسل کے لئے نکلنا بھی نہ ہو گا، اسی طرح کھانا لانے والا کوئی نہ ہو تو کھانے کے لئے باہر نکل سکتا ہے مگر ان صورتوں میں بھی ضرورت سے زائد نہ ٹھہرنا چاہیے۔

فائدہ: اگر کوئی شخص حقّہ یا سگریٹ پینے کا ایسا عادی ہے کہ ان چیزوں کے بغیر اس کا گذارہ نہیں تو وہ بھی باہر جا سکتا ہے۔

(۲) دوسری شرعی اور دینی ضرورت: اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کر رہا ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو جامع مسجد میں جمعہ کے لئے جانا درست ہے کیونکہ جمعہ اللہ کے واجب کرنے سے واجب ہوا ہے اور اعتکاف بندے نے اپنے اوپر لازم کیا ہے تو یہ اللہ کے لازم کئے ہوئے کمتر ہے اس لئے جمعہ چھوڑنا جائز نہیں ہے، البتہ اس کی رعایت ضروری ہے کہ صرف اتنی دیر دوسری مسجد میں ٹھہرے کہ تحیۃ المسجد پڑھ لے، سنت ادا کر لے، پھر خطبہ سنے، جمعہ کی دو رکعتیں پڑھے، بعد کی سنتیں ادا کرے اور جلد از جلد اپنی مسجد میں واپس آجائے، تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

(۳) تیسری اضطراری اور حادثاتی ضرورتیں ہیں: مثلاً کوئی شخص جبراً مسجد سے نکال دے، یا اس مسجد میں اپنی جان یا مال کو خطرہ لاحق ہو جائے، یا مسجد منہدم ہونے لگے، تو ان تمام صورتوں میں اِس مسجد کے بجائے دوسری مسجد میں جا کر اعتکاف شروع کر دے اور اس سے اعتکاف میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، البتہ دوسری مسجد میں بلا تاخیر فوراً منتقل ہو جائے۔

اَلْمُعْتَكِفُ يَأْكُلُ الخ: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ معتکف کا کھانا پینا، سونا اور مسجد میں اپنی یا اپنی اولاد کی ضرورت کے لئے نہ کہ تجارت کے لئے خرید و فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ ان کاموں میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو مسجد کے منافی ہو نیز خود نبی اکرم ﷺ حالتِ اعتکاف میں مسجد میں کھانا کھاتے تھے لہٰذا ان کاموں کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ جس چیز کی خرید و فروخت ہو رہی ہے اس کو مسجد میں لانا مکروہ ہے کیونکہ مساجد خالص اللہ کے لئے ہیں ان کو دنیاوی چیزوں کے ساتھ مشغول کرنا مناسب نہیں ہے۔ (در مختار مع رد المحتار، کتاب الاختیار لتعلیل المختار، تسہیل، قاموس وغیرہ)

فائدہ: اعتکاف کے مباحات: درج ذیل کام مسجد میں کرنا مباح یعنی جائز ہیں: (۱) بال کٹوانا بشرطیکہ مسجد میں بال نہ گریں۔ (۲) ضرورت کی بات چیت کرنا۔ (۳) کپڑے بدلنا، خوشبو لگانا، سر میں تیل لگانا، سُرمہ لگانا۔ (۴) مسجد میں کسی مریض کا معائنہ کرنا اور اس کے لئے نسخہ تجویز کرنا۔ (۵) قرآنِ کریم یا دینی علوم کی تعلیم دینا۔ (۶) برتن یا کپڑے دھونا بشرطیکہ خود مسجد میں رہے اور پانی مسجد سے باہر گرے۔ (۷) نکاح پڑھنا یا پڑھوانا۔

مَا يُكْرَهُ لِلْمُعْتَكِفِ؟ ۱۔ يُكْرَهُ لِلْمُعْتَكِفِ أَنْ يَعْقِدَ الْبَيْعَ فِي الْمَسْجِدِ لِلتِّجَارَةِ سَوَاءٌ. أَحْضَرَ الْمَبِيْعَ أَمْ لَمْ يُحْضِرْهُ. ۲۔ يُكْرَهُ لِلْمُعْتَكِفِ إِحْضَارُ الْمَبِيْعِ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْبَيْعِ الَّذِيْ يَعْقِدُهُ لِحَاجَتِهِ أَوْ لِحَاجَةِ عِيَالِهِ۔ ۳۔ يُكْرَهُ الصَّمْتُ إِذَا اعْتَقَدَ الصَّمْتَ قُرْبَةً. أَمَّا إِذَا لَمْ يَعْتَقِدِ الصَّمْتَ قُرْبَةً فَلَا كَرَاهَةَ۔

حلِّ لغات: اَلصَّمْتُ: مصدر ہے باب نصر کا بمعنی خاموش رہنا۔

ترجمہ: اعتکاف کرنے والے کے لئے کونسی باتیں مکروہ ہیں؟ (۱) اعتکاف کرنے والے کے لئے مکروہ ہے یہ بات کہ وہ تجارت کے لئے مسجد میں بیع کا عقد کرے۔ برابر ہے کہ تجارت کے سامان کو مسجد میں حاضر کرے یا نہ کرے۔ (۲) اعتکاف کرنے والے کے لئے مکروہ ہے سودا کو مسجد میں حاضر کرنا اُس خرید و فروخت میں جو اپنی ضرورت کے لئے یا اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے لئے کرے۔ (۳) خاموش رہنا مکروہ ہے جبکہ وہ خاموش رہنے کو عبادت سمجھے، بہر حال جب وہ خاموش رہنے کو عبادت نہ سمجھے تو کوئی کراہت نہیں ہے۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ اعتکاف کے مکروہات بیان فرماتے ہیں: (۱) کبھی انسان خود خرید وفروخت کا محتاج ہوتا ہے تجارت کے لئے نہیں بلکہ اپنی اور اہل وعیال کی ضرورت کے لئے، اور دوسرا کوئی ایسا شخص نہیں پاتا جو اس کی ضرورت کو پورا کر دے لہذا اس ضرورت کے پیشِ نظر معتکف کو خرید وفروخت کی بھی اجازت دی گئی ہے، ہاں مبیع یعنی خرید وفروخت کے سامان کو مسجد میں لانا مکروہ ہے اس لئے کہ مسجد خالص اللہ کے لئے ہے اس میں مبیع وغیرہ لانا اس کو حقوق العباد کے ساتھ مشغول کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔

(۲) تجارتی نقطۂ نظر سے خرید وفروخت مکروہ تحریمی ہے خواہ سامانِ تجارت مسجد میں لائے یا نہ لائے۔

(۳) یعنی معتکف کے لئے عبادت سمجھ کر خاموشی اختیار کرنا بھی مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ خاموشی کا روزہ پہلی شریعتوں میں تھا ہماری شریعت میں نہیں ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کے روزہ سے منع فرمایا ہے، نیز یہ مجوس (آتش پرستوں) کا طریقہ ہے، البتہ اگر خاموشی کو عبادت نہ سمجھا جائے تو پھر مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ صَمَتَ نَجَا" جو خاموش رہا اس نے خلاصی پائی۔ باقی شر اور گناہ اور فضول باتوں سے خاموش رہنا واجب ہے معتکف وغیر معتکف ہر دو کے لئے۔

فائدہ: اسی طرح بلا ضرورت باتیں کرنا، مسجد میں اعتکاف کے لئے اتنی جگہ پر قبضہ جمانا کہ دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہو یہ بھی مکروہ ہے۔

(مراقی الفلاح مع طحطاوی، کتاب الاختیار لتعلیل المختار، البحر الرائق، تسہیل وغیرہ)

آدَابُ الْإِعْتِكَافِ: تُنْدَبُ الْأُمُوْرُ الْآتِيَةُ فِي الْإِعْتِكَافِ: ۱- أَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ إِلَّا بِخَيْرٍ - ۲- أَنْ يَّخْتَارَ لِإِعْتِكَافِهِ أَفْضَلَ الْمَسَاجِدِ وَهُوَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ لِمَنْ أَقَامَ بِمَكَّةَ. ثُمَّ الْمَسْجِدُ النَّبَوِيُّ لِمَنْ أَقَامَ بِالْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَةِ. ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْأَقْصٰى لِمَنْ أَقَامَ بِالْقُدْسِ. ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْجَامِعُ - ۳- أَنْ يَّشْتَغِلَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ. وَالذِّكْرِ الْمَأْثُوْرِ. وَالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. وَالْمُطَالَعَةِ فِي الْكُتُبِ الدِّيْنِيَّةِ۔

حلِّ لغات: اَلْقُدْسُ، بمعنی بَيْتُ الْمَقْدَسِ۔ فِلَسْطِيْن۔ مَأْثُوْرٌ، بمعنی منقول، وہ بات جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے نقل در نقل چلی آ رہی ہو۔

ترجمہ: آنے والے کام اعتکاف میں مسنون ہیں: (۱) صرف بھلائی کی بات کرے۔ (۲) اپنے اعتکاف کے لئے مساجد میں سے بہترین مسجد کا انتخاب کرے اور وہ مسجدِ حرام ہے ان لوگوں کے لئے جو مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں، پھر مسجدِ نبوی ہے ان لوگوں کے لئے جو مدینہ منورہ میں رہتے ہیں، پھر مسجدِ اقصیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو فلسطین میں رہتے ہیں، پھر جامع مسجد۔ (۳) قرآن کی تلاوت، مسنون ذکر، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور دینی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہے۔

تشریح: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ اعتکاف کے متعلق آخری بات یعنی آداب ومستحبات کا ذکر فرماتے ہیں، چنانچہ فرمایا مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہ مُندَرجۂ ذیل تین کام اعتکاف میں مستحب ہیں: (۱) پہلا کام یہ ہے کہ لغو اور لایعنی بات چیت سے بچے اور صرف اچھی گفتگو کرے نیز اعتکاف کے تمام مکروہات سے پرہیز کرے۔

(۲) دوسرا کام یہ ہے کہ اعتکاف کے لئے افضل سے افضل جگہ کا انتخاب کرے، اعتکاف کے لئے سب سے بہترین جگہ مسجدِ حرام (زَادَهُ اللّٰهُ شَرَفًا وَّكَرَامَةً) ہے۔ اس کے بعد مسجدِ نبوی (عَلٰى صَاحِبِهِ أَلْفُ تَحِيَّةٍ وَّسَلَامٍ) ہے۔ اس کے بعد مسجدِ اقصیٰ (أَنْقَذَهُ

اللّٰهُ مِنْ أَيْدِی الْيَهُوْدِ الْغَاصِبِيْنَ الظَّالِمِيْنَ) ہے۔ اس کے بعد اپنے شہر یا گاؤں کی جامع مسجد ہے (جہاں جمعہ ہوتا ہے) اس کے بعد محلّہ کی وہ مسجد ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا یہ کام تو مرد کے لئے مستحب تھا، عورت کے لئے بہترین جگہ گھر کے اندر کی مسجد ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کو عورت اپنی نماز کے لئے متعین کردے۔

صَدَقَةُ الْفِطْرِ۔صَدَقَةُ الْفِطْرِ: هِيَ مَايُخْرِجُهُ الْمُسْلِمُ يَوْمَ الْعِيْدِ مِنْ مَالِهٖ لِلْمُحْتَاجِيْنَ طُهْرَةً لِنَفْسِهٖ، وَجَبْراً لِمَا يَكُوْنُ قَدْ حَدَثَ فِيْ صِيَامِهٖ مِنْ خَلَلٍ مِثْلُ لَغْوِ الْكَلَامِ وَفُحْشِهٖ۔قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: ﴿فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ، وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ﴾ (رواہ ابو داؤد) صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ۔

حلِ لغات: طُهْرَةً: بمعنی پاکی۔ جَبْراً: بمعنی کمی کو پورا کرنا، نقصان کی تلافی کرنا۔ رَفَثٌ: بمعنی گندی گفتگو۔ طُعْمَةٌ: بمعنی خوراک۔

ترجمہ: صدقۂ فطر۔ صدقۂ فطر (کی تعریف) یہ وہ صدقہ ہے جس کو مسلمان عید کے دن اپنے مال سے نکالتا ہے اپنے آپ کو پاک کرنے کے لئے اور اس کوتاہی کی تلافی کرنے کے لئے جو اس کے روزوں میں واقع ہوئی ہے جیسے بے کار اور بُری باتیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو ضروری قرار دیا روزہ دار کو بے کار باتوں سے اور گندی گفتگو سے پاک کرنے کے لئے اور مسکینوں کو خوراک مہیا کرنے کے لئے۔ صدقۂ فطر واجب ہے۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ روزہ اور اعتکاف کے احکام سے فارغ ہوگئے، اب یہاں سے صدقۂ فطر کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔

صَدَقَةُ الْفِطْرِ: هِيَ مَا الخ: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ صدقۂ فطر کی اصطلاحی تعریف ذکر کرتے ہیں۔ روزہ دار کتنا ہی اہتمام کرے روزہ کے دوران کچھ نہ کچھ کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، کھانے پینے اور روزہ توڑنے والی باتوں سے بچنا تو آسان ہوتا ہے لیکن لغو کلام، فضول مصروفیات اور نامناسب گفتگو سے مکمل احتراز نہیں ہوپاتا، اس لئے اس طرح کی کوتاہیوں کی تلافی کے لئے شریعت میں رمضان المبارک کے ختم پر صدقۃ الفطر کے نام سے گویا کہ روزہ کی زکوٰۃ الگ سے واجب قرار دی گئی ہے۔

صدقة الفطر کی لغوی تحقیق: فِطْرٌ، فِطْرَةٌ سے ماخوذ ہے اور فِطْرَةٌ بمعنی نفس اور خِلقت ہے چونکہ یہ صدقہ ہر نفس کی طرف سے دیا جاتا ہے اس لئے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔ صدقۂ فطر میں اضافت ایسی ہے جیسے کسی چیز کی اضافت اپنی شرط کی طرف ہو اور صدقہ سے مراد وہ عطیہ ہے جس سے ثواب مقصود ہوتا ہے۔

صدقۂ فطر کی حکمت: روزہ دار جب رمضان المبارک میں دن کو کھانے پینے سے رُکتا ہے تو اس کو بُھوک اور پیاس کی شدّت محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ عید کے دن فقیر اور مسکین کو کھلاتا ہے مالداری کی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے کہ اللہ نے اس کو آج کے دن کسی کا محتاج نہیں بنایا نیز اس سے فقیر اور مسکین کی ضرورت بھی پوری ہوتی ہے اور وہ اُس احساسِ کمتری سے بھی نکل جاتا ہے جسکو وہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے جبکہ وہ عید کے دن لوگوں کو زینت کے لباس میں اور مختلف قسم کے کھانوں میں دیکھتا ہے۔

پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پیش کی جس سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر واجب ہونے کے دو مقصد ہیں: (۱) روزہ میں کوتاہیوں کی تلافی۔ (۲) امت کے مسکینوں کے لئے عید کے دن رزق کا انتظام، تاکہ وہ بھی اُس دن لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔ اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: "أَغْنُوْهُمْ عَنِ السُّؤَالِ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ" (منہاج المسلم) یعنی اس دن مسکینوں پر اتنا خرچ کرو کہ وہ سوال سے بے نیاز ہو جائیں۔

صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے صدقۂ فطر کا حکم بیان فرمایا ہے کہ صدقۂ فطر واجب ہے فرض نہیں ہے۔ اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا: "أَدُّوْا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ الخ" (یعنی ہر آزاد وغلام کی طرف سے صدقہ ادا کرو) چونکہ "أَدُّوْا" امر کا صیغہ ہے اور حدیث خبرِ واحد ہے اس لئے اس حدیث سے وجوب ہی ثابت ہوگا۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، در مختار مع رد المحتار)

عَلٰى مَنْ تَجِبُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ؟ تَجِبُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَلَى الَّذِيْ تُوْجَدُ فِيْهِ ثَلَاثَةُ شُرُوْطٍ: ١- أَنْ يَّكُوْنَ مُسْلِمًا، فَلَا تَجِبُ عَلَى الْكَافِرِ۔ ٢- أَنْ يَّكُوْنَ حُرًّا، فَلَا تَجِبُ عَلَى الرَّقِيْقِ۔ ٣- أَنْ يَّكُوْنَ مَالِكًا لِنِصَابٍ فَاضِلٍ عَنْ دَيْنِهٖ، وَعَنْ حَوَائِجِهِ الْأَصْلِيَّةِ، وَعَنْ حَوَائِجِ عِيَالِهٖ۔ فَلَا تَجِبُ عَلَى الَّذِيْ لَا يَمْلِكُ نِصَابًا زَائِدًا عَنِ الدَّيْنِ، وَعَنْ حَوَائِجِهِ الْأَصْلِيَّةِ۔

حلّ لغات: رَقِيْقٌ: بمعنی غلام جمع أَرِقَّاء۔ صیغہ واحد مذکر بحث صفت مشبہ از باب ضرب۔ نِصَابٌ: مال کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہو، جمع نُصُبٌ۔ فَاضِلٌ: صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل صحیح از باب نصر بمعنی زائد ہونا۔

ترجمہ: صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟ صدقۂ فطر اُس شخص پر واجب ہوگا جس میں تین شرطیں پائی جائیں: (۱) مسلمان ہونا، لہٰذا کافر پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے۔ (۲) آزاد ہونا، لہٰذا غلام پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے۔ (۳) ایسے نصاب کا مالک ہونا جو اس کے قرض سے اور اپنی ذاتی بنیادی ضرورتوں سے اور اپنے اہل وعیال کی (بنیادی) ضرورتوں سے زائد ہو۔ پس صدقۂ فطر اس شخص پر واجب نہیں ہے جو ایسے نصاب کا ملک نہ ہو جو قرض سے اور اسکی بنیادی ضرورتوں سے زائد ہو۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے صدقۂ فطر کی تعریف کی اور اس کا حکم بیان فرمایا کہ صدقۂ فطر واجب ہے مگر اسکے وجوب کے لئے چند شرطیں ہیں تو اب یہاں سے صدقۂ فطر کی وہ شرطیں اور مزید کچھ احکام بیان فرماتے ہیں۔ صدقۂ فطر سے چار قسم کے مسائل متعلق ہیں: (۱) صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟ (۲) صدقۂ فطر کب واجب ہوتا ہے؟ (۳) صدقۂ فطر کس کی طرف سے واجب ہے؟ (۴) صدقۂ فطر کتنا واجب ہے یعنی صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے؟ چنانچہ مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا مسئلہ بیان کرنا شروع کیا ہے کہ صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟ صدقۂ فطر اس شخص پر واجب ہے جس میں مُندرجۂ ذیل تین شرطیں پائی جائیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان ہو، اس لئے کہ صدقۂ فطر عبادت ہے اور عبادت مسلمان کے ساتھ خاص ہے کافر عبادت کا اہل نہیں ہے لہٰذا کافر کے ادا کرنے سے یہ عبادت نہیں بنے گا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ آزاد ہو اسلئے کہ غلام صدقۂ فطر کا مکلف نہیں کیونکہ اس کی ملکیت میں کچھ نہیں جس سے وہ صدقۂ فطر ادا کرے تو جب وہ خود کسی چیز کا مالک نہیں ہے تو دوسرے کو کیسے مالک بنائے گا کیونکہ صدقۂ فطر میں تو کسی غریب محتاج کو مالک بنانا پڑے گا۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ نصاب کا مالک ہو اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى" یعنی صدقۂ فطر نہیں مگر غنیٰ (مالداری) کی بنیاد پر پھر نصاب یعنی مالداری کی تین قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ نصاب جس میں بڑھنا شرط ہے (بڑھنے کا مطلب کتاب الزکوٰۃ میں تفصیل کے ساتھ آرہا ہے) اس نصاب سے زکوٰۃ متعلق ہے اور باقی وہ سارے احکام جو بڑھنے والے مال سے متعلق ہوتے ہیں، (جن کی تفصیل کتاب الزکوٰۃ میں آئے گی) (۲) دوسرا نصاب وہ ہے جس سے چار احکام متعلق ہو جاتے ہیں: ایک یہ ہے کہ جس کے پاس یہ نصاب ہو تو اسکو کسی سے زکوٰۃ، صدقۂ فطر لینا ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس شخص پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ اس پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ چوتھا یہ ہے کہ اس پر ایسے رشتہ دار جو کمائی کرنے سے عاجز ہیں ان کا خرچہ واجب ہو جاتا ہے (اس کی تفصیل بڑی کتابوں میں ان شاء اللہ آجائے گی۔ (۳) تیسرا نصاب وہ ہے جس کی وجہ سے لوگوں سے سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے جیسا کہ بقولِ بعض علماء کرام کسی کے پاس ایک دن کا کھانا ہو اور بقولِ بعض پچاس درہم ہوں تو سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے۔

فَاضِلٍ الخ پھر وہ نصاب ایسا ہو جو قرض سے اور اپنی اور اہل وعیال کی بنیادی ضرورتوں سے فارغ ہو کیونکہ جو قرض اور ضرورتوں سے زائد نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ مشغول ہو تو یہ نصاب معدوم ہے نہ ہونے کے برابر ہے۔

حوائج اصلیہ کی تشریح: حاجاتِ اصلیہ سے مراد انسانی زندگی کی وہ ضروریات ہیں جن کو اگر پورا نہ کیا جائے تو اسکے ہلاکت میں پڑجانے کا اندیشہ ہو ایسی ضرورتوں کے لئے کام آنے والی اشیاء درج ذیل ہیں: (۱) رہائشی مکان۔ (۲) نان ونفقہ۔ (۳) سردی اور گرمی سے بچاؤ کیلئے بدن کے کپڑے۔ (۴) حفاظت کی غرض سے خریدا ہوا اسلحہ، بندوق، رائفل وغیرہ یہ چیزیں نہ ہوں تو واقعۃً انسان کے ہلاکت میں پڑجانے کا سخت اندیشہ ہوتا ہے اور بعض چیزیں ایسی بھی حاجاتِ اصلیہ میں شامل ہوتی ہیں، جن کا براہِ راست انسانی زندگی کو ہلاکت سے بچانے کے ساتھ تعلق تو نہیں ہوتا مگر اُن کے نہ ہونے کی صورت میں ہلاکت کا کم از کم امکان ضرور رہتا ہے کسی نہ کسی درجہ میں ان سے محروم شخص بھی ہلاک ہی تصوّر کیا جاتا ہے۔ جیسے: (۱) قرض کا ہونا؛ چنانچہ مقروض کے پاس اگرچہ نصاب کے بقدر مال و دولت ہو مگر اسے بھی حاجاتِ اصلیہ میں مشغول شمار کیا جاتا ہے کیونکہ مقروض کو کبھی قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا اور جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے جو ایک طرح سے ہلاکت ہے اور یہ مال اسی ہلاکت سے دفاع کا سبب بن سکتا ہے لہٰذا یہ حاجاتِ اصلیہ میں شامل ہے۔ (۲) آلاتِ صنعت وحرفت جنہیں آدمی اپنے روزگار کے لئے استعمال کرتا ہے۔ (۳) گھر کا سامان جیسے: برتن، فرنیچر وغیرہ جو روزمرہ استعمال میں آتا ہے۔ (۴) سواری جس کے ذریعہ انسان روزگار، علاج معالجہ، اور بہت سی ضروریات میں فائدہ حاصل کرتا ہے۔ (۵) دینی کُتب؛ کیونکہ ان کے نہ ہونے کی صورت میں جہل باقی رہتا ہے جو علماء کے نزدیک ایک قسم کی ہلاکت ہے، کیونکہ علم کے بغیر تو انسان محض چوپایہ ہے۔

وَتَدْخُلُ الْأُمُوْرُ الْاٰتِيَةُ فِي الْحَوَائِجِ الْأَصْلِيَّةِ۔ (الف) مَسْكَنُهٗ۔ (ب) أَثَاثُ بَيْتِهٖ۔ (ج) مَلَابِسُهٗ۔ (د) مَرَاكِبُهٗ۔ (ھ) اَلْاٰلَاتُ الَّتِيْ يَسْتَعِيْنُ بِهَا فِيْ كَسْبِ مَعَاشِهٖ۔ لَا يُشْتَرَطُ لِوُجُوْبِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ أَنْ يَّحُوْلَ الْحَوْلُ الْكَامِلُ عَلَى النِّصَابِ، بَلْ يُشْتَرَطُ لِوُجُوْبِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ أَنْ يَّكُوْنَ مَالِكًا لِلنِّصَابِ يَوْمَ الْعِيْدِ وَقْتَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔ كَذَا لَا يُشْتَرَطُ لِوُجُوْبِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ أَنْ يَّكُوْنَ بَالِغًا أَوْ عَاقِلًا۔ بَلْ تُخْرَجُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ مِنْ مَالِ الصَّبِيِّ، وَالْمَجْنُوْنِ إِذَا كَانَا مَالِكَيْنِ لِلنِّصَابِ۔

حل لغات: أَثَاثٌ؛ گھریلو سامان۔ اَلْاٰلَات؛ جمع ہے اَلْاٰلَةُ کی بمعنی اوزار۔

ترجمہ: مندرجہ ذیل چیزیں بنیادی ضرورتوں میں داخل ہیں: (۱) آدمی کا مکان۔ (۲) اس کے گھر کا سامان۔ (۳) اس کے کپڑے۔ (۴) اس کی سواریاں۔ (۵) وہ آلات واوزار جن کے ذریعہ وہ اپنی روزی کمانے میں مدد لیتا ہے۔ صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے لئے شرط نہیں ہے یہ بات کہ نصاب پر پورا سال گذرے۔ بلکہ صدقۂ فطر کے واجب ہونے کیلئے یہ بات شرط ہے کہ آدمی عید الفطر کے دن طلوعِ صبح صادق کے وقت نصاب کا مالک ہو۔ اسی طرح صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کے لئے شرط نہیں ہے یہ بات کہ آدمی بالغ عاقل ہو بلکہ صدقۃ الفطر بچے اور دیوانہ کے مال میں سے (بھی) نکالا جائے گا جبکہ یہ دونوں نصاب کے مالک ہوں۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تین باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) حوائج اصلیہ کیا ہیں؟ ان کا تذکرہ پہلے ہو گیا۔

فائدہ: سونا، چاندی، مالِ تجارت اور گھر میں روز مرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر اس میں نقد پیسے بھی جمع کئے جائیں ان پانچ چیزوں کا مجموعہ اگر ساڑھے باون تولہ (۶۱۲.۰۳۵ گرام) چاندی کے برابر ہو جائے تو صدقۃ الفطر واجب ہے۔ نیز ریڈیو، ٹیلی ویژن جیسی خرافات انسانی بنیادی ضرورتوں میں داخل نہیں ہیں، اس لئے ان کی قیمت کا بھی حساب کیا جائے گا۔

(۲) دوسری بات لَا يُشْتَرَطُ الخ سے یہ بیان فرمائی ہے کہ جس طرح زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے مال پر پورا سال گذرنا شرط ہے یعنی جو مال بقدرِ نصابِ زکوٰۃ ہو اور حاصل ہو جانے کے بعد ایک سال تک مالک کے پاس رہے تو اس میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، صدقۃ الفطر میں اس طرح نہیں ہے بلکہ عید الفطر کی صبح کو صدقۃ الفطر کے نصاب کے بقدر مال پاس ہونا ضروری ہے۔

(۳) تیسری بات كَذَا لَا يُشْتَرَطُ الخ سے یہ بیان فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر میں ایک اور فرق ہے کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے تو عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے صدقۃ الفطر میں اس طرح نہیں ہے بلکہ اگر کوئی بچہ اور مجنون (پاگل) مالدار ہوں یعنی صدقۃ الفطر کے نصاب کے مالک ہوں جیسے ان کا کوئی رشتہ دار مر گیا اور میراث میں ان کو اتنا مال مل گیا یا کسی اور طریقہ سے ان کے پاس مال آ گیا تو ان کے مال میں سے ان کا ولی صدقۃ الفطر نکالے گا اور اگر کسی نے نہیں نکالا تو بچہ بالغ ہونے کے بعد اور مجنون تندرست ہو جانے کے بعد خود ادا کریں گے۔ (مراقی مع طحطاوی، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، در مختار)

مَتٰى تَجِبُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ؟ تَجِبُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ يَّوْمِ الْعِيْدِ۔ فَمَنْ مَاتَ، أَوْ صَارَ فَقِيْرًا قَبْلَهٗ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ۔ كَذَا مَنْ وُلِدَ أَوْ أَسْلَمَ، أَوْ صَارَ غَنِيًّا بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ۔ يَجُوْزُ أَدَاءُ

صَدَقَةِ الْفِطْرِ مُقَدَّمًا. وَمُؤَخَّرًا۔ وَلٰكِنَّ الْمُسْتَحَبَّ أَنْ يُّخْرِجَهَا قَبْلَ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمُصَلّٰى۔ مَنْ أَ
صَدَقَةَ الْفِطْرِ فِيْ رَمَضَانَ جَازَ. بَلْ يَكُوْنُ مُسْتَحْسَنًا لِيَقْدِرَ الْفَقِيْرُ عَلٰى إِعْدَادِ الثِّيَابِ وَالْحَاجَاتِ الْأُخْ
اللَّازِمَةِ لَهٗ. وَلِعِيَالِهٖ يَوْمَ الْعِيْدِ۔ وَيُكْرَهُ تَأْخِيْرُهَا عَنْ صَلَاةِ الْعِيْدِ إِلَّا إِذَا كَانَ التَّاخِيْرُ لِعُذْرٍ۔

حل لغات: إِعْدَادٌ: مصدر ہے باب افعال کا مضاعف ثلاثی سے بمعنی تیار کرنا۔

ترجمہ: صدقۂ فطر کب واجب ہوتا ہے؟ صدقۂ فطر عید کے دن صبح صادق کے طلوع کے وقت واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص طلو
سے پہلے مر جائے یا تنگ دست ہو جائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو پیدا ہوا یا مسلمان ہوا یا مالدار بن گیا
فجر کے بعد اس پر (بھی) صدقۂ فطر واجب نہیں ہے۔ صدقۂ فطر کی ادائیگی (نمازِ عید سے) پہلے اور (نمازِ عید کے) بعد میں جائز ہے۔
مستحب یہ ہے کہ عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرے۔ جس شخص نے صدقۂ فطر رمضان (ہی) میں ادا کر دیا تو یہ جائز
بلکہ یہ بہتر ہے تا کہ ضرورت مند آدمی عید کے دن کپڑوں کو تیار کرنے پر اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی لازمی ضرورتوں کو پورا کرنے پر
ہو جائے۔ اور صدقۂ فطر کو عید کی نماز سے مؤخر کرنا مکروہ ہے مگر جب کہ تاخیر کسی مجبوری کی وجہ سے ہو۔

تشریح: صدقۂ فطر سے متعلق جو چار باتیں ہیں ان میں سے پہلی بات کہ "صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟" مکمل ہو گئی، اب یہاں
دوسری بات کہ "صدقۂ فطر کب واجب ہوتا ہے؟" اس کو بیان فرماتے ہیں۔

صدقۂ فطر کا وقت: صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا وقت عید الفطر کی صبح صادق ہے؛ لہٰذا جو شخص اِس وقت کو نصاب کے مالک ہو۔
حالت میں پائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہو گا یعنی صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں: (۱) عید کے دن طلو
صادق کے وقت مسلمان ہونے کی حالت میں زندہ ہونا۔ (۲) اُس وقت نصاب کا مالک ہونا۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں یا ان میں سے ایک
تو صدقۂ فطر واجب نہ ہو گا۔ چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی چند صورتیں ذکر کی ہیں:
(۱) کہ جو شخص عید کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے ہی مر گیا، (۲) یا فقیر ہو گیا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے، (۳
طرح اگر کوئی بچہ طلوعِ فجر کے بعد پیدا ہوا، (۴) یا کوئی کافر طلوعِ فجر کے بعد مسلمان ہوا۔ (۵) نیز جو شخص عید کے دن صبح صادق کے
نصاب کا مالک بن گیا تو ان تمام صورتوں میں صدقۂ فطر واجب نہیں ہے کیونکہ ان مذکورہ لوگوں کے حق میں صدقۂ فطر کا جو سبب ہے
الفطر کے دن صبح صادق کے وقت مسلمان ہونے کی حالت میں زندہ ہونا اور نصاب کا مالک ہونا) وہ موجود نہیں ہے۔

يَجُوْزُ أَدَاءُ الخ: یہاں سے صدقۂ فطر کے کچھ جائز اور مستحب اوقات بیان فرماتے ہیں۔ کہ صدقۂ فطر کو عید کی نماز سے پہلے (یہ مُقَدَّ
مطلب ہے) اور عید کی نماز کے بعد (یہ مُؤَخَّرًا کا مطلب ہے) دونوں طرح سے ادا کرنا جائز ہے۔ لیکن افضل اور بہتر یہی ہے کہ نما
پہلے ادا کرے تا کہ فقیر کا دل بھی نماز کے لئے فارغ ہو جائے اور وہ بھی عید کے لئے بر وقت تیاری کر سکے، نیز اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
اور فعل کی تابعداری ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے تھے کہ ہم نمازِ عید سے

صدقۂ فطر ادا کریں، نیز خود آپ ﷺ بھی عید گاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر تقسیم فرمایا کرتے تھے اور فرماتے کہ فقراء کو اِس دن گھروں کا طواف کرنے یعنی چکر لگانے سے بے نیاز کردو۔

مَنْ أَدّٰى صَدَقَةَ الْفِطْرِ فِيْ رَمَضَانَ الخ: یعنی صدقۂ فطر عید کے دن سے پہلے رمضان المبارک میں بھی دینا درست ہے کیونکہ واجب ہونے کا جو سبب ہے وہ موجود ہے اور وہ ایسا سَر (یعنی ذات) ہے جس پر آدمی خرچ کرتا ہے اور جس کا متولی ہوتا ہے۔ البتہ رمضان شریف سے پہلے ادا کرنے میں اختلاف ہے مفتیٰ بہ قول کے مطابق رمضان سے پہلے ادا کرنا درست نہ ہوگا البتہ بعض حضرات کے نزدیک رمضان سے پہلے بھی ادا کرنا جائز ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

تنبیہ: صدقۂ فطر کا جو سبب ہے یعنی ایسا سَر اور ذات جس پر آدمی خرچ کرے اور اس کا متولی ہو اس بات کی پوری وضاحت ان شاء اللہ بڑی کتابوں میں آجائے گی۔

وَيُكْرَهُ تَأْخِيْرُهَا الخ: یعنی اگر لوگوں نے صدقۂ فطر عید کے دن ادا نہ کیا بلکہ مؤخر کر دیا تو ایسا کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اسلئے کہ مقصد یہ تھا کہ غریب بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو جائے اور عید والے دن سوال کرنے سے بچ جائے، ہاں اگر کوئی عذر پیش آیا مثلاً سر دست کوئی فقیر نہ ملا یا مصروفیت یا کسی بیماری کی وجہ سے فقیر کی تلاش نہ کر سکا تو پھر تاخیر مکروہ نہیں ہے لیکن اس تاخیر کی وجہ سے صدقۂ فطر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا بلکہ واجب رہے گا اور ادا کرنا لازمی ہوگا اور جب بھی ادا کیا جائے اس کو ادا ہی کہیں گے یہ قضاء نہیں ہوتا زکوٰۃ کی طرح کیونکہ یہ ایک معقول مالی عبادت ہے بخلاف قربانی کے کہ اگر قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کی تو بعد میں قربانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ قربانی یعنی خون بہانا غیر معقول عبادت ہے جو ایک وقت کے ساتھ خاص ہے۔ (کتاب الاختیار لتعلیل المختار، در مختار مع رد المحتار، مراقی الفلاح مع طحطاوی)

عَمَّنْ يُخْرِجُ صَدَقَةَ الْفِطْرِ؟ يَجِبُ أَنْ يُّخْرِجَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ: ١۔ عَنْ نَفْسِهٖ۔ ٢۔ عَنْ أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ الْفُقَرَاءِ أَمَّا إِذَا كَانُوْا أَغْنِيَاءَ فَتُخْرَجُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ مِنْ مَالِهِمْ۔ لَايَجِبُ عَلَى الرَّجُلِ أَنْ يُّخْرِجَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَنْ زَوْجَتِهٖ، وَلٰكِنْ إِذَا تَبَرَّعَ بِهَا جَازَ۔ كَذَا لَايَجِبُ عَلَى الرَّجُلِ أَنْ يُّخْرِجَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَنْ أَوْلَادِهِ الْكِبَارِ الْفُقَرَاءِ إِذَا كَانُوْا عُقَلَاءَ، وَلٰكِنْ إِذَا تَبَرَّعَ بِهَا جَازَ۔ أَمَّا إِذَا كَانَ أَوْلَادُهُ الْكِبَارُ الْفُقَرَاءُ مَجَانِيْنَ فَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يُّخْرِجَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَنْهُمْ۔

حلِ لغات: تَبَرَّعَ: بمعنی احسان کرنا۔ مَجَانِيْنَ: جمع ہے مَجْنُوْنٌ کی مَجْنُوْنٌ اسم مفعول ہے جَنَّ يَجُنُّ مضاعف ثلاثی سے باب نصر کا بمعنی دیوانہ، پاگل۔

ترجمہ: کس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالا جائے گا؟ واجب ہے یہ کہ صدقۂ فطر نکالے: (۱) اپنی طرف سے۔ (۲) اپنے چھوٹے، غریب بچوں کی طرف سے۔ بہر حال جب وہ مالدار ہوں تو صدقۂ فطر اُن کے مال سے نکالا جائے گا۔ آدمی پر واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر نکالے لیکن جب وہ (شوہر) صدقۂ فطر (کی ادائیگی) کا احسان کرے تو جائز ہے۔ اسی طرح آدمی پر واجب نہیں ہے کہ

وہ اپنی بالغ، محتاج اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر نکالے جبکہ وہ عقلمند ہوں، لیکن جب وہ صدقۂ فطر (کی ادائیگی) کا احسان کرے تو جائز ہے بہر حال جب اس کی بالغ، محتاج اولاد پاگل اور دیوانی ہو تو باپ پر واجب ہے کہ ان کی طرف سے صدقۂ فطر نکالے۔

تشریح: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ صدقۂ فطر سے متعلق چار باتوں میں سے تیسری بات بیان فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر کس کی طرف سے ادا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ فرمایا مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے: کہ صدقۂ فطر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ، غریب اولاد کی طرف سے ادا کرے کیونکہ صدقۂ فطر کا سبب ایسا راس (سر) اور ذات ہے جس پر آدمی کو سرپرستی حاصل ہو اور اس کا متولی اور ذمہ دار ہو اور اس پر خرچ کرتا ہو، چنانچہ انسان اپنی ذات کا اور نابالغ اولاد کا متولی اور ذمہ دار بھی ہوتا ہے اور اپنی ذات اور نابالغ اولاد پر خرچ بھی کرتا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ باپ پر اپنی طرف سے اور نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

اَمَّا اِذَا كَانُوْا الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر کی ادائیگی باپ کے ذمہ اس وقت ہے کہ جب نابالغ اولاد نصاب کی مالک نہ ہو اور اگر وہ بچے خود نصاب کے مالک ہوں مثلاً بچوں کو کسی رشتہ دار کی طرف سے میراث یا ہبہ یا ہدیہ کے طور پر کچھ مال مل گیا جو بقدرِ نصاب ہے تو اب ان کے مال میں سے صدقۂ فطر نکالا جائے گا باپ پر واجب نہیں ہے۔

لَا يَجِبُ عَلَى الرَّجُلِ الخ: بیوی کا صدقۂ فطر شوہر پر، اسی طرح بالغ عاقل اولاد کا صدقۂ فطر باپ کے ذمہ نہیں ہے اگرچہ وہ اس کے اہل وعیال میں داخل ہوں اس لئے کہ شوہر کو بیوی پر سرپرستی اور ولایت حاصل ہے مگر وہ ناقص ہے اس لئے کہ حقوقِ نکاح کے علاوہ میں شوہر کو بیوی پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح باپ کو اپنی بالغ عاقل اولاد پر کوئی ولایت اور سرپرستی حاصل نہیں ہے بلکہ بڑی اولاد خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اپنے نفس کے بارے میں خود مختار ہیں۔ لیکن اگر شوہر نے اپنی طرف سے بطورِ احسان کے بیوی کا صدقۂ فطر ادا کر دیا یا باپ نے اپنی طرف سے بطورِ احسان کے بالغ عاقل اولاد کا صدقۂ فطر ادا کر دیا تو یہ جائز ہے چاہے بیوی اور اولاد سے اجازت لی ہو یا نہ لی ہو۔ کیونکہ اجازت عادۃً ثابت ہے۔

اَمَّا اِذَا كَانَ اَوْلَادُهُ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کم فہم یعنی عقل کے اعتبار سے کمزور یا پاگل اولاد اگرچہ بڑی عمر کے ہوں ان کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرنا باپ کے ذمہ واجب ہے بشرطیکہ باپ صاحبِ نصاب ہو اور اس پاگل اولاد کا اپنا مال نہ ہو لیکن اگر یہ پاگل اولاد خود صاحبِ نصاب ہیں تو پھر باپ کے ذمہ نہیں بلکہ خود ان کے مال سے ادا کیا جائے گا۔

مِقْدَارُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ۔ اَلْاَشْيَاءُ الَّتِيْ وَرَدَ النَّصُّ بِهَا فِيْ ضِمْنِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ اَرْبَعَةٌ: ۱۔ اَلْقَمْحُ۔ ۲۔ الشَّعِيْرُ۔ ۳۔ التَّمْرُ۔ ۴۔ الزَّبِيْبُ۔ فَتُخْرَجُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَنِ الْفَرْدِ الْوَاحِدِ نِصْفَ صَاعٍ مِنَ الْقَمْحِ، اَوْ دَقِيْقِهٖ، اَوْ سَوِيْقِهٖ. اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، اَوْ تَمْرٍ، اَوْ زَبِيْبٍ۔ اَلَّذِيْ يُرِيْدُ اِخْرَاجَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ مِنْ حُبُوْبٍ اُخْرٰى جَازَ لَهٗ ذٰلِكَ. وَعَلَيْهِ اَنْ يُّخْرِجَ مِقْدَارًا يُعَادِلُ قِيْمَةَ نِصْفِ صَاعٍ مِنَ الْقَمْحِ، اَوْ قِيْمَةَ صَاعٍ مِنَ الشَّعِيْرِ۔ وَيَجُوْزُ لَهٗ اَنْ يُّخْرِجَ قِيْمَةَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ فِيْ شَكْلِ النُّقُوْدِ. بَلْ هٰذَا اَفْضَلُ لِاَنَّهٗ اَكْثَرُ نَفْعًا لِلْفُقَرَاءِ۔

حل لغات: اَلْقَمْحُ، گیہوں، گندم۔ اَلشَّعِيْرُ، بمعنی جَو۔ اَلتَّمْرُ، بمعنی خُرما، کھجور۔ اَلزَّبِيْبُ، بمعنی خشک انگور، کشمش۔ دَقِيْقٌ، بمعنی آٹا۔ سَوِيْقٌ، بمعنی ستّو۔ حُبُوْبٌ، بمعنی دانے، اناج۔ (مصباح اللغات)

ترجمہ: صدقۂ فطر کی مقدار۔ وہ چیزیں جن کے متعلق صدقۂ فطر کے سلسلہ میں تصریح اور تعیین آئی ہے وہ چار ہیں: (۱) گیہوں۔ (۲) جَو۔ (۳) کھجور۔ (۴) کشمش۔ چنانچہ ایک شخص کی طرف سے صدقۂ فطر آدھا صاع گندم سے یا گندم کے آٹے سے یا گندم کے ستّو سے نکالا جائے گا۔ یا ایک صاع جَو یا کھجور یا کشمش سے نکالا جائے گا۔ وہ شخص جو صدقۂ فطر دوسرے اناج سے نکالنا چاہتا ہے تو اس کے لئے یہ جائز ہے اور اس پر لازم ہے کہ اِتنی مقدار نکالے جو آدھا صاع گندم کی قیمت یا ایک صاع جَو کی قیمت کے برابر ہو۔ اور اس کے لئے جائز ہے کہ نقد پیسوں کی صورت میں صدقۂ فطر کی قیمت ادا کرے بلکہ یہ بہتر ہے اسلئے کہ اس میں محتاجوں کا زیادہ نفع ہے۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے صدقۂ فطر سے متعلق چار باتوں میں سے چوتھی اور آخری بات بیان فرمائی ہے اور وہ ہے صدقۂ فطر کی شرعی مقدار یعنی اگر کسی شخص پر صدقۂ فطر واجب ہو جائے تو مُندرجۂ ذیل تفصیل کے مطابق صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے۔

اَلْأَشْيَاءُ الَّتِيْ الخ: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روایات میں صدقۂ فطر کے سلسلہ میں جن چیزوں کا نام لیکر ان کی تعیین کی گئی ہے وہ چار ہیں: (۱) گندم۔ (۲) جَو۔ (۳) کھجور۔ (۴) کشمش۔ جیسا کہ دارِ قطنی اور بخاری کی روایت میں ہے مگر چار چیزیں نہیں بلکہ پانچ چیزیں حدیث میں آئی ہیں ان مذکورہ چار کے ساتھ پنیر کا ذکر بھی ہے۔ لہٰذا اگر ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز صدقۂ فطر میں دینے کا ارادہ ہو تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ گندم یا گندم سے بنی ہوئی چیز جیسے گندم کا آٹا یا گندم کا ستّو دینا ہے تو نصفِ صاع دینا ہوگا اور نصفِ صاع کی مقدار موجودہ اوزان کے اعتبار سے ایک کلو ۵۷۴ گرام / ٦۴ ملی گرام بنتی ہے۔ یعنی پونے دو سیر سے آدھی چھٹانک دینا ضروری ہے بلکہ احتیاطاً پورے دو سیر دیدے۔

أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر جو یا جو سے بنی ہوئی چیز مثلاً جَو کا آٹا یا جَو کا ستّو دینا چاہے اسی طرح کھجور یا کشمش دینا چاہے تو گندم سے دوگنی مقدار (ساڑھے تین سیر اور ایک چھٹانک) دینا ضروری ہے۔

اَلَّذِيْ يُرِيْدُ الخ: سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر ان مذکورہ منصوص چار اجناس (جن کا تذکرہ احادیث میں آیا ہے) کے علاوہ دوسری جنس سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہتا ہے (جیسے چنا، لوبیا، دالیں، چاول وغیرہ) تو ان میں وزن کا نہیں بلکہ قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی ان مذکورہ بالا اجناس (گندم، جَو، کھجور، کشمش) میں واجب مقدار کی قیمت لگا کر اتنی قیمت میں جتنی یہ چیزیں (چنا، دالیں، چاول) آتی ہیں وہ دینا ضروری ہے مثلاً نصف صاع گندم یا ایک صاع جَو، کھجور، کشمش کی جو قیمت بازار میں ہوگی اسی کے بقدر چاول وغیرہ لے کر صدقہ کر دیا جائے۔ (اشرف الہدایہ، تفہیم الفقہ)

وَيَجُوْزُ لَهُ الخ: سے یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ ان اجناس کے علاوہ اگر نقد پیسوں کی شکل میں صدقۂ فطر دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ یہ صورت بہتر ہے کیونکہ اس میں فقیر کا زیادہ فائدہ ہے کہ اُس کی جو ضرورت ہوگی وہ پیسوں سے پوری کرلے گا اور یہ ممکن ہے کہ اس کو بجائے گندم، جو وغیرہ کے کپڑوں، جُوتوں اور دوائی کی زیادہ ضرورت ہو۔ پھر نقد پیسے دینے کی صورت میں مذکورہ بالا چار چیزوں کی بازاری قیمت لگا کر اُتنے پیسے دیدے مثلاً دو کلو گندم کی یا ساڑھے تین کلو جَو، کھجور، کشمش کی جو عام بازاری قیمت ہو وہ صدقۂ فطر میں ادا کرے۔

فائدہ: صاحبِ حیثیت لوگوں کے لئے مشورہ: آج کل نصف صاع یعنی پونے دوکلو گندم کے اعتبار سے صدقۂ فطر کی مقدار بہت کم بیٹھتی ہے تقریباً ساٹھ یاستر روپیہ اعلیٰ گندم کے اعتبار سے بنتے ہیں، یہ مقدار بڑے مالداروں کے لئے کوئی حیثیت اور وقعت نہیں رکھتی، اس لئے ایسے لکھ پتی اور کروڑ پتی سرمایہ دار حضرات کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لئے اور فقیر کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کے لئے نصف صاع گندم کی قیمت لگانے کے بجائے ایک صاع (تین کلو ڈیڑھ سو گرام) کھجور یا کشمش کا حساب لگا کر صدقۂ فطر ادا کرلیا کریں۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لے گئے اور وہاں دیکھا کہ گندم کا بازاری بھاؤ سستا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر وسعت فرمائی ہے، اس لئے اگر تم صدقۂ فطر ہر چیز کا ایک صاع نکالو تو زیادہ بہتر رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ حیثیت مالدار لوگوں کو اضافہ کے ساتھ صدقۂ فطر نکالنا چاہیے۔

يَجُوْزُ دَفْعُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَنِ الْفَرْدِ الْوَاحِدِ إِلىٰ مَسَاكِيْنَ۔ كَذَا يَجُوْزُ دَفْعُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَنِ الْجَمَاعَةِ إِلىٰ مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ۔ مَصَارِفُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ هِيَ نَفْسُ مَصَارِفِ الزَّكَاةِ الَّتِيْ وَرَدَ بِهَا النَّصُّ فِي الْاٰيَةِ الْكَرِيْمَةِ ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ . وَالْمَسَاكِيْنِ۔۔۔الخ﴾ وَسَتُذْكَرُ مُفَصَّلَةً فِيْ مَبْحَثِ مَصَارِفِ الزَّكَاةِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالىٰ۔

حلِّ لغات: مَصَارِفُ: جمع ہے مَصْرِفٌ کی صیغۂ جمع بحث اسم ظرف مکان از باب ضرب بمعنی خرچ کرنے کی جگہ، مستحق۔

ترجمہ: ایک آدمی کی طرف سے صدقۂ فطر چند فقیروں کو دینا جائز ہے۔ اسی طرح کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دینا بھی جائز ہے۔ صدقۂ فطر کے مستحقین یہ بعینہ وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مستحقین ہیں جن کے بارے میں قرآن کی آیت مبارکہ میں وضاحت آئی ہے ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ . وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ترجمہ: زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا، اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستے میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (ترجمہ شیخ الہند تفسیر عثمانی) اور عنقریب یہ مصارف ذکر کئے جائیں گے زکوٰۃ کے مستحقین کی بحث میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ دو باتیں بیان فرمانا چاہتے ہیں: (۱) صدقۂ فطر کی ادائیگی کے مختلف طریقے۔ (۲) صدقۂ فطر کے مستحق لوگ کون ہیں؟

يَجُوْزُ دَفْعُ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صدقۂ فطر کی ادائیگی کی مختلف صورتیں ہیں کوئی بھی صورت اختیار کی جائے درست ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ **ایک آدمی کا صدقۂ فطر** ایک ہی مستحق فقیر کو دیا جائے یہی صورت بہتر ہے، جو کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر نہیں کی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ **ایک** آدمی کا صدقۂ فطر تھوڑا تھوڑا کر کے کئی فقیروں کو دیدے تو بھی جائز ہے البتہ یہ کم از کم مکروہ تنزیہی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کئی آدمیوں پر واجب ہونے والا صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دیدے یہ بھی درست ہے یہ دونوں صورتیں کتاب میں موجود ہیں۔

دوسری بات: صدقۂ فطر کے مستحق کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا: کہ صدقۂ فطر کے مستحق بعینہ وہی آٹھ قسم کے لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں اور زکوٰۃ کے مستحق لوگوں کو قرآن نے خود متعین کیا ہے سورۃ توبہ کی آیت ٦٠ پارہ ١٠ میں جن کی پوری تفصیل ان شاء اللہ کتاب الزکوٰۃ میں آجائے گی۔ علماء کرام رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر کے فضائل میں تین باتیں ہیں: (١) روزہ قبول ہو جاتا ہے۔ (٢) کامیابی مل جاتی ہے گناہوں سے پاکی کے ذریعہ۔ (٣) موت کی سختیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ (الفتاویٰ السراجیہ، بہشتی زیور، در مختار مع رد المحتار)

كِتَابُ الزَّكَاةِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ. وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ. وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا. وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا﴾ (المزمل ٢٠) وَقَالَ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ. وَالْفِضَّةَ. وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ. يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ. وَجُنُوْبُهُمْ. وَظُهُوْرُهُمْ. هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبہ ٣٤-٣٥)

ترجمہ: یہ کتاب زکوٰۃ کے احکام کے بیان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قائم رکھو نماز، اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا، اور جو کچھ آگے بھیجوگے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ۔ (ترجمہ شیخ الہند تفسیر عثمانی) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو اُن کو خوشخبری سنادے عذاب دردناک کی۔ جس دن کہ آگ دہکائیں گے اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑھ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب مزہ چکھو اپنے گاڑنے کا۔

مختصر تفسیر: حضرات مفسرین کے نزدیک فرض نماز مراد ہے یعنی جو لیلۃ المعراج میں فرض ہوئی اور فرض نماز کی پابندی کرو قائم کرنے سے مراد نماز کی تمام شرائط وآداب خشوع اور خضوع وقت کی پابندی کا پورا اہتمام ہے اور زکوٰۃ دیتے رہو زکوٰۃ سے فرض زکوٰۃ مراد ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس عنوان سے بیان کیا ہے گویا یہ خرچ کرنے والا اللہ کو قرض دے رہا ہے اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ غنی الاغنیاء ہے اس کو دیا ہوا قرض کبھی ضائع نہیں جا سکتا ضرور وصول ہو گا، اچھی طرح قرض دینے سے مراد یہ ہے کہ پورے اخلاص سے اللہ کے احکام کے موافق خرچ کرنا ہی اسکو اچھی طرح قرض دینا ہے، بندوں کو اگر قرض دیا جائے تو وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ اور چونکہ فرض زکوٰۃ کا حکم پہلے آچکا ہے اس لئے "أَقْرِضُوا اللّٰهَ" میں جس خیرات اور فی سبیل اللہ کے خرچ کرنے کا ذکر ہے اس کو اکثر حضرات مفسرین نے صدقاتِ نافلہ پر محمول کیا ہے جیسے اپنے اقارب واعزہ کو کچھ دینا، مہمان کی مہمانی پر خرچ کرنا علماء وصلحاء کی خدمت کرنا وغیرہ۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا الخ: کا مطلب یہ ہے کہ جو نیک کام یہاں اپنی زندگی میں کروگے اس کو بہتر صورت میں پاؤ گے اور بہت بڑا اجر اس پر ملے گا، یہ مت سمجھو کہ جو نیکی ہم کرتے ہیں یہیں ختم ہو جاتی ہے ایسا نہیں بلکہ وہ سب تم سے آگے اللہ کے ہاں پہنچ رہا ہے جو عین حاجت کے وقت تمہارے کام آئے گا۔

دوسری آیت کی تفسیر: یعنی جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو مگر خدا کے راستہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً زکوٰۃ نہ دیں، اور حقوقِ واجبہ ادا نہ کریں) ان کو عذابِ دردناک کی خوشخبری سنا دیجئے۔

وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ جو لوگ بقدر ضرورت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو باقی ماندہ جمع کیا ہوا مال ان کے حق میں مُضر نہیں ہے حدیثِ پاک میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کَنَزْتُمْ میں داخل نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد جو مال باقی رہ جائے اس کا جمع رکھنا گناہ نہیں ہے۔

یَوْمَ یُحْمٰی پانچویں آیت میں عذاب الیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو یہ **عذاب الیم** اس دن ہو گا جبکہ اِن کے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں، اور پُشتوں کو داغا جائے گا اور ان سے زبانی سزا کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، سو اپنے جمع کئے ہوئے سرمایہ کو چکھو، اس سے معلوم ہوا کہ جزاءِ عمل عین عمل ہے یعنی جیسے عمل ویسے ہی سزا، جو سرمایہ ناجائز طور پر جمع کیا تھا یا اصل سرمایہ تو جائز تھا مگر اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خود وہ سرمایہ ہی ان لوگوں کے لئے عذاب بن گیا۔ اس آیت میں داغ لگانے کے لئے پیشانیوں، پہلوؤں، پُشتوں کا ذکر کیا گیا ہے یا تو اس سے مراد پورا بدن ہے اور یا پھر ان تین چیزوں کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ بخیل آدمی جو اپنا سرمایہ اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرنا چاہتا جب کوئی سائل یا زکوٰۃ کا طلبگار اس کے سامنے آتا ہے تو اس کو دیکھ کر سب سے پہلے اس کی پیشانی پر بل آتے ہیں، پھر اس سے نظر بچانے کے لئے یہ دائیں بائیں مُڑنا چاہتا ہے، اور جب سائل دائیں یا بائیں آکر بھی نہ چھوڑے تو اس کی طرف پُشت کر لیتا ہے، اس لئے پیشانی، پہلو، پُشت اس عذاب کے لئے مخصوص کئے گئے۔ (معارف القرآن، تفسیر عثمانی)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکَاتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ یَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَیْهِ ـ یَعْنِیْ شِدْقَیْهِ ـ ثُمَّ یَقُوْلُ: أَنَا کَنْزُکَ أَنَا مَالُکَ. ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ الاٰیة"﴾ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی مال عطا فرمایا پھر اس نے اس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس مال کو ایسے سانپ کی شکل دی جائے گی جو (زہر کی شدت کے باعث) گنجا ہو گا، اس کے دو سیاہ نقطے ہونگے (جو سانپ کے انتہائی زہریلا ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے) وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، وہ اس شخص کے دونوں باچھوں کو یعنی جبڑوں کو پکڑے گا اور کہے گا میں ہی تیرا خزانہ ہوں میں ہی تیرا مال ہوں، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو (ضروری مواقع میں) اُس چیز (کے خرچ کرنے) میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے۔۔۔ آخر آیت تک"۔

تشریح: بخل کی تعریف: بخل کے شرعی معنی ہیں کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو اس کو خرچ نہ کرے اس لئے بخل حرام ہے اور اس پر دوزخ اور سانپ کی سزا کی وعید ہے۔ اور جن مواقع میں مال خرچ کرنا واجب نہ ہو بلکہ مستحب ہو وہاں مال خرچ نہ کرنا اس حرام بخل میں داخل نہیں البتہ عام معنی کے لحاظ سے وہ بھی بخل ہے جو حرام تو نہیں لیکن خلافِ اولیٰ ضرور ہے۔

نقطوں سے مراد وہ سیاہ نقطے ہیں جو سانپ کی آنکھوں کے اُوپر ہوتے ہیں اور سخت زہریلا ہونے کی علامت ہیں۔

أَلزَّكَاةُ فِي اللُّغَةِ: التَّطْهِيرُ. وَالنَّمَاءُ۔ وَالزَّكَاةُ فِي الشَّرْعِ: ''تَمْلِيكُ مَالٍ مَخْصُوصٍ لِمُسْتَحِقِّهِ بِشَرَائِطَ مَخْصُوصَةٍ''۔ أَلزَّكَاةُ رُكْنٌ هَامٌّ مِنْ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ بِهَا يُقْضٰى عَلَى الْفَقْرِ وَالشَّقَاءِ. وَتَتَوَثَّقُ أَوَاصِرُ الْمَحَبَّةِ. وَالْإِخَاءِ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ وَالْفُقَرَاءِ۔

حل لغات: أَلنَّمَاءُ؛ مصدر ہے نَمٰى يَنْمِي باب ضرب کا ناقص یائی سے بمعنی زیادہ ہونا، بڑھنا۔ هَامٌّ؛ صیغہ اسم فاعل مضاعف ثلاثی از باب نصر بمعنی غمگین کرنا، اہم۔ أَوَاصِرُ؛ جمع ہے آصِرَةٌ کی بمعنی رشتہ داری، تعلق۔ أَلْإِخَاءُ؛ بمعنی بھائی چارہ۔

ترجمہ: زکوٰۃ کی لغوی تعریف: پاک کرنا اور بڑھنا۔ زکوٰۃ کی شرعی تعریف: کسی مخصوص مال کا اس کے مستحق کو مخصوص شرائط کے ساتھ مالک بنانا۔ زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، اسی کے ذریعہ غربت اور محرومی کا خاتمہ کیا جاتا ہے، مالداروں اور غریبوں کے درمیان محبت و بھائی چارگی کے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حسبِ دستور کتاب الزکوٰۃ کا آغاز اللہ کے کلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے کیا تاکہ برکت بھی ہو اور یہ آیات اور احادیث بعد میں آنے والے مضامین کے لئے بطورِ دلیل بھی ہوں۔ مذکورہ بالا آیتوں اور حدیثِ مبارک کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لئے ذکر کیا۔

زکوٰۃ کی اہمیت: اسلام کے تمام احکام اور ہدایات کا خلاصہ دو باتیں ہیں: (۱) خدا کی بندگی۔ (۲) اور بندگانِ خدا کی مدد۔ نماز خدا کے سامنے غلامانہ احترام بجالانا ہے۔ روزہ نفس کی خواہش پر خدا کے حکم کو غالب رکھنے سے عبارت ہے۔ حج اللہ کی شانِ محبوبیت کا اظہار اور بندوں کے اپنے آقا سے محبت کا نشان ہے۔ تو دوسری طرف صدقات اللہ کے بندوں کی مدد اور خلقِ خدا کی اعانت ہے اور دین کے اِسی شعبہ کا سب سے جلی اور اہم عنوان ''زکوٰۃ'' ہے۔ یہ اپنے مال میں اللہ اور اسکے بندوں کے حق کا اعتراف ہے اور نماز کے بعد غالباً سب سے اہم رُکنِ اسلام ہے کہ قرآن میں اکثر مواقع پر نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ زکوٰۃ کی اسی اہمیت کی وجہ سے اسلام سے پہلے جو اسلامی مذاہب گذرے ہیں، اُن میں بھی زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے۔ تورات میں دس فیصد خداوند کے لئے دینے کا حکم آیا ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں ۳۲ مقامات پر صراحۃً زکوٰۃ کا اور ۱۵ مقامات پہ صدقہ کا ذکر آیا ہے جو زکوٰۃ کو بھی شامل ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مکّی زندگی ہی میں ہو چکی تھی، چنانچہ مکّی سورتوں میں بھی زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نبوت کے پانچویں سال حبشہ کی ہجرت فرمائی اور وہاں نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں پیغمبرِ اسلام کی جن تعلیمات کا ذکر کیا اُن میں زکوٰۃ بھی ہے۔ البتہ احکامِ زکوٰۃ کی تکمیل مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوئی اور ۹ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عُمّال

کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ گویا زکوٰۃ فرض تو مکہ مکرمہ میں ہوئی البتہ نفاذ اس کا مدینہ منورہ میں ہوا وہیں پر قواعد وضوابط مرتب کئے گئے۔ نصاب مقرر ہوا، مقدار بتائی گئی، مصارف۔ متعین ہوئے، وصولی زکوٰۃ کے لئے عمّال کا تقرّر ہوا اور زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کا پورا نظام رُوبہ عمل آیا۔

اَلزَّكَاةُ فِي اللُّغَةِ: التَّطْهِيْرُ الخ: قرآن وحدیث سے زکوٰۃ کی اہمیت اور فرضیت ثابت کرنے کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا عبارت میں زکوٰۃ کا لغوی واصطلاحی معنی بیان فرمایا کہ زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے پاک کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" (سورۃ الاعلیٰ:۱۴) بے شک بامراد ہوا وہ شخص جو پاک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً" (مریم:۱۳) یعنی (ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو) رِقّتِ قلبی دی اپنی طرف سے اور نفس کی پاکیزگی۔

زکوٰۃ کی وجۂ تسمیہ: کہ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کیوں کہتے ہیں؟ زکوٰۃ کا نام زکوٰۃ اسلئے رکھا گیا کہ وہ زکوٰۃ دینے والے کو گناہوں اور بالخصوص بخل کی عادتِ رذیلہ سے پاک کرتی ہے، اسی کی طرف باری تعالیٰ کے ارشاد "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا" (توبہ:۱۰۳) میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے تاکہ وہ اُن کو پاک کرے اور اُن کا تزکیہ کرے۔

دوسرا معنی ''نَمَا'' (بڑھنے) کے ہیں، عرب لوگ کہتے ہیں: ''زَكَا الزَّرْعُ'' کھیتی بڑھ گئی اس معنی کے اعتبار سے وجۂ تسمیہ یہ ہوگی کہ زکوٰۃ چونکہ مال کے بڑھنے کا سبب ہے اس لئے اس کا نام زکوٰۃ رکھا گیا اور زکوٰۃ سے مال اس لئے بڑھ جاتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو اللہ دنیا میں اِس کا عوض عطا فرماتے ہیں اور آخرت میں ثواب عطا فرماتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ" (سبا:۳۹) اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اُس کا عوض دیتا ہے (ترجمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

زکوٰۃ کا اصطلاحی معنی: شریعت کی اصطلاح (زبان) میں زکوٰۃ کہتے ہیں: کسی مستحق شخص کو (مراد وہ غریب ہے جو نصاب کا مالک نہ ہو) مخصوص مال کا (چالیسواں حصہ یا جو اس کے قائم مقام ہو یعنی جانوروں کی زکوٰۃ) مخصوص شرائط (جن میں سے بعض کا تعلق زکوٰۃ دینے والے شخص کیساتھ ہے اور بعض کا تعلق مال کے ساتھ ہے) کے ساتھ مالک بنا دینا۔

تنبیہ: مذکورہ تعریف کے ہر ہر جزء مخصوص مال، مستحق شخص، مخصوص شرائط کی تفصیل اپنے اپنے موقع پر آ رہی ہے۔

اَلزَّكٰوةُ رُكْنٌ هَامٌّ: سے زکوٰۃ کی اہمیت اور فوائد ذکر فرماتے ہیں: کہ زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔

شُرُوْطُ فَرْضِيَّةِ الزَّكَاةِ۔ لَا تُفْتَرَضُ الزَّكَاةُ إِلَّا إِذَا تَوَفَّرَتِ الشُّرُوْطُ الْآتِيَةُ: ۱۔ اَلْإِسْلَامُ. فَلَا تُفْتَرَضُ الزَّكَاةُ عَلَى الْكَافِرِ سَوَاءٌ كَانَ أَصْلِيًّا، أَوِ ارْتَدَّ عَنِ الْإِسْلَامِ۔ ۲۔ اَلْحُرِّيَّةُ. فَلَا تُفْتَرَضُ عَلَى الرَّقِيْقِ۔ ۳۔ اَلْبُلُوْغُ. فَلَا تُفْتَرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ۔ ٤۔ اَلْعَقْلُ. فَلَا تُفْتَرَضُ عَلَى الْمَجْنُوْنِ۔

حلِ لغات: اَلْحُرِّيَّةُ: بمعنی آزادی۔ رَقِيْقٌ: بمعنی غلام جمع أَرِقَّاءُ۔

ترجمہ: زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرطیں۔ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے مگر جب آنے والی شرطیں مکمل طور پر پائی جائیں۔ (۱) مسلمان ہونا، لہٰذا کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے خواہ پیدائشی کافر ہو یا اسلام سے پھر گیا ہو۔ (۲) آزاد ہونا، لہٰذا غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ (۳) بالغ ہونا، لہٰذا بچے پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ (۴) عاقل (عقلمند) ہونا، لہٰذا پاگل اور دیوانہ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

تشریح: دوسری عبادات کی طرح زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے بھی شریعت نے کچھ شرطیں مقرر کی ہیں۔ یہ شرطیں بنیادی طور پر دو طرح کی ہیں: (۱) ایک اس شخص سے متعلق ہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہو، (۲) اور دوسری خود اس مال سے متعلق ہیں جس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ چنانچہ کسی شخص پر زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے دونوں قسم کی تمام شرائط کا بیک وقت پایا جانا ضروری ہے، ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی قسم کی شرطیں بیان کرنا شروع فرمایا جو خود اس شخص میں پائی جانی ضروری ہے:

زکوٰۃ ادا کرنے والے سے متعلق شرطیں: اور یہ چار ہیں: (۱) اسلام: مسلمان ہونا۔ فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی کافر اسلام قبول کرلے تو زمانۂ کفر کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ اسی طرح خدانخواستہ کوئی شخص مرتد ہوجائے اور ایک عرصہ کے بعد دوبارہ توبہ کرلے اور مسلمان ہوجائے تو اس صورت میں بھی احناف رحمۃ اللہ علیہم اور فقہاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس پر ارتداد کے زمانہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (۲) آزاد ہونا: یہ شرط اس لئے لگائی ہے کہ زکوٰۃ کی ایک شرط کامل ملکیت ہے یعنی بقدرِ نصاب مال کا بااختیار مالک ہونا اور یہ کامل ملکیت آزادی کے ساتھ ہی ہوسکتی ہے غلامی کیساتھ نہیں کیونکہ غلام تو سرے سے کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا۔ (۳) بالغ ہونا (۴) عاقل ہونا: ان دو شرطوں کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور جو چیز عبادت ہو وہ بغیر اختیار کے ادا نہیں ہوتی کیونکہ عبادت آزمائش کا نام ہے اور آزمائش بغیر اختیار کے نہیں ہوسکتی جبکہ مجنون (جسکا دماغی توازن درست نہ ہو) اور نابالغ میں عقل و دانش نہیں ہے جسکی وجہ سے ان کا اختیار بھی نہیں ہے۔

فائدہ: مجنون یعنی پاگل دیوانہ سے مراد یہ ہے کہ پاگل پن اُس پر مسلسل طاری ہو اور دائمی طور پر پورا سال وہ دیوانہ رہے، لہٰذا اگر عارضی طور پر پاگل ہو گیا یعنی کبھی کبھی جنون کا دورہ پڑتا ہے کبھی افاقہ ہوتا ہے مسلسل ایک سال تک وہ دیوانہ نہیں رہتا تو اُس پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہوگی۔

اگر کوئی شخص بے ہوش ہو مگر اس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال موجود ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے اگرچہ وہ سال بھر بے ہوش رہے۔ (قاموس الفقہ)

٥۔ اَلْمِلْكُ التَّامُّ. وَالْمُرَادُ بِالْمِلْكِ التَّامِّ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَالُ مَمْلُوْكًا فِي الْيَدِ۔ فَلَوْ مَلَكَ شَيْئًا لَمْ يَقْبِضْهُ لَا تُفْتَرَضُ فِيْهِ الزَّكَاةُ كَصُدَاقِ الْمَرْأَةِ قَبْلَ اَنْ تَقْبِضَهُ۔ فَلَا زَكَاةَ عَلَى الْمَرْأَةِ فِيْ صُدَاقِهَا قَبْلَ الْقَبْضِ۔ وَكَذَا لَا زَكَاةَ عَلَى الَّذِيْ قَبَضَ مَالًا وَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ مِلْكًا لَهٗ كَالْمَدْيُوْنِ الَّذِيْ فِيْ يَدِهٖ مَالُ الْغَيْرِ۔ ٦۔ اَنْ يَّبْلُغَ الْمَالُ الْمَمْلُوْكُ نِصَابًا. فَلَا تُفْتَرَضُ الزَّكَاةُ عَلَى الَّذِيْ لَا يَبْلُغُ مَالُهٗ نِصَابًا. وَيَخْتَلِفُ النِّصَابُ بِاخْتِلَافِ

الْمَالِ الَّذِيْ تُخْرَجُ زَكَاتُهُ۔ ۷۔أَنْ يَكُوْنَ الْمَالُ زَائِدًا عَنْ حَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ فَلَا تُفْتَرَضُ الزَّكَاةُ فِيْ دُوْرِ السُّكْنٰى، وَثِيَابِ الْبَدَنِ، وَأَثَاثِ الْمَنْزِلِ، وَدَوَابِّ الرُّكُوْبِ، وَسِلَاحِ الْإِسْتِعْمَالِ۔ كَذَا لَا تُفْتَرَضُ الزَّكَاةُ فِي الْأٰلَاتِ الَّتِيْ يَسْتَعِيْنُ بِهَا فِيْ صَنَاعَتِهٖ۔ وَكَذَا لَا تُفْتَرَضُ الزَّكَاةُ فِيْ كُتُبِ الْعِلْمِ إِذَا لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ، لِأَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ دَاخِلَةٌ فِي الْحَوَائِجِ الْأَصْلِيَّةِ۔

حلِ لغات: صَدَاق؛ قاف کی تینوں حرکتوں کے ساتھ بمعنی مہر جمع أَصْدِقَةٌ، صُدُقٌ۔ نِصَابٌ؛ شریعت کی طرف سے مقرر کردہ مال کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہو جمع نُصُبٌ۔ نصاب کو نصاب اس لئے کہتے ہیں کہ نصاب کا معنی ہے کھڑا کرنا، مقرر کرنا چونکہ شریعت نے بھی مال کی یہ مخصوص مقدار زکوٰۃ کے واجب ہونے کی علامت مقرر کیا ہے اس لئے شریعت میں مقرر کردہ نصاب کو نصاب کہتے ہیں۔ دُوْرٌ؛ جمع ہے دَارٌ کی بمعنی گھر۔ أَثَاثٌ؛ گھریلو سامان۔ دَوَابّ؛ جمع ہے دَابَّةٌ کی بمعنی چوپایہ، سواری کا جانور۔ صَنَاعَةٌ؛ بمعنی پیشہ جمع صَنَائِعُ۔

ترجمہ: (۵) پوری ملکیت کا ہونا، اور پوری ملکیت سے مراد یہ ہے کہ مال اس کے قبضہ میں ہو۔ پس اگر وہ ایسی چیز کا مالک ہوا جس پر اس نے قبضہ نہیں کیا تو اس چیز میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے، جیسا کہ عورت کا مہر اُس پر قبضہ کرنے سے پہلے، لہٰذا عورت پر اس کے مہر میں زکوٰۃ نہیں ہے (مہر پر) قبضہ کرنے سے پہلے۔ اور اسی طرح کوئی زکوٰۃ نہیں ہے اس شخص پر کہ جس نے کسی مال پر قبضہ تو کر لیا لیکن وہ مال اس کی ملکیت نہ ہو جیسا کہ وہ قرضدار شخص جسکے قبضہ میں دوسرے کا مال ہو۔ (۶) مملوک مال کا نصاب تک پہنچنا لہٰذا زکوٰۃ فرض نہیں ہے اس شخص پر جس کا مال نصاب تک نہیں پہنچا۔ اور نصاب بدلتا رہتا ہے اُس مال کے بدلنے کی وجہ سے جس مال کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ (۷) مال کا اس کی بنیادی ضرورت سے زائد ہونا، لہٰذا زکوٰۃ فرض نہیں ہے رہائش کے گھروں میں اور بدن کے کپڑوں میں، اور گھر کے سامان میں اور سواری کے جانوروں میں اور استعمال کے ہتھیار میں۔ اسی طرح زکوٰۃ فرض نہیں ہے اُن اَوزار میں جن سے وہ اپنے کام کاج میں مدد لیتا ہے۔ اور اسی طرح زکوٰۃ فرض نہیں ہے مطالعہ کی کتابوں میں جبکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں اس لئے کہ یہ چیزیں بنیادی ضرورتوں میں داخل ہیں۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کی دوسری قسم کی شرطیں بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق خود اس مال سے ہے جسکی زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور وہ یہ پانچ ہیں: چنانچہ (۵) پانچویں شرط مکمل ملکیت کا پایا جانا، اور مکمل ملکیت کے پائے جانے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں: (۱) کسی چیز کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ وہ چیز اس کے قبضہ میں بھی ہو کہ جب چاہے، جیسا چاہے اس میں تصرف کر سکے۔ لہٰذا اگر کوئی چیز ملکیت میں تو ہے مگر ابھی اس پر مکمل قابض نہیں ہے تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی کیونکہ ملکِ تامّ نہیں ہے۔ مثال: جیسے عورت کا مہر قبضہ کرنے سے پہلے۔ (۲) دوسری بات کسی چیز کا مالک ہونا لہٰذا اگر کوئی چیز صرف قبضے میں ہو لیکن اس کا مالک نہیں ہے تب بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، کیونکہ ملک تامّ نہیں ہے۔ مثال: جیسے قرض پر حاصل شدہ رقم یعنی اگر ایک شخص نے کسی سے قرض لیا اگرچہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ ملکیت دوسرے کی ہے۔ یا جیسے مسلمان کے پاس امانت رکھے ہوئے پیسے، یہ رقم مسلمان کے قبضے میں تو ہے مگر چونکہ اس کی ملکیت نہیں ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

(۶) چھٹی شرط مال کا بقدرِ نصاب ہونا۔ اسلئے کہ آپ ﷺ نے سببِ زکوٰۃ کو مقدار کے ساتھ مقدر کیا ہے۔ وہ اموال جن کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے اُن میں ہر ایک کا نصاب مختلف ہوتا ہے سونے کا اپنا نصاب ہے، چاندی کا اپنا نصاب ہے، مالِ تجارت کا اپنا اور مالِ مویشی کا اپنا نصاب ہے۔ جسکی تفصیل نصاب کے بیان میں آ رہی ہے۔

(۷) ساتویں شرط حاجتِ اصلیہ یعنی بقدرِ نصاب مال کا بنیادی ضرورت سے زائد ہونا۔

حاجتِ اصلیہ کی تشریح: حاجتِ اصلیہ سے مراد انسانی زندگی کی وہ ضرورت ہے جسے اگر پورا نہ کیا جائے تو اسکے ہلاکت میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔ ایسی ضرورت کے لئے کام آنے والی ضروری اور استعمالی اشیاء درج ذیل ہیں: (۱) رہائشی مکان، (۲) سردی اور گرمی سے بچاؤ کیلئے بدن کے کپڑے، (۳) حفاظت کی غرض سے خریدا ہوا اسلحہ، بندوق، رائفل وغیرہ اسی طرح نان نفقہ۔ یہ چیزیں نہ ہوں تو واقعۃً انسان کے ہلاکت میں پڑ جانے کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ اور بعض چیزیں ایسی بھی "حاجتِ اصلیہ" میں شامل ہوتی ہیں، جن کا براہِ راست انسانی زندگی کو ہلاکت سے بچانے میں دخل نہیں ہوتا مگر ان کے نہ ہونے کی صورت میں ہلاکت کا کم از کم امکان ضرور رہتا ہے کسی نہ کسی درجہ میں ان سے محروم شخص بھی ہلاک ہی تصور کیا جاتا ہے۔ جیسے: (۱) گھر کا سامان مثلاً برتن، فرنیچر وغیرہ جو روز مرہ استعمال میں آتا ہے۔ (۲) اسی طرح آلاتِ صنعت و حرفت جن کو آدمی اپنے روزگار کے لئے استعمال کرتا ہے۔ (۳) دینی کتب جو تجارت کے لئے نہ ہوں، کیونکہ دینی کتب کے نہ ہونے کی صورت میں جہل باقی رہتا ہے جو علماء کے نزدیک ایک طرح کی ہلاکت ہے، کیونکہ علم کے بغیر تو انسان محض چوپایہ ہے۔ (۴) سواری جس کے ذریعہ انسان روزگار، علاج اور بہت سی ضروریات میں فائدہ حاصل کرتا ہے اسی طرح زیبائش، و آرائش کا سامان، اور قیمتی برتن وغیرہ اِن مذکورہ بالا تمام اشیاء میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

۸۔ أَنْ يَكُوْنَ الْمَالُ فَارِغًا عَنِ الدَّيْنِ۔ فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يَسْتَغْرِقُ النِّصَابَ. أَوْ يَنْقُصُهُ فَلَا تُفْتَرَضُ عَلَيْهِ الزَّكَاةُ۔ ۹۔ أَنْ يَكُوْنَ الْمَالُ نَامِيًا. سَوَاءٌ كَانَ الْمَالُ نَامِيًا حَقِيْقَةً كَالْأَنْعَامِ. أَوْ كَانَ نَامِيًا تَقْدِيْرًا كَالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ. لِأَنَّهُمَا قُدِّرَا نَامِيَيْنِ سَوَاءٌ كَانَ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ مَضْرُوْبَيْنِ. أَوْ غَيْرَ مَضْرُوْبَيْنِ. أَوْ كَانَا فِيْ شَكْلِ حَلْيٍ. أَوْ اٰنِيَةٍ تُفْتَرَضُ الزَّكَاةُ فِيْهِمَا۔ وَلَا تُفْتَرَضُ الزَّكَاةُ فِي الْجَوَاهِرِ كَاللُّؤْلُؤِ. وَالْيَاقُوْتِ. وَالزَّبَرْجَدِ إِذَا لَمْ تَكُنْ هٰذِهِ الْجَوَاهِرُ لِلتِّجَارَةِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ نَامِيَةً لَا حَقِيْقَةً وَلَا تَقْدِيْرًا۔

حلِ لغات: نَامِيًا؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل ناقص یائی از باب ضرب بمعنی بڑھنے والا، زیادہ ہونے والا۔ مَضْرُوْبَيْنِ؛ صیغہ تثنیہ بحث اسم مفعول صحیح از باب ضرب بمعنی ڈھلے ہوئے، سونے چاندی یا کسی دھات کو زیور یا سکہ بنانے کے لئے پگھلا کر سانچے یا قالب میں ڈالنا، سکہ بنانے کو ڈھالنا کہتے ہیں تو مراد یہ ہے کہ سونا چاندی سکہ کی شکل میں ہوں یا "غَيْرَ مَضْرُوْبَيْنِ" ڈلی اور ٹکڑے کی شکل میں ہوں۔ جَوَاهِرُ؛ جمع ہے جَوْهَرٌ کی بمعنی وہ پتھر جس سے کوئی مفید چیز نکالی جائے۔ حَلْيٌ؛ بمعنی زیور جمع حُلِيٌّ۔ لُؤْلُؤٌ؛ بمعنی موتی جمع لَآلِي۔ يَاقُوْت؛ ایک بیش قیمت پتھر جمع يَوَاقِيْت۔ زَبَرْجَدٌ؛ زُمرُّد کے مشابہ ایک قیمتی پتھر جمع زَبَارِج۔

ترجمہ:(۸)مال کا قرض سے خالی ہونا۔ پس جس شخص پر اتنا قرض ہو جو نصاب کو گھیرے (یعنی نصاب کے بقدر ہو) یا نصاب کو کم کردے (یعنی وہ قرض نصاب سے زیادہ ہو) تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ (۹) مال کا بڑھنے والا ہونا، خواہ مال حقیقۃً بڑھنے والا ہو جیسا کہ چوپائے یا وہ تقدیراً بڑھنے والا ہو جیسا کہ سونا اور چاندی اس لئے کہ ان دونوں کو بڑھنے والا فرض کیا گیا ہے، برابر ہے کہ سونا اور چاندی ڈھالے گئے ہوں یا نہ ڈھالے گئے ہوں، یا وہ دونوں زیور کی صورت میں ہوں یا برتن کی صورت میں ہوں ان دونوں میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اور ہیروں میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے جیسا کہ موتی، یاقوت، زبرجد جبکہ یہ ہیرے تجارت کے لئے نہ ہوں اس لئے کہ یہ بڑھنے والے نہیں ہیں نہ حقیقی طور پر نہ اعتباری طور پر۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اُن شرائط میں سے جو مال سے متعلق ہیں مزید دو شرطیں بیان فرمائی ہیں: چنانچہ (۸) آٹھویں شرط یہ ہے کہ وہ مال قرض سے فارغ ہو، پس اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہو جو نصاب کو محیط ہو یعنی نصاب کے بقدر مال موجود ہے مگر اتنا ہی یا اس سے زیادہ اس پر قرضہ بھی ہے کہ قرض کو ادا کرنے کے بعد مال نہیں بچتا مثلاً ایک لاکھ روپے کی مالیت کا مالک ہے مگر ایک لاکھ یا ایک لاکھ سے زیادہ اس پر قرض بھی ہے تو اب قرض نے نصاب کو گھیرا ہوا ہے۔

أَوْ يَنقُصُهُ: یا وہ قرض نصاب کو کم کرتا ہے یعنی قرض کو ادا کرنے کے بعد مال بچتا ہے مگر نصاب سے کم۔ یہ مطلب ہے قرض کا نصاب کو کم کرنے کا مثلاً ایک لاکھ کی مالیت کا مالک ہے مگر ستر ہزار اس پر قرض بھی ہے جبکہ زکوٰۃ کا نصاب پچاس ہزار ہے تو یہاں اگرچہ قرض نے نصاب کو گھیرا تو نہیں مگر قرض ادا کرنے کے بعد نصاب بھی مکمل نہیں کیونکہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد تیس ہزار بچتا ہے جو نصاب سے کم ہے تو ایسے مقروض پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ کیونکہ مقروض کا مال اسکی حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہے لہٰذا یہ مال کالعدم شمار کیا جائے گا۔

(۹) **نویں شرط** یہ ہے کہ مال "نامی" ہو یعنی بڑھنے والا ہو چونکہ شریعت نے زکوٰۃ انہی اموال میں فرض قرار دی ہے جو اپنی موجودہ حالت میں اس لائق ہوں کہ ان کے ذریعہ معاشی بڑھوتری ہو سکتی ہو اور تجارت یا پرورش کے ذریعہ اضافہ ہو سکے۔ پھر مال کا بڑھنے والا ہونا خواہ حقیقۃً ہو یا تقدیراً حقیقۃً کبھی توالد و تناسل سے ہوتا ہے جیسے جانوروں میں کہ پرورش نسل کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اور کبھی تجارت سے ہوتا ہے جیسے اموالِ تجارت میں اور تقدیراً بڑھنا یہ ہے کہ مال کو بڑھانا ممکن ہو اگر بڑھانا چاہیں جیسے سونا اور چاندی۔

لِأَنَّهُمَا قُدِّرَا الخ: یعنی پیدائشی اور خلقی طور پر سونا اور چاندی تجارت کے لئے مہیا کئے گئے ہیں یعنی اپنی تخلیق ہی کے اعتبار سے مال و دولت کے افزائش کا ایک اہم ذریعہ ہے چنانچہ وہ جس صورت میں بھی ہوں "**مضروبین**" یعنی سونا اور چاندی سے سکہ بنانے کے لئے قالب اور سانچے میں ڈھالے گئے ہوں اور ان کا سکہ بنایا گیا ہو یا "**غیر مضروبین**" ڈھالے نہ گئے ہوں بلکہ سونے چاندی کے ٹکڑے ہوں جو کان سے نکالے گئے ہوں خواہ زیورات کی صورت میں ہوں یا سونے چاندی کے برتن ہوں تمام صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔

وَلَا تُفْتَرَضُ الزَّكَاةُ فِي الْجَوَاهِرِ الخ: شریعت کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ معدنیات میں سوائے سونے اور چاندی کے اور کسی چیز میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ اس اصول کے مطابق ہیرے جواہرات میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ یہ مالِ نامی (بڑھنے والے) نہیں ہیں۔ البتہ اگر انہیں تجارت کی غرض سے خرید اگیا ہو تو پھر زکوٰۃ فرض ہے۔ (الجوھرۃ النیرہ، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، قاموس، تفہیم الفقہ، در مختار مع رد المحتار)

مَتٰی یَجِبُ أَدَاؤُهَا؟ یُشْتَرَطُ لِوُجُوْبِ أَدَاءِ الزَّکَاةِ أَنْ یَحُوْلَ عَلَی النِّصَابِ الْحَوْلُ الْقَمَرِیُّ۔ وَیُرَادُ بِذَالِکَ أَنْ یَکُوْنَ النِّصَابُ کَامِلًا فِیْ طَرَفَیِ الْحَوْلِ، سَوَاءٌ کَانَ بَقِیَ کَامِلًا فِیْ أَثْنَائِهٖ أَمْ لَا۔ فَإِذَا مَلَکَ نِصَابًا کَامِلًا فِیْ أَوَّلِ الْحَوْلِ ثُمَّ بَقِیَ کَامِلًا حَتّٰی حَالَ الْحَوْلُ وَجَبَتْ فِیْهِ الزَّکَاةُ۔ فَإِنْ کَانَ النِّصَابُ کَامِلًا فِیْ أَوَّلِ الْحَوْلِ ثُمَّ نَقَصَ فِیْ أَثْنَاءِ الْحَوْلِ ثُمَّ تَمَّ النِّصَابُ فِیْ آخِرِهٖ وَجَبَتْ فِیْهِ الزَّکَاةُ۔

حلِّ لغات: یَحُوْلُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معلوم اجوف واوی از باب نصر حَوْلٌ سے ہے بمعنی سال کا گذرنا اور پورا ہونا۔ أَثْنَاءٌ، بمعنی دوران، درمیان۔

ترجمہ: زکوٰۃ کی ادائیگی کب واجب ہوتی ہے؟ زکوٰۃ کی ادائیگی کے واجب ہونے کے لئے اس بات کی شرط لگائی جاتی ہے کہ نصاب پر قمری سال گذرے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ سال کے دونوں جانبوں میں نصاب پورا ہو، برابر ہے کہ سال کے دوران نصاب کامل رہے یا نہ رہے۔ پس جب سال کے شروع میں کامل نصاب کا مالک ہوجائے پھر نصاب پورا باقی رہا یہاں تک کہ سال گذر گیا تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔ پس اگر نصاب سال کے شروع میں پورا ہو پھر سال کے درمیان میں کم ہوجائے پھر سال کے آخر میں پورا ہوجائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے وہ شرائط بیان فرمائے جن کی موجودگی میں زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے۔ مگر اب زکوٰۃ کا ادا کرنا کب واجب ہوتا ہے تو مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفصیل بیان فرمائی ہے چنانچہ فرمایا: کہ اگر نصاب کے بقدر مال پر چاند کے حساب سے مکمل ایک سال گذر جائے تو زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب ہوجاتا ہے، فقہی زبان میں اس کو "حَوَلانِ حَوْل" (سال کا گذر جانا) کہتے ہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کسی مال میں زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ اس پر سال گذر جائے۔

وَیُرَادُ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے واجب ہونے کے لئے سال کے شروع اور آخر میں نصاب کا کامل ہونا ضروری ہے درمیان سال میں چاہے نصاب کم ہوجائے، بشرطیکہ درمیان سال میں نصاب بالکل ختم نہ ہوا ہو، مذکورہ بات کی دو مثالیں بنیں گی ایک بَقِیَ کَامِلًا فِیْ أَثْنَائِهٖ کی جسکو بیان کیا ہے فَإِذَا مَلَکَ نِصَابًا کَامِلًا سے دوسری مثال بنے گی اَمْ لَا کی جس کو بیان کیا ہے فَإِنْ کَانَ النِّصَابُ کَامِلًا سے جس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً یکم محرم ۱۴۴۱ھ سے یکم محرم ۱۴۴۲ھ تک پورا سال کامل نصاب موجود ہے درمیان میں کم نہیں ہوا۔

دوسری مثال کی وضاحت: مثلاً کسی شخص کے پاس یکم محرم ۱۴۴۱ھ کو مکمل نصاب موجود ہو، پھر اسی سال ۱۴۴۱ھ رجب کے مہینہ میں اس کے پاس نصاب سے کم مال رہ گیا مگر بالکل ختم نہیں ہوا، پھر یکم محرم ۱۴۴۲ھ کو نصاب مکمل ہوچکا ہے تو چونکہ سال کے آغاز اور اختتام میں مکمل نصاب کا مالک ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

فائدہ: اگر درمیانِ سال نصاب مکمل ختم ہوجائے مثلاً یکم محرم ۱۴۴۱ھ کو نصاب پورا تھا پھر یکم شعبان ۱۴۴۱ھ کو مکمل مال ختم ہوگیا پھر یکم شوال ۱۴۴۱ھ کو نصاب کے بقدر مال کا مالک بن گیا یہاں تک کہ یکم محرم ۱۴۴۲ھ کا مہینہ آگیا تو اس شخص پر اس تاریخ کو زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ

جب درمیانِ سال مالِ نصاب مکمل ختم ہوا تو زکوٰۃ ساقط ہوگئی اب دوبارہ نصاب کا مالک بننے کی تاریخ سے جو کہ یکم شوال ہے سال کا آغاز ہوگا اور آئندہ سال ۱۴۴۲ھ یکم شوال تک اگر نصاب رہا چاہے پورا رہا یا درمیان میں کم بھی ہوگیا بشرطیکہ مکمل ختم نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

مَنْ مَلَکَ نِصَابًا فِیْ أَوَّلِ الْحَوْلِ ثُمَّ اسْتَفَادَ مَالًا مِنْ جِنْسِ ذَالِکَ الْمَالِ فِیْ أَثْنَاءِ الْحَوْلِ ضُمَّ إِلیٰ أَصْلِ الْمَالِ وَتَجِبُ الزَّکَاۃُ فِی الْمَجْمُوْعِ. سَوَاءٌ اِسْتَفَادَ ذَالِکَ الْمَالَ بِتِجَارَۃٍ، أَوْ هِبَۃٍ، أَوْ مِیْرَاثٍ، أَوْ بِطَرِیْقٍ آخَرَ۔

حلِ لغات: هِبَۃٌ: اسم مصدر ہے مثال واوی از باب فتح بمعنی ہبہ کرنا، کسی کو خوش کرنے کے لئے اس کو کوئی چیز دینا۔

ترجمہ: جو شخص سال کے شروع میں نصاب کا مالک بنا، پھر اسی مال کی قسم سے سال کے دوران مزید مال حاصل کیا تو اِس مال کو بھی اصل مال کے ساتھ ملایا جائے گا اور زکوٰۃ پورے مال میں واجب ہوگی، خواہ اس مال کو تجارت کے ذریعہ حاصل کیا ہو یا ہبہ کے ذریعہ یا میراث کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے۔

تشریح: "مالِ مستفاد" کا حکم: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس کسی مال کا ایک نصاب ہے مثلاً چالیس بکریاں ہیں پھر درمیانِ سال میں کچھ مال اور حاصل ہوگیا یعنی اور بکریاں حاصل ہوگئیں تو اب یہ نیا حاصل ہونے والا مال پہلے سے موجود نصاب یعنی بکریوں کی جنس سے ہے لہٰذا اس نئے حاصل شدہ مال کو سابقہ نصاب کے ساتھ ملائینگے اور اصل مال پر سال گذرنے کو اس نئے مال پر سال گذرنا شمار کرینگے لہٰذا اس نئے حاصل ہونے والے مال میں پورا سال گذرے بغیر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ اگر درمیانِ سال نئے حاصل ہونے والے مال کے لئے الگ الگ سال گذرنے کی شرط لگائی جائے تو انتہائی دشوار کام ہے جس کی وجہ سے مالک ایک مصیبت میں مبتلا ہوجائے گا اور اگر مالِ مستفاد یعنی درمیانِ سال میں حاصل ہونے والا مال اصل نصاب کی جنس سے نہ ہو مثلاً سال کے شروع سے اس کے پاس ۴۰ چالیس بکریاں تھیں پھر ان پر سال گذرنے سے پہلے پہلے اس کو سونا یا چاندی یا پیسے مل گئے تو اس کے لئے مستقل حولانِ حول یعنی سال گذرنے کی شرط لگانا مشکل نہیں لہٰذا اس صورت میں حاصل شدہ مال سابقہ نصاب کے ساتھ ضم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر مستقل سال گذرنے کا اعتبار ہوگا۔

مزید وضاحت کیلئے دوسری مثال: کسی شخص کے پاس یکم محرم ۱۴۴۱ھ کو ایک لاکھ روپے کہیں سے حاصل ہوگئے تو چونکہ یہ رقم نصاب کے بقدر ہے لہٰذا اس پر آئندہ یکم محرم ۱۴۴۲ھ کو زکوٰۃ فرض ہوگی (بشرطیکہ اس نصاب پر اس طرح سال گذر جائے کہ درمیان سال میں یہ روپے بالکل ختم نہ ہوں خواہ کسی وقت نصاب سے کم ہوگئے ہوں) اب اسی سال کے دوران مثلاً صفر ۱۴۴۱ھ کے مہینہ میں اس کے والد کے انتقال پر والد کے ترکہ میں سے پچاس ہزار روپے ملا پھر کسی نے رجب کے مہینہ میں پچاس ہزار بطورِ تحفہ کے بھیجدیئے پھر شعبان کے مہینہ میں کاروبار میں نفع ہوا جس میں پچاس ہزار روپے بچا۔ اب اس صورت میں زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ یکم محرم ۱۴۴۱ھ کو ایک لاکھ روپے (جو کہ اصل نصاب ہے) پر سال شروع ہونے کے بعد اگلے سال یکم محرم ۱۴۴۲ھ تک درمیانِ سال جتنا مال اور رقم مختلف طریقوں سے حاصل ہوئی اس کو شریعت کی زبان میں "مالِ مستفاد" کہتے ہیں چنانچہ سال بھر میں جمع ہونے والے مالِ مستفاد کی رقم ڈیڑھ لاکھ روپے ہوگئی جس کو اصل نصاب (جس پر سال شروع ہوا تھا جو ایک لاکھ تھا) کے ساتھ جمع کرکے کل ڈھائی لاکھ کی زکوٰۃ یکم محرم ۱۴۴۲ھ کو ادا کرنا فرض ہے۔ اگرچہ اس

حاصل ہونے والے ڈیڑھ لاکھ پر پورا سال نہیں گذرا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ حاصل ہونے والا مال اصل نصاب کی جنس میں سے ہے کہ وہ بھی روپے تھے اور یہ بھی روپے ہیں۔

مَتٰی یَصِحُّ أَدَاؤُهَا؟ لَا یَصِحُّ أَدَاءُ الزَّكَاةِ إِلَّا إِذَا نَوَى الزَّكَاةَ عِنْدَ دَفْعِ الْمَالِ إِلَى الْفَقِيْرِ. أَوْ نَوَى الزَّكَاةَ عِنْدَ دَفْعِ الْمَالِ إِلَى الْوَكِيْلِ الَّذِيْ يَقُوْمُ بِتَوْزِيْعِهٖ بَيْنَ الْمُسْتَحِقِّيْنَ لِلزَّكَاةِ. أَوْ نَوَى الزَّكَاةَ عِنْدَ عَزْلِ الزَّكَاةِ مِنْ جُمْلَةِ مَالِهٖ۔ إِذَا دَفَعَ الْمَالَ إِلٰى فَقِيْرٍ بِلَا نِيَّةٍ ثُمَّ نَوَى الزَّكَاةَ جَازَ بِشَرْطٍ أَنْ يَّكُوْنَ الْمَالُ بَاقِيًا فِيْ يَدِ الْفَقِيْرِ۔ لَا يُشْتَرَطُ لِصِحَّةِ أَدَاءِ الزَّكَاةِ أَنْ يَّعْلَمَ الْفَقِيْرُ بِأَنَّ الْمَالَ الَّذِيْ أَخَذَهٗ هُوَ مَالُ الزَّكَاةِ۔ لَوْ أَعْطَى الْفَقِيْرَ مَالًا وَقَالَ إِنَّهٗ أَعْطَاهُ هِبَةً. أَوْ قَرْضًا وَنَوٰى بِهِ الزَّكَاةَ صَحَّ أَدَاءُ الزَّكَاةِ۔

حل لغات: وَكِيْلٌ؛ بمعنی نمائندہ جمع وُكَلَاء۔ تَوْزِيْعٌ؛ مصدر ہے باب تفعیل صحیح سے بمعنی تقسیم کرنا۔ يَدُ الْفَقِيْرِ؛ فقیر کا ہاتھ یہاں مراد قبضہ ہے۔

ترجمہ: زکوٰۃ کی ادائیگی کب درست ہے؟ زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہیں مگر اس وقت کہ جب وہ زکوٰۃ کی نیت کرے محتاج کو مال دینے کے وقت، یا اُس نمائندہ کو مال دینے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کرے جو زکوٰۃ کے مستحق لوگوں کے درمیان زکوٰۃ کے مال کو تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہو، یا زکوٰۃ کی نیت کرے اپنے تمام مال میں سے مالِ زکوٰۃ کو علیحدہ کرنے کے وقت۔ جب زکوٰۃ کا مال محتاج کو بغیر نیت کے دیا پھر زکوٰۃ کی نیت کی تو یہ جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ مال محتاج کے قبضہ میں موجود ہو۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے درست ہونے کے لئے اس بات کی شرط نہیں لگائی جاتی کہ محتاج اس بات کو جانتا ہو کہ جو مال اس نے لیا ہے وہ زکوٰۃ کا مال ہے اگر کسی نے محتاج کو کوئی مال دیا اور کہا کہ میں نے اس کو بطورِ ہبہ یا قرض دیا ہے اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کر لی تو زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہے۔

تشریح: زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی شرطیں: زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں: (۱) نیت۔ (۲) تملیک۔ نیت تو اسلئے شرط ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادت کے لئے نیت شرط ہوتی ہے اور عبادت کے لئے نیت اس لئے شرط ہوتی ہے کہ کوئی عبادت بغیر اخلاص کے ادا نہیں ہوتی پس ثابت ہوا کہ عبادت کے لئے نیت ضروری ہے اور زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے۔ رہی یہ بات کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نیت کا وقت کیا ہے تو مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کی نیت کے چار مواقع بیان فرمائے ہیں: (۱) جس وقت زکوٰۃ کا پیسہ کسی غریب محتاج کو پکڑائے تو اس وقت اپنے دل میں اتنا خیال ضرور کرے کہ میں زکوٰۃ دے رہا ہوں اگر یہ نیت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

(۲) کوئی شخص براہِ راست زکوٰۃ کا پیسہ کسی مستحق کو نہیں دینا چاہتا بلکہ اپنے کسی نمائندہ وکیل کے ذریعہ مستحق کو زکوٰۃ کی رقم دینا چاہتا ہے تو اگر اس شخص نے پہلے نیت نہیں کی تو نمائندہ کو رقم دیتے وقت نیت کر لے پھر وکیل (نمائندہ) مستحق کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت کرے یا نہ کرے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(۳) جس وقت زکوٰۃ کی رقم اپنے باقی مال سے الگ کرے تو اس وقت یہ نیت کرے کہ "یہ رقم میں زکوٰۃ کے لئے الگ کر رہا ہوں" پھر مستحق کو دیتے وقت دوبارہ نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا تین موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر نیت کرنا شرط ہے۔

(۴) لیکن اگر کسی بھی موقع پر نیت نہیں کی اور زکوٰۃ کی وہ رقم ابھی تک مستحق شخص کے پاس موجود ہے اس نے خرچ نہیں کی تو اب بھی موقع ہے کہ نیت کر لینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ لیکن اگر فقیر نے خرچ کر ڈالی تو اب نیت کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

لَا يُشْتَرَطُ لِصِحَّةِ أَدَاءِ الزَّكَاةِ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے خود صاحبِ مال یا اس کے وکیل کی نیت کرنا اور جس کو زکوٰۃ دے رہا ہے اس کے مصرفِ زکوٰۃ ہونے کی تحقیق کرنا کافی ہے یہ ظاہر کرنا اور مستحق زکوٰۃ کو یہ معلوم ہونا ضروری نہیں کہ زکوٰۃ دی جا رہی ہے چنانچہ اگر خود تو زکوٰۃ کی نیت کی مگر مستحق کو یہ کہہ کر زکوٰۃ دی کہ یہ میری طرف سے ہدیہ ہے یا عیدی یا تحفہ ہے یا آپ کے لئے قرض ہے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (قاموس الفقہ، طحطاوی)

اَلَّذِیْ تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَالِهٖ وَلَمْ يَنْوِ الزَّكَاةَ سَقَطَ عَنْهُ الزَّكَاةُ۔ إِذَا هَلَكَ بَعْضُ الْمَالِ بَعْدَ تَمَامِ الْحَوْلِ سَقَطَتِ الزَّكَاةُ بِحِسَابِهٖ كَأَنْ كَانَ عِنْدَ أَحَدٍ أَلْفُ دِرْهَمٍ تَجِبُ فِيْهَا ۲۵ دِرْهَمًا وَلٰكِنْ إِذَا هَلَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ بَعْدَ تَمَامِ الْحَوْلِ سَقَطَ مِنَ الزَّكَاةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ۔ مَنْ كَانَ لَهٗ عِنْدَ فَقِيْرٍ دَيْنٌ فَأَبْرَأَ ذِمَّتَهٗ بِنِيَّةِ الزَّكَاةِ لَمْ يَصِحَّ أَدَاءُ الزَّكَاةِ بِدُوْنِ التَّمْلِيْكِ۔

ترجمہ: وہ شخص جو اپنا سارا مال صدقہ کر دے اور زکوٰۃ کی نیت نہ کرے تو اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ جب کچھ مال سال مکمل ہو جانے کے بعد ضائع ہو جائے تو اس کے تناسب سے زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی جیسا کہ کسی کے پاس ایک ہزار درہم ہوں جن میں ۲۵ درہم زکوٰۃ واجب ہے لیکن جب سال پورا ہو جانے کے بعد دو سو درہم ضائع ہو جائیں تو زکوٰۃ میں سے ۵ درہم ساقط ہو جائینگے۔ جس شخص کا کسی فقیر کے پاس قرض ہو اور وہ اپنا قرض زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دے تو زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہیں ہوگی اسلئے کہ مالک بنانا نہیں پایا گیا اور کسی کو مالک بنانے کے بغیر زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہیں ہوتی۔

تشریح: اَلَّذِیْ تَصَدَّقَ الخ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی نے بلا نیتِ زکوٰۃ اپنا پورا مال صدقہ کر دیا تو اس سے زکوٰۃ کا فریضہ ساقط ہو گیا اور زکوٰۃ ادا ہو گئی چونکہ واجب مقدار مال کا ایک جزء (چالیسواں حصہ) ہے اور وہ پورے مال کے ضمن میں متعین ہے نیز اصل شرط عبادت کی نیت کرنا ہے اور نیت بھی یہاں موجود ہے کہ فقیر پر اللہ کی خوشنودی کے لئے صدقہ کرنے کا ارادہ ہے۔ جیسے کوئی شخص رمضان میں صرف روزہ کی نیت کرے خاص طور پر رمضان کی نیت نہ کرے تو بھی رمضان کا فرض روزہ ادا ہو گا۔

إِذَا هَلَكَ بَعْضُ الْمَالِ الخ مذکورہ بالا عبارت میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہونے اور اس مال پر پورا سال گذرنے کے بعد بھی زکوٰۃ ادا نہ کی اور پھر مال ضائع ہو جائے تو اگر سارا مال ضائع ہو گیا مثلاً چوری ہو گیا یا کسی اور طریقہ سے ضائع ہو گیا تب تو سرے سے زکوٰۃ

واجب نہ ہوگی لیکن اگر نصابِ زکوٰۃ کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے تو اسی تناسب سے زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی۔ اس دوسری صورت کی مثال مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے خود کتاب میں دی ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس ہزار روپے ہوں جن میں ۲۵ پچیس روپے زکوٰۃ واجب ہے (کیونکہ ہر چالیس روپے میں ایک روپیہ اور ہر سو میں اڑھائی روپے اور دو سو میں ۵ روپے ہیں تو ہزار میں پچیس روپے زکوٰۃ آئے گی) اب دو سو روپے ضائع ہو گئے تو دو سو روپے کے بقدر زکوٰۃ جو کہ پانچ روپے ہیں وہ ساقط ہو جائینگے اور باقی آٹھ سو روپے کی زکوٰۃ جو بیس روپے ہیں ادا کرنی پڑے گی۔

فائدہ: یہ مذکورہ صورتِ حال تب ہے کہ جب مال خود بخود ضائع ہو جائے لیکن اگر مالِ نصاب پر سال گذرنے کے بعد مالک نے سارا مال یا کچھ مال جان بوجھ کر ضائع کر دیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی بلکہ بدستور باقی رہے گی بعد میں جب بھی مال ملے تو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ (شامی)

مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ فَقِيْرٍ الخ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی دوسری شرط تملیک کو بیان فرماتے ہیں تملیک کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ کو مکمل مالک و قابض بنا کر دینا۔ چنانچہ فرمایا مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے: کہ مقروض کے قرض کو معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس لئے کہ یہاں تملیک نہیں پائی گئی، البتہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ کی رقم دیدے پھر اس کو اپنے قرض میں وصول کرلے۔

(طحطاوی مع مراقی الفلاح، بہشتی زیور)

زَكَاةُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ: تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي الذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ إِذَا بَلَغَا النِّصَابَ۔ نِصَابُ الزَّكَاةِ فِي الذَّهَبِ عِشْرُوْنَ مِثْقَالًا۔ وَنِصَابُ الزَّكَاةِ فِي الْفِضَّةِ مِائَتَا دِرْهَمٍ۔ فَمَنْ مَلَكَ النِّصَابَ مِنَ الذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ يُخْرِجُ مِنْهُمَا رُبُعَ الْعُشْرِ (وَاحِدًا مِنَ الْأَرْبَعِيْنَ) فِي الزَّكَاةِ فَيُخْرِجُ فِيْ عِشْرِيْنَ مِثْقَالًا نِصْفَ مِثْقَالٍ ذَهَبًا۔ وَيُخْرِجُ فِي مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ فِضَّةً۔

حلِ لغات: ذَهَبٌ؛ بمعنی سونا جمع اَذْهَابٌ۔ ذہب کو ذہب اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو بقاء نہیں ہوتی بلکہ یہ ذاہب یعنی جانے والا اور ختم ہونے والا ہوتا ہے کسی فائدہ کو حاصل کرنے کے لئے اس کو خرچ کرنا پڑتا ہے ورنہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ مِثْقَالٌ؛ بمعنی تولنے کا وزن، یا ترازو۔ عرف میں ڈیڑھ درہم کے وزن کو کہتے ہیں۔ عربوں کے قدیم اوزان میں ایک "مثقال" ہے اہلِ حجاز کے نزدیک ایک مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے اور ایک قیراط پانچ "جو" کا، اس طرح ایک مثقال سو "جو" کے برابر ہوا چنانچہ جدید اوزان کے اعتبار سے ایک مثقال یا سو جو کا وزن ۴/ماشہ ۴/رتی ہوتا ہے۔ آجکل کے مروجہ اوزان میں ۴ گرام ۴۷ ملی گرام کا ہے۔ (مصباح، قاموس)

ترجمہ: سونے اور چاندی کی زکوٰۃ۔ سونے اور چاندی میں اُسی وقت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب کہ سونا اور چاندی نصاب کو پہنچ جائیں۔ سونے میں زکوٰۃ کا نصاب بیس مثقال ہے۔ اور چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب دو سو درہم ہے۔ پس جو شخص سونے اور چاندی کے نصاب کا مالک ہو گیا تو وہ ان دونوں میں سے دسویں حصہ کا چوتھائی (چالیس میں سے ایک) حصہ زکوٰۃ میں نکالے۔ چنانچہ بیس مثقال میں آدھا مثقال سونا نکالے گا۔ اور دو سو درہم میں پانچ درہم چاندی نکالے گا۔

تشریح: جب مصنف رحمۃ اللہ علیہ زکوٰۃ کی بنیادی شرائط بیان کرنے سے فارغ ہوگئے۔ تو اب یہاں سے مختلف قسم کے اموال میں زکوٰۃ کی فرضیت کو بیان فرماتے ہیں۔ پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سونے اور چاندی کا حکم باقی اموالِ تجارت سے پہلے اس لئے بیان فرمایا ہے کہ سونا اور چاندی دیگر اموال کی قیمتوں کی معرفت میں اصل ہے۔ چنانچہ فرمایا: کہ اگر کسی شخص کی ملکیت میں صرف اتنا سونا اور چاندی ہو کہ وہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو سونے کا نصاب تولہ کے حساب سے ساڑھے سات تولہ ہو گیا جو موجودہ حساب سے ۸۷.۴۸ گرام بنتا ہے۔ اور چاندی کا نصاب دو سو درہم ہیں جو تولہ کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی ہے اور موجودہ دور کے حساب سے اس کی مقدار ۶۱۲.۳۵ گرام چاندی ہے۔

رُبُعُ الْعُشْرِ سے مراد چالیسواں حصہ ہے اس لئے کہ اس کا ترجمہ دسویں حصہ کا چوتھائی یعنی کسی چیز کے دس حصے کیئے جائیں اور پھر دسویں حصے کے چار حصے کیئے جائیں تو ان چار حصوں میں سے ایک حصہ کل کا چالیسواں بنتا ہے۔ لٰہذا بیس مثقال میں آدھا مثقال سونا زکوٰۃ میں دینا ضروری ہے کیونکہ آدھا مثقال بیس کا چالیسواں ہے کیونکہ بیس کا دسواں حصہ دو ہے اور دو کا چوتھائی آدھا ہے۔ اسی طرح پانچ درہم دو سو کا چالیسواں ہے کیونکہ دو سو کا دسواں حصہ بیس ہے اور بیس کا چوتھائی پانچ ہے۔

فائدہ: سونے اور چاندی میں مطلقاً ہر حالت میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں، سونا چاندی ڈلی اور ٹکڑے کی شکل میں ہوں یا زیورات کی شکل میں، سونے چاندی کے سکے ہوں یا برتن، یا سونے چاندی سے دوپٹہ پر کڑھائی ہوئی ہو، خواہ عورت دوپٹہ پہنتی ہو یا نہ۔ اس لئے کہ سونا اور چاندی اپنی تخلیق ہی کے اعتبار سے مال و دولت کے تبادلہ کا ذریعہ ہے اور افزائش ثروت کا ایک اہم عامل ہے۔ اسی لئے وہ جس صورت میں بھی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ نصاب تک پہنچ جائے۔

أَلذَّهَبُ الْمَغْشُوْشُ فِي حُكْمِ الذَّهَبِ الْخَالِصِ إِذَا كَانَ الذَّهَبُ هُوَ الْغَالِبُ۔ وَالْفِضَّةُ الْمَغْشُوْشَةُ فِي حُكْمِ الْفِضَّةِ إِذَا كَانَتِ الْفِضَّةُ هِيَ الْغَالِبَةُ۔ أَمَّا إِذَا كَانَ الْغَشُّ هُوَ الْغَالِبُ فَالذَّهَبُ الْمَغْشُوْشُ وَالْفِضَّةُ الْمَغْشُوْشَةُ فِي حُكْمِ الْعُرُوْضِ۔ لَا زَكَاةَ فِي مَا زَادَ عَلَى النِّصَابِ حَتّٰى يَبْلُغَ الزَّائِدُ خُمُسَ النِّصَابِ عِنْدَ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيْفَةَ رحمہ اللہ۔ وَقَالَ الْإِمَامَانِ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رحمہما اللہ يَجِبُ رُبُعُ الْعُشْرِ فِي كُلِّ مَا زَادَ عَلَى النِّصَابِ. سَوَاءٌ يَبْلُغُ الزَّائِدُ خُمُسَ النِّصَابِ أَمْ لَا يَبْلُغُ. وَبِقَوْلِهِمَا يُفْتٰى۔

حل لغات: اَلْمَغْشُوْشُ؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول مضاعف ثلاثی از باب نصر بمعنی غیر خالص، کھوٹ ملی ہوئی چیز۔ عُرُوْضٌ؛ جمع ہے عَرْضٌ کی بمعنی سامان، اسباب۔

ترجمہ: ملاوٹ کیا ہوا سونا خالص سونے ہی کے حکم میں ہے جبکہ سونا ہی غالب ہو۔ اور کھوٹ ملی ہوئی چاندی خالص چاندی کے حکم میں ہے جبکہ چاندی ہی غالب ہو بہر حال جب کھوٹ ہی غالب ہو جائے تو کھوٹا سونا اور کھوٹی چاندی سامان کے حکم میں ہوں گے۔ کوئی زکوٰۃ نہیں اس مال میں جو نصاب سے بڑھ جائے یہاں تک کہ یہ زائد مال نصاب کے پانچویں حصہ تک پہنچ جائے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ اور امام

ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے: کہ چالیسواں حصہ واجب ہے ہر اُس مقدار میں جو نصاب سے زائد ہو، خواہ وہ زائد مال نصاب کے پانچویں حصہ تک پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول ہی پر فتویٰ ہے۔

تشریح: یاد رہے کہ چاندی یا سونے کا سکہ کھوٹ کی آمیزش کے بغیر نہیں ڈھالا جاتا کچھ نہ کچھ ملاوٹ ضروری ہوتی ہے اسی طرح سونے چاندی کا زیور بھی بغیر ملاوٹ کے نہیں بنتا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ڈھلے ہوئے سکہ (دینار) میں سونا غالب اور زیادہ ہے اور کھوٹ (دوسری کسی دھات کی) مغلوب ہے تو وہ سکہ سونے کے حکم میں ہوگا اور اس میں سونے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر کھوٹ غالب ہے سونا مغلوب ہے تو یہ سکہ سامان کے حکم میں ہے اور سامان کا حکم آگے آرہا ہے۔ یہی حال چاندی کے سکّے کا بھی ہے۔

فائدہ: اگر خالص سونا اور کھوٹ یا خالص چاندی اور کھوٹ دونوں برابر ہوں تو پھر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی احتیاط اسی میں ہے۔ (قاموس الفقہ، مراقی الفلاح)

لَا زَکَاۃَ الخ۔ نصاب پر اضافہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب چاندی یا سونے کے نصاب میں اتنا اضافہ ہو جو اس کی مجموعی مقدار کے پانچویں حصے تک پہنچ جائے تب اس اضافہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی اس سے کم میں نہیں۔ جبکہ صاحبین حضرات رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: کہ مجموعی مقدار پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی مثلاً دو سو درہم جو کہ چاندی کا نصاب ہے اس کا پانچواں حصہ چالیس درہم ہیں اور بیس مثقال جو کہ سونے کا نصاب ہے اس کا پانچواں حصہ چار مثقال ہیں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب دراہم دو سو سے بڑھ جائیں تو زیادتی میں کچھ واجب نہیں یہاں تک کہ زیادتی کی مقدار چالیس درہم تک پہنچ جائے چنانچہ دو سو درہم میں پانچ درہم واجب ہیں پھر دو سو ایک سے لیکر دو سو انتالیس تک کچھ واجب نہیں جب دو سو چالیس ہو جائیں تو اب ان چالیس درہم کی جو کہ نصاب (دو سو درہم) پر اضافہ ہے اور نصاب (دو سو درہم) کا پانچواں حصہ ہے ان میں ایک درہم واجب ہوگا۔

یہی حال سونے کے نصاب پر زیادتی کا بھی ہے کہ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے جس میں آدھا مثقال واجب ہے پھر جب سونا بیس مثقال سے بڑھ جائے تو اس اضافے میں کچھ واجب نہیں یہاں تک چار مثقال کا اضافہ ہو جائے جو کہ نصاب (بیس مثقال) کا پانچواں حصہ ہے تو ان میں دو قیراط (جو کہ چار مثقال کا چالیسواں حصہ ہے) زکوٰۃ واجب ہوئی۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نصاب پر جتنا بھی اضافہ ہوگا تو اس اضافی مقدار کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اس لئے کہ زکوٰۃ مال کی نعمت پر شکریہ ادا کرنے کے لئے واجب ہوتی ہے اور نصاب پر زیادتی بھی مال ہے اگرچہ خُمس تک نہ پہنچے۔ چنانچہ دو سو درہم پر اگر ایک درہم بھی بڑھ گیا تو پانچ درہم کے علاوہ ایک درہم کا چالیسواں حصہ بھی واجب ہوگا اسی طرح بیس مثقال پر اگر ایک مثقال بھی بڑھ گیا تو زکوٰۃ میں آدھا مثقال اور آدھا قیراط واجب ہوگا کیونکہ بیس مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا مثقال ہے اور ایک مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا قیراط ہے۔ (تسہیل، قاموس، فتاویٰ دار العلوم زکریا، مراقی، در مختار)

مَالِکُ النِّصَابِ بِالْخِیَارِ إِنْ شَاءَ أَخْرَجَ فِي زَکَاةِ الذَّهَبِ. وَالْفِضَّةِ قِطْعَةً مِنَ الذَّهَبِ. وَالْفِضَّةِ بِالْوَزْنِ۔ وَإِنْ شَاءَ حَسَبَ قِیْمَةَ مِقْدَارِ الزَّکَاةِ بِالْعُمْلَةِ الْجَارِیَةِ وَأَخْرَجَهَا فِي شَکْلِ الْعُمْلَةِ الْجَارِیَةِ فِي الْبَلَدِ۔ وَإِنْ شَاءَ دَفَعَ عُرُوْضًا. أَوْ شَیْئًا مَکِیْلًا. أَوْ شَیْئًا مَوْزُوْنًا بِالْقِیْمَةِ عَنْ زَکَاةِ الذَّهَبِ. وَالْفِضَّةِ۔

حلّ لغات: حَسَبَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف صحیح از باب نصر بمعنی شمار کرنا۔ اَلْعُمْلَةُ؛ بمعنی نقدی، سکہ۔

ترجمہ: نصاب کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو سونے اور چاندی کی زکوٰۃ میں سونے اور چاندی کا ٹکڑا وزن کر کے نکالے اور اگر چاہے تو زکوٰۃ کی مقدار کی قیمت کا اندازہ لگائے رائج نقدی کے ساتھ اور زکوٰۃ نکالے شہر میں رائج نقدی کی صورت میں، اور چاہے تو سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کی قیمت کے بقدر کوئی سامان، یا ناپ یا تول سے دی جانے والی کوئی چیز دیدے۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں سونے، چاندی کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کا نصاب جس شخص کے پاس موجود ہو تو اسکو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تین طرح کا اختیار حاصل ہے: (۱) ایک یہ ہے کہ سونے، چاندی کے وزن کا چالیسواں حصہ سونے چاندی کے ٹکڑے کی شکل میں دیدے۔ (۲) دوسرا یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار کے سونے، چاندی کی قیمت روپیہ کی شکل میں دیدے۔ (۳) تیسرا یہ ہے زکوٰۃ کی مقدار کا جو سونا یا چاندی ہے اس کی قیمت سے کوئی بھی چیز کپڑے برتن سامان یا ناپ تول سے دی جانے والی اشیاء جیسے گندم، لوہا وغیرہ خرید کر مستحق زکوٰۃ شخص کو مالک و قابض بنا کر دیدے۔

زَكَاةُ الْعُرُوْضِ۔ مَا سِوَى الذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ، وَالْحَيَوَانِ فَهُوَ عَرَضٌ وَجَمْعُهُ عُرُوْضٌ۔ تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي الْعُرُوْضِ بِالشُّرُوْطِ الْاٰتِيَةِ: ۱۔ أَنْ تَكُوْنَ عِنْدَ مَالِكِ الْعُرُوْضِ نِيَّةٌ لِلتِّجَارَةِ فِيْهَا۔ ۲۔ أَنْ تَبْلُغَ قِيْمَةُ عُرُوْضِ التِّجَارَةِ نِصَابًا مِنَ الذَّهَبِ، أَوِ الْفِضَّةِ۔ اَلتَّاجِرُ الْمُسْلِمُ يَحْسِبُ كُلَّ مَا يَمْلِكُهُ مِنْ سِلَعِ التِّجَارَةِ عِنْدَ تَمَامِ السَّنَةِ التِّجَارِيَّةِ فَإِنْ بَلَغَتْ قِيْمَتُهَا حَسَبَ سِعْرِ السُّوْقِ نِصَابًا أَدّٰى زَكَاتَهَا۔ بِأَنْ يُّخْرِجَ رُبُعَ عُشْرِهَا، وَإِنْ لَمْ تَبْلُغْ قِيْمَةُ السِّلَعِ نِصَابًا مِنَ الذَّهَبِ، أَوِ الْفِضَّةِ فَلَا زَكَاةَ فِيْهَا۔

حلّ لغات: عَرَضٌ؛ بمعنی اسباب، سامان۔ سِلَعٌ؛ بمعنی سامان، سامانِ تجارت۔ جمع ہے سِلْعَةٌ کی۔ سِعْرٌ؛ بمعنی بھاؤ، نرخ۔ جمع أَسْعَارٌ۔

ترجمہ: سامانوں کی زکوٰۃ۔ جو کچھ سونے اور چاندی اور چوپایہ کے علاوہ ہے تو وہ سامان ہے اور عَرَضٌ کی جمع عُرُوْضٌ ہے۔ سامانوں میں آنے والی شرطوں کے ساتھ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ (۱) ایک یہ ہے کہ سامان کے مالک کی سامان میں تجارت کی نیت ہو۔ (۲) دوسری یہ ہے کہ سامانِ تجارت کی قیمت سونے، یا چاندی کے نصاب تک پہنچ جائے۔ مسلمان تاجر اپنے تمام تجارتی سامان کا جس کا وہ مالک ہے تجارتی سال کے پورا ہونے کے وقت حساب کرے گا پس اگر سامان کی قیمت بازار کے نرخ کے مطابق کسی نصاب کو پہنچ جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا اس طور پر کہ اس کے دسویں حصہ کا چوتھائی نکالے، اور اگر سامان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو نہ پہنچے تو اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

تشریح: شریعت نے ہر مال میں زکوٰۃ واجب قرار نہیں دی ہے بلکہ خاص خاص مال ہی ہیں جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) معدنی اشیاء: سونا چاندی، کاغذی نوٹ، رائج الوقت سکے۔ (۲) سامانِ تجارت: کوئی بھی سامان جس کی خرید و فروخت کی جائے۔ (۳) مال مویشی: اونٹ، بھینس، گائے بیل، بکری، گھوڑا وغیرہ۔ زمینی پیداوار: تمام اجناس پھل اور ترکاریاں، اناج اور غلہ جات۔ مذکورہ بالا عبارت میں دوسرے نمبر کے مال یعنی مالِ تجارت کی زکوٰۃ کے مسائل بیان کئے گئے ہیں: چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

حضور ﷺ ہمیں اُن اشیاء کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم فرماتے تھے جو فروخت کرنے کے لئے ہوں۔ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع قرار دیا ہے۔

پھر مالِ تجارت میں بھی زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لئے وہی شرطیں ہیں جو دوسرے اموالِ زکوٰۃ میں ہیں البتہ حدیث میں مالِ تجارت کے نصاب کی تصریح نہیں ملتی۔ اس لئے فقہاء نے سونے چاندی کے نصاب اور اس میں زکوٰۃ کی مقدار کو "مالِ تجارت" کے لئے بھی معیار بنایا ہے، اس لئے کہ سونا اور چاندی ہی سرمایہ کی اصل ہیں اور یہی مال کے لئے تبادلہ کا ذریعہ ہیں۔

مَاسِوَی الذَّھَبِ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سامان کس کو کہتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ سونا، اور چاندی، اور چوپایہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب سامانوں کے حکم میں داخل ہیں جن میں مندرجہ ذیل دو شرطوں کے پائے جانے سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

(۱) سامان والے کی سامان میں تجارت کی نیت ہو۔ اور یہ نیت سامان خریدنے کے وقت کرنا شرط ہے چنانچہ اگر خریدنے کے وقت تجارت کی نیت نہیں کی گئی بلکہ گھریلو ضروریات کے لئے خریدا گیا جیسے پہننے کے لئے کپڑا، گھر میں کھانا پکانے کے لئے آٹا، گھی، چاول خریدا گیا، یا رہائشی مکان تعمیر کرنے کے لئے پلاٹ خریدا گیا بعد میں اس میں تجارت کی نیت کی یعنی تجارت کی نیت سے بیچنے کا ارادہ کیا تو پھر بھی یہ مال مالِ تجارت نہیں بنے گا کیونکہ خریدتے وقت بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن اگر بعد میں نیت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی شروع کردے تو پھر یہ مال مالِ تجارت بن جائے گا اور حاصل شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اور اس کے برعکس اگر کوئی سامان تجارت کی نیت سے خریدا تھا بعد میں تجارت کا ارادہ ترک کر دیا مثلاً کوئی پلاٹ آگے بیچنے کے ارادہ سے خریدا مگر بعد میں اپنی رہائش کے لئے استعمال کرنے کا ارادہ کرلیا تو ایسا سامان بھی مالِ تجارت نہیں رہے گا۔ اور تجارت کا ارادہ چھوڑتے ہی اس کی مالِ تجارت ہونے کی حیثیت ختم ہو جائے گی۔

سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کی (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مالِ تجارت نصاب کے بقدر ہو اور سامانِ تجارت کا نصاب یہ ہے کہ ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی میں سے کسی ایک کی بازاری قیمت کے برابر ہو۔

اَلتَّاجِرُ الْمُسْلِمُ الخ: سے مالِ تجارت میں زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ بتارہے ہیں۔ "اَلسَّنَةُ التِّجَارِيَّةُ" سے مراد تجارتی سال ہے یعنی جب مالِ تجارت کے نصاب پر پورا سال گذر جائے اور "يَحْسِبُ" سے مراد قیمت لگانا ہے تو اب مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ جس دن سے مالِ تجارت کے نصاب کا مالک بنا ہے اس دن سے سال کے پورا ہونے پر کُل مالِ تجارت کی بازاری قیمت لگائی جائے یعنی اس سامانِ تجارت کی بازار میں کیا قیمت بنتی ہے اور پھر اس کُل قیمت کا رُبعِ عُشر یعنی چالیسواں حصہ بالفاظِ دیگر ڈھائی فیصد رقم زکوٰۃ کے مستحق کو دیدی جائے۔

فائدہ: رُبعِ عُشر؛ سے مراد چالیسواں حصہ ہے کیونکہ اس کا ترجمہ ہے کسی چیز کے دسویں حصہ کا چوتھائی جو کہ اس چیز کا چالیسواں بنتا ہے۔

تَقْوِيْمُ السِّلَعِ التِّجَارِيَّةِ يَكُوْنُ عَلٰى أَسَاسِ الْعُمْلَةِ الْجَارِيَةِ فِيْ بَلَدِ التَّاجِرِ. وَلَا يَدْخُلُ فِيْ ذَالِكَ قِيْمَةُ الْأَثَاثِ. وَالْأَجْهِزَةِ الْمَوْجُوْدَةِ فِي الدُّكَّانِ اللَّازِمَةِ لِلتِّجَارَةِ. إِذَا كَانَ يَمْلِكُ أَرْضًا. أَوْ عَقَارًا. أَوْ حَيَوَانًا ثُمَّ نَوٰى فِيْهِ التِّجَارَةَ بَدَأَتْ سَنَةُ الزَّكَاةِ مِنَ الْوَقْتِ الَّذِيْ يَبْدَأُ فِيْهِ بِالتِّجَارَةِ فِعْلًا.

حل لغات: تَقْوِيْمٌ؛ مصدر ہے باب تفعیل کا بمعنی سامان وغیرہ کی قیمت لگانا۔ أَسَاسٌ؛ بمعنی بنیاد۔ اَلْعُمْلَةُ؛ بمعنی سکہ، نقدی۔ اَلْجَارِيَة؛ بمعنی رائج۔ اَلْعُمْلَةُ الْجَارِيَة سے مراد رائج الوقت سکہ، روپیہ۔ أَثَاثٌ؛ بمعنی سامان۔ اَلْأَجْهِزَةُ؛ بمعنی گھر کا ضروری سامان جمع ہے جِهَازٌ کی۔ اَلْعَقَارُ؛ بمعنی جائیداد۔

ترجمہ: تجارتی سامان کی قیمت لگانا تاجر کے شہر میں رائج سکہ کی بنیاد پر ہوگا اور اس قیمت لگانے میں دوکان میں موجود سامان اور فرنیچر جو تجارت کے لئے ضروری ہے شامل نہ ہوگا۔ جب کوئی شخص کسی زمین یا جائیداد یا مویشی کا مالک بنے، پھر اُس نے ان چیزوں میں تجارت کی نیت کرلی تو زکوٰۃ کا سال اُس وقت سے شروع ہوگا جس وقت میں وہ عملی طور پر تجارت شروع کرے۔

تشریح: سامانِ تجارت میں زکوٰۃ دینے کا مسئلہ جاری ہے گذشتہ مسئلہ میں یہ فرمایا تھا کہ سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس سامان کی قیمت سونے کے نصاب کو پہنچ جائے یا چاندی کے نصاب کو، لیکن اب سوال یہ ہے کہ قیمت کا اندازہ چاندی یعنی دراہم کے ساتھ کیا جائے گا یا سونے یعنی دنانیر کے ساتھ تو اس کے بارے میں مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سامانِ تجارت کا نصاب معلوم کرنے کے لئے سامان کی قیمت جو لگائی جائے گی تو وہ اُس کرنسی اور سکہ کی بنیاد پر لگائی جائے گی جس کا تاجر کے شہر میں رواج ہو اگر وہاں سونے کا سکہ یعنی دینار رائج ہے تو سونے کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی اور اگر چاندی کا سکہ یعنی درہم رائج ہو اور اس کا چلن زیادہ ہو تو اس کے ساتھ اندازہ کیا جائے گا۔

وَلَا يَدْخُلُ الخ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مالِ تجارت میں خود دوکان کی قیمت، اور اس میں موجود فرنیچر کی قیمت اسی طرح کارخانہ میں مشینری کی قیمت کو شمار نہیں کیا جائے گا وجہ ظاہر ہے کہ خود دوکان اور فرنیچر اور فیکٹری کی مشین وغیرہ سامان آگے بیچنے اور تجارت کرنے کی نیت سے نہیں خریدا گیا ہے کیونکہ یہ تو روزگار کے آلات ہیں تو یہ "حاجتِ اصلیہ" میں شامل ہونگے اور زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے مال کا حاجتِ اصلیہ سے زائد ہونا ضروری ہے۔ (تفہیم الفقہ، در مختار مع رد المحتار)

زَكَاةُ الدَّيْنِ۔ اَلدَّيْنُ بِالنِّسْبَةِ لِأَدَاءِ الزَّكَاةِ يَنْقَسِمُ إِلٰى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ: ١۔ دَيْنٌ قَوِيٌّ۔ ٢۔ دَيْنٌ مُتَوَسِّطٌ۔ ٣۔ دَيْنٌ ضَعِيفٌ۔ ١۔ اَلدَّيْنُ الْقَوِيُّ: هُوَ بَدَلُ الْقَرْضِ، وَبَدَلُ مَالِ التِّجَارَةِ إِذَا كَانَ الْمَدْيُوْنُ مُعْتَرِفًا بِالدَّيْنِ وَلَوْ كَانَ مُفْلِسًا۔ كَذَا إِذَا كَانَ الْمَدْيُوْنُ جَاحِدًا وَلٰكِنَّ الدَّائِنَ يَقْدِرُ عَلٰى إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ عَلَى الْمَدْيُوْنِ الْجَاحِدِ۔ فَإِذَا كَانَ الدَّيْنُ قَوِيًّا وَجَبَ عَلَى الدَّائِنِ أَنْ يُّخْرِجَ زَكَاةَ الدَّيْنِ إِذَا قَبَضَ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا۔ فَكُلَّمَا قَبَضَ أَرْبَعِيْنَ أَخْرَجَ دِرْهَمًا وَاحِدًا فِي الزَّكَاةِ۔

حل لغات: مُعْتَرِفًا؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل صحیح از باب افتعال بمعنی اعتراف کرنے والا، ماننے والا۔ دَائِنٌ؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل اجوف یائی از باب ضرب بمعنی قرض دینے والا۔

ترجمہ: قرض کی زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لحاظ سے قرض تین قسموں کی طرف منقسم ہوتا ہے: (۱) قوی قرض۔ (۲) درمیانی قرض۔ (۳) کمزور قرض۔ (۱) قوی قرض: یہ قرض اور تجارتی مال کا بدل ہے۔ جبکہ مقروض قرض کو تسلیم کرے اگرچہ وہ دیوالیہ ہو گیا ہو۔ اسی طرح

جب قرض دار قرض کا انکار کرنے والا ہو لیکن قرض خواہ انکار کرنے والے مقروض پر دلیل پیش کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ پس جب قرض قوی ہو تو قرض دینے والے پر واجب ہے یہ کہ وہ قرض کی زکوٰۃ نکالے جبکہ وہ چالیس درہم پر قبضہ کرلے، پس جب کبھی بھی چالیس درہم پر قبضہ کرے گا تو ایک درہم زکوٰۃ میں نکالے گا۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ قرض کی صورت میں زکوٰۃ کے احکامات بیان فرماتے ہیں: چنانچہ قرض کی دو صورتیں ہیں: (۱) خود مالدار آدمی پر قرض ہو یعنی اس نے دوسروں کا قرض ادا کرنا ہے، ایسے شخص کے پاس نصاب کے بقدر کسی قسم کا مال ہے لیکن اُس پر اتنا قرض بھی ہے کہ اگر وہ قرض ادا کرلے تو بقیہ مال نصاب سے کم رِہ جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ کیونکہ حضرات فقہاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قرض "حاجتِ اصلیہ" میں شامل ہے جبکہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے مال کا "حاجتِ اصلیہ" سے زائد ہو کر نصاب کے بقدر ہونا ضروری ہے (یہ بات یعنی حاجتِ اصلیہ کی تعریف اور اُس سے متعلق ضروری تفصیل زکوٰۃ کے فرض ہونے کے بیان میں گذر چکی ہے) (۲) کسی شخص کا دوسرے لوگوں پر قرض ہو جو اُس نے اُن سے وصول کرنا ہے۔

قرض کس کو کہتے ہیں؟ قرض سے مراد ہر وہ چیز ہے جو کسی کے ذمہ واجب ہو خواہ وہ کسی بھی وجہ سے ہو، پھر وہ واجب ہونے والی چیز رقم ہو، یا کوئی سامان یا کوئی اور چیز، فقہ کی زبان میں ایسی چیز کو "دَیْنٌ" کہتے ہیں۔ اُردو میں اس کو قرض کہدیتے ہیں۔

اب ایسا دَین اور قرض جو دوسروں کے ذمہ ہے اُس میں زکوٰۃ کا حکم کیا ہے؟ اِس بات کو سمجھنے کیلئے پہلے دَین کی اقسام سمجھنا ضروری ہے۔ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بنیادی طور پر دین کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ کہ جس کے وصول ہونے کی توقع، اور امید ہو۔ (۲) دوسرے وہ کہ جس کے وصول ہونے کی کوئی توقع اور امید نہ ہو۔ جس دَین کے وصول ہونے کی امید نہ ہو، اگر اتفاق سے وہ وصول ہو جائے تو اس میں گذرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ دین وصول ہونے کے بعد ایک سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "لَا زَكٰوةَ فِي الضِّمَارِ" مالِ ضِمار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ضِمار سے مراد وہ مال ہے جس کی واپسی کی امید نہ ہو۔ پھر دَین کے ناقابلِ وصول ہونے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جن کو "زَكَاةُ مَالِ الضِّمَار" کے عنوان کے تحت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

(۲) دوسری قسم دَین کی وہ ہے جس کے وصول ہونے کی امید اور توقع ہو اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) دینِ قوی، (۲) دینِ متوسط، (۳) دینِ ضعیف۔

(۱) **دینِ قوی کی تعریف:** دَینِ قوی وہ دَین ہے جو بطور قرض دیا گیا ہو، یا سامانِ تجارت کی قیمت ہو اور مدیون معاشی اعتبار سے دَین ادا کرنے کے لائق ہو، اور اپنے ذمہ واجب الاداء دَین کا اقرار بھی کرتا ہو اگرچہ فی الحال وہ دیوالیہ ہو۔ یا مقروض تو قرض کا انکار کر رہا ہے لیکن قرض خواہ اس مدیون کے خلاف دلیل پیش کر کے اپنا قرض ثابت کر سکتا ہو۔

پہلے کی مثال: زید نے خالد کو ایک ہزار روپیہ بطورِ قرض دیا جو ایک ماہ کے بعد اُسے وصول کرنا ہے تو اِس کو یوں کہیں گے کہ زید کا خالد پر دینِ قوی ہے۔

دوسرے کی مثال: زید کی کپڑے کی دوکان ہے اس نے ایک مہینہ کے ادھار پر خالد کو دس جوڑے کپڑوں کے دیئے جن کی قیمت دس ہزار روپے ہیں تو اب یوں کہا جائے گا کہ زید کا خالد پر دس ہزار دین قوی ہے۔

دین قوی پر زکوۃ کا حکم: اِس قسم کے دَین پر تمام ائمہ کے نزدیک زکوۃ فرض ہو جاتی ہے، تاہم اس زکوۃ کا ادا کرنا اُس وقت فرض ہوتا ہے جب وہ دَین مکمل وصول ہو جائے یا کم از کم نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو اس پانچویں حصہ کے بقدر زکوۃ ادا کرنی ہو گی۔ مثلاً اگر وہ قرض دراہم ہیں تو دراہم کا نصاب دو سو درہم ہے اور دو سو درہم کا پانچواں حصہ چالیس دراہم ہیں یا اگر وہ قرض پیسے ہیں تو کم از کم ساڑھے دس تولہ چاندی کے برابر جب رقم وصول ہو جائے تو اس رقم کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دیا جائے گا اس لئے کہ نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور ساڑھے باون تولہ کا پانچواں حصہ ساڑھے دس تولہ چاندی ہے۔

لَا يَجِبُ عَلَيْهِ إِخْرَاجُ شَيْئٍ إِذَا قَبَضَ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ ﷺ۔ وَقَالَ الْإِمَامِ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ ﷺ تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي الْمَقْبُوْضِ مِنَ الدَّيْنِ قَلِيْلًا كَانَ أَوْ كَثِيْرًا۔ يُعْتَبَرُ حَوْلَانُ الْحَوْلِ فِي الدَّيْنِ الْقَوِيِّ مِنَ الْوَقْتِ الَّذِيْ مَلَكَ النِّصَابَ. لَا مِنَ الْوَقْتِ الَّذِيْ قَبَضَ فِيْهِ الدَّيْنَ فَتَجِبُ الزَّكَاةُ عَنِ الْأَعْوَامِ الْمَاضِيَةِ. وَلٰكِنْ لَا يَلْزَمُهُ الْأَدَاءُ إِلَّا بَعْدَ الْقَبْضِ۔

حلّ لغات: اَلْأَعْوَام: جمع ہے عَامٌ کی بمعنی سال۔

ترجمہ: جب چالیس درہم سے کم پر قبضہ کرے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کسی چیز کا نکالنا واجب نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے کہ قرض میں سے جتنے پر قبضہ ہو جائے اس میں زکوۃ واجب ہے چاہے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ دین قوی میں سال گذرنے کا اعتبار اُس وقت سے ہو گا جس وقت سے وہ نصاب کا مالک بنا ہے۔ نہ کہ اُس وقت سے جس میں قرض پر قبضہ کیا ہے چنانچہ گذرے ہوئے سالوں کی زکوۃ واجب ہو گی۔ لیکن ادائیگی اُس پر قبضہ کے بعد ہی لازم ہو گی۔

تشریح: دینِ قوی میں زکوۃ کی ادائیگی کا مسئلہ چل رہا ہے۔ جس کے بارے میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب چالیس درہم وصول ہو جائیں تو ان میں ایک درہم کی زکوۃ واجب ہو گی یعنی جب قرض کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو اس پانچوے حصہ کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا ہو گا۔ اب مذکورہ بالا عبارت میں یہ بات بیان فرما رہے ہیں کہ چالیس درہم سے کم یعنی دینِ قوی کے پانچویں حصہ سے کم اگر وصول ہو جائے تو اس میں حضرات ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا کیا مسلک ہے؟، تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ چالیس درہم بالفاظ دیگر پانچویں حصہ سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہے جبکہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: کہ نہیں بلکہ دینِ قوی میں سے جتنا بھی وصول ہو جائے تو اس کے حساب سے زکوۃ بھی واجب ہو گی خواہ وہ وصول ہونے والا قرض تھوڑا ہو یا زیادہ۔

يُعْتَبَرُ حَوْلَانُ الْحَوْلِ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چونکہ کسی نصاب میں زکوۃ سال گذرنے کے بعد ہی فرض ہوتی ہے تو یہاں دینِ قوی میں زکوۃ کی فرضیت کیلئے سال کے گذرنے کا اعتبار کس وقت سے ہو گا؟ تو فرمایا مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جس دن سے یہ شخص اس نصاب کا مالک بنا ہے اس دن سے سال شروع ہو گا، اُس وقت سے نہیں جب سے اس نے اپنے قرضہ پر قبضہ کیا ہے البتہ زکوۃ کی ادائیگی اس وقت لازم

ہوگی جب قرض کو وصول کر کے قبضہ کرے۔ مثلاً ایک شخص یکم محرم ۱۴۴۱ھ کو ایک لاکھ روپے کا مالک بن گیا پر اس نے وہ رقم کسی شخص کو بطور قرض دیدی پھر اس مالک نصاب نے چھ مہینے بعد یکم رجب ۱۴۴۱ھ کو اپنا قرضہ مقروض سے وصول کر لیا تو اب پورے چھ مہینے کے بعد تیس ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ کو سال پورا ہوگا اور زکوٰۃ فرض ہوگی کیونکہ اس نصاب پر مالک بننے کے وقت سے پورا سال گذر چکا ہے، اگرچہ وصول کرنے کے بعد سے صرف چھ مہینے گذرے ہیں۔

دوسری مثال: زید یکم محرم الحرام ۱۴۴۱ھ کو ایک لاکھ روپے کا مالک بن گیا اور پھر اسی تاریخ کو زید نے یہی ایک لاکھ روپیہ خالد کو بطورِ قرض دے دیا اور ٹھیک تین سال بعد تیس ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ کو قرض وصول کیا تو وصول کرتے ہی گذشتہ تینوں سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے گا اگرچہ وصول ہونے کے بعد ابھی سال نہ گذرا ہو لیکن مالک ہونے کے بعد تو تین سال گذر چکے ہیں۔ کیونکہ نصاب کا مالک بننے کے بعد نصاب پر سال گذرنا شرط ہے قرض وصول کرنے کے بعد سال کا گذرنا شرط نہیں ہے۔ (رد المحتار، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

۲۔ أَلدَّيْنُ الْمُتَوَسِّطُ: هُوَ مَا لَيْسَ دَيْنَ تِجَارَةٍ بَلْ هُوَ ثَمَنُ شَيْئٍ بَاعَهُ مِنْ حَوَائِجِهِ الْأَصْلِيَّةِ كَدَارٍ لِلسَّكَنِ، وَثِيَابٍ لِلُبْسِ، وَطَعَامٍ لِلْأَكْلِ وَبَقِيَ الثَّمَنُ فِي ذِمَّةِ الْمُشْتَرِيْ۔ لَا تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي الدَّيْنِ الْمُتَوَسِّطِ إِلَّا إِذَا قَبَضَ نِصَابًا كَامِلًا۔ فَإِذَا كَانَ عَلَى الْمَدْيُوْنِ أَلْفُ دِرْهَمٍ مَثَلًا وَقَبَضَ مِنْهُ الدَّائِنُ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُخْرِجَ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ. وَلَا تَجِبُ الزَّكَاةُ إِذَا قَبَضَ أَقَلَّ مِنَ النِّصَابِ عِنْدَ الْإِمَامِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ ﷺ. وَقَالَ الْإِمَامَانِ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ ﷺ: تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي الْمَقْبُوْضِ مِنَ الدَّيْنِ قَلِيْلًا كَانَ الْمَقْبُوْضُ أَوْ كَثِيْرًا۔ وَيُعْتَبَرُ حَوَلَانُ الْحَوْلِ فِي الدَّيْنِ الْمُتَوَسِّطِ مِنَ الْوَقْتِ الَّذِيْ مَلَكَ النِّصَابَ لَا مِنْ وَقْتِ الْقَبْضِ۔ فَتَجِبُ الزَّكَاةُ عَنِ الْأَعْوَامِ الْمَاضِيَةِ. وَلٰكِنْ لَا يَلْزَمُهُ الْأَدَاءُ إِلَّا بَعْدَ الْقَبْضِ۔

حلّ لغات: ثَمَنٌ، فروخت کی ہوئی چیز کا بدلہ، قیمت۔ ثمن عربی زبان میں کسی چیز کی وہ قیمت ہے جو بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان طے ہو جائے اور قیمت کسی چیز کی وہ ہوتی ہے جو مارکیٹ اور بازار میں چل رہی ہو۔ جمع أَثْمَانٌ۔

ترجمہ: (۲) درمیانی قرض: یہ وہ قرض ہے جو تجارت کا قرض نہیں بلکہ اپنی بنیادی ضرورتوں میں سے کسی ایسی چیز کی قیمت ہے جس کو اس نے بیچ دیا ہو، جیسا کہ رہائش کا گھر، اور پہننے کے کپڑے، اور کھانے کی چیزیں، اور اسکی قیمت باقی رہ گئی ہو خریدار کے ذمہ۔ دَین متوسط میں زکوٰۃ واجب نہیں مگر جب پورے نصاب پر قبضہ کرے۔ چنانچہ جب مقروض پر مثال کے طور پر ہزار درہم ہوں اور قرض دینے والے نے اُن میں سے دو سو درہم پر قبضہ کر لیا تو اس پر واجب ہے کہ پانچ درہم (زکوٰۃ) نکالے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب نصاب سے کم پر قبضہ کرے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے: کہ قرض میں سے قبضہ کی ہوئی مقدار میں زکوٰۃ واجب ہے قبضہ کی ہوئی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اور دَین متوسط میں سال کے گذرنے کا اعتبار اُس وقت سے کیا جائے گا جس وقت میں نصاب کا مالک بنا ہے نہ کہ قبضہ کے وقت سے، چنانچہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی قبضہ کے بعد ہی واجب ہوگی۔

تشریح: قرض کی تین قسموں میں سے پہلی قسم دَینِ قوی کو بیان کرنے کے بعد اب مصنف رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ بالا عبارت میں دوسری قسم دَینِ متوسط کو ذکر کرتے ہیں یہاں پر بھی دَینِ قوی کی طرح پہلے دَینِ متوسط کی تعریف اور پھر اُس میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم اور طریقہ ذکر کرتے ہیں۔

دین متوسط کی تعریف: دَینِ متوسط وہ دَین ہے جو مالِ تجارت کے علاوہ کسی چیز کو اُدھار بیچنے کی وجہ سے خریدار کے ذمہ واجب ہو: جیسے کہ کوئی شخص اپنی ذاتی بنیادی ضرورت کی چیزوں میں سے کوئی چیز بیچ دے مثلاً رہائشی مکان بیچ دے اور اسکی قیمت خریدار کے ذمہ واجب ہو یا استعمال کے کپڑے، کھانے پینے کی چیزیں اسی طرح گھر کا اسباب، استعمال کی گاڑی، اسلحہ وغیرہ کسی کو اُدھار بیچ دے تو ان مذکورہ چیزوں کے بدلہ میں جس قیمت کی ادائیگی خریدار پر واجب ہوتی ہے اس قیمت کو دینِ متوسط کہتے ہیں، نیز ملازم کی اُجرت اور مکان کے کرایہ کو بھی فقہاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اِسی زُمرہ میں رکھا ہے۔

دینِ متوسط پر زکوٰۃ کا حکم: لَاتَجِبُ الخ: سے دینِ متوسط پر زکوٰۃ کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ "دینِ متوسط" پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے لیکن ادا کرنا کب فرض ہوتا ہے؟ اس میں ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک یہ شخص اپنے مقروض سے نصاب کے بقدر وصول نہ کرے اس وقت تک زکوٰۃ ادا کرنا فرض نہیں ہوتا، مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں جلیل القدر شاگرد حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما ارشاد فرماتے ہیں: کہ دینِ متوسط میں سے جتنی بھی رقم وصول ہو جائے تو اُس میں زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے خواہ وصول ہونے والی رقم تھوڑی ہو یا زیادہ یعنی نصاب سے کم ہو یا زیادہ۔

مثال کے طور پر کسی شخص نے اپنی استعمال کی موٹر سائیکل اُدھار بیچ دی جس کی قیمت ایک لاکھ روپے مقرر کی گئی تو اب اس شخص پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی کب ضروری ہے؟ تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی پیسے حاصل ہونے کے بعد ہی زکوٰۃ واجب ہوگی یعنی اتنے پیسے کہ جن سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: کہ جتنے پیسے اپنے قرض میں سے وصول کرے گا تو ان پیسوں میں سے اُن پیسوں کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرے گا۔

خلاصہ یہ نکلا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دَینِ قوی اور دَینِ متوسط دونوں صورتوں میں دَین وصول ہونے کے بعد صاحب مال پر اس پوری مدت کی زکوٰۃ واجب ہوگی جس مدت میں وہ رقم مدیون کے پاس تھی، فرق صرف اس قدر ہے کہ دینِ قوی میں نصابِ زکوٰۃ کا پانچواں حصہ وصول ہونے کے بعد ہی اتنی مقدار کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اور دینِ متوسط کی صورت میں پورا ایک نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی پیسے حاصل ہونے کے بعد ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

وَيُعْتَبَرُ حَوَلَانُ الْحَوْلِ الخ: اس بات کی وضاحت ماقبل میں ہو چکی ہے۔ (در مختار مع رد المحتار، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، قاموس الفقہ، تفہیم الفقہ)

لَایَجِبُ أَدَاءُ الزَّکَاةِ فِي الدَّیْنِ الضَّعِیْفِ إِلَّا إِذَا قَبَضَ نِصَابًا کَامِلًا . وَحَالَ عَلَیْهِ الْحَوْلُ مِنْ وَقْتِ الْقَبْضِ فَلَاتَجِبُ الزَّکَاةُ عَنِ الْأَعْوَامِ الْمَاضِیَةِ فِي الدَّیْنِ الضَّعِیْفِ۔

حل لغات: صَدَاق؛ صاد کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بمعنی عورت کا مہر۔ جمع صُدُقٌ اور أَصْدِقَةٌ۔ خُلْعٌ؛ مصدر ہے باب فتح کا صحیحؒ سے بمعنی عورت کا خاوند کو مال دیکر طلاق حاصل کرنا۔ دَمُ الْعَمْدِ؛ بمعنی قصاص، خون کا بدلہ جو کسی کو جان بوجھ کر قتل کرنے کی صورت میں قاتل سے لیاجاتا ہے۔ أَلدِّیَة؛ بمعنی خون بہا، مالی تاوان جو کسی کو غلطی سے قتل کرنے کی صورت میں قاتل سے لیاجائے۔

ترجمہ: (۳) دَینِ ضعیف: یہ وہ قرض ہے جو مال کے علاوہ کسی اور چیز کے عوض میں ہو، جیسا کہ عورت کا مہر، کیونکہ مہر کسی ایسے مال کا عوض نہیں ہے جو شوہر نے اپنی بیوی سے لیا ہو۔ اسی طرح خلع کا قرض اور وصیت کا قرض اور قصاص اور خون بہا کے بارے میں صلح کا قرض۔ دَینِ ضعیف میں زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی مگر اُس وقت کہ جب پورے نصاب پر قبضہ کرلے۔ اور قبضہ کرنے کے وقت سے اُس پر سال گذر جائے۔ چنانچہ دَینِ ضعیف میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ قرض کی تیسری قسم دَینِ ضعیف اور اُس سے متعلق احکام ذکر کرتے ہیں: چنانچہ فرمایا کہ دَینِ ضعیف وہ دَین ہے جو دوسروں کے ذمہ میں ایسی چیز کے بدلہ میں واجب ہو جو سرے سے مال ہی نہ ہو خواہ اس میں آدمی کے عمل کو دخل ہو یا نہ ہو۔

اول کی مثال کَصَدَاقِ الْمَرْأَةِ الخ جیسے مہر کی رقم جو شوہر کے ذمہ واجب ہوتی ہے چونکہ یہ عقدِ نکاح کے بدلہ میں واجب ہوتی ہے جو کہ مال نہیں ہے لہٰذا مہر بیوی کے لئے شوہر پر دَینِ ضعیف ہے۔

کَذَالِکَ دَیْنُ الْخُلْعِ الخ: دوسری مثال: کسی عورت نے گھریلو ناچاقی کی بنیاد پر اپنے شوہر سے خلع کرلیا اور خلع کے عوض میں جو رقم طے ہوئی تھی (جس کو فقہ کی اصطلاح میں "بدلِ خلع" کہتے ہیں) یہ رقم بیوی کے ذمہ شوہر کے لئے دَینِ ضعیف ہے کیونکہ یہ فسخ نکاح (نکاح توڑنے) کے بدلہ میں واجب ہوئی ہے جو کہ مال نہیں ہے۔

دوسری صورت کی مثال کہ جس قرض میں آدمی کے عمل کو دخل نہ ہو جیسے: وصیت کا قرض وَدَیْنُ الْوَصِیَّةِ الخ مثلاً کسی شخص نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری جائیداد میں سے فلاں زمین یا میرے مال میں سے ایک لاکھ روپیہ فلاں شخص کو دیدینا تو وصیت کی یہ زمین یا یہ رقم اُس شخص کے لئے بغیر کسی عوض کے ورثاء کے ذمہ واجب ہے لہٰذا اس قرضہ کو فلاں کا ورثہ کے ذمہ "دَینِ ضعیف" قرار دیا جائے گا۔

وَدَیْنُ صُلْحِ الْعَمْدِ: دوسری مثال: زید نے بکر کو جان بوجھ کر قتل کردیا جس کی وجہ سے زید پر قصاص واجب ہوگیا یعنی اب زید کو قصاصاً (بکر کے بدلہ میں) قتل کیا جانا یہ شریعت کا حکم ہے لیکن بکر کے ورثاء مثلاً بیٹوں نے قاتل (زید) سے قصاص لینے کے بجائے دیت یا مال کی کسی معین مقدار پر صلح کرنے کو اختیار کرلیا تو اب مقتول (بکر) کے ورثاء کا قاتل (زید) پر دَینِ ضعیف ہے کیونکہ یہ قرض مقتول کے خون کے بدلہ میں ہے جو کہ مال نہیں ہے۔

وَالدِّيَةِ: سے تیسری مثال دیناچاہتے ہیں کہ دیت کا قرض بھی دَینِ ضعیف ہے مثلاً زید کے ہاتھ سے بکر بلا قصد وارادہ غلطی سے قتل ہو گیا جس میں شریعت کا حکم ہے کہ قاتل یعنی زید کے خاندان سے دیت (خون بہا) تین سال میں وصول کی جائے گی تو اب مقتول (بکر) کے وارثوں کا جو قاتل (زید) کے خاندان کے ذمہ دیت کی رقم ہے یہ دَینِ ضعیف ہے۔ کیونکہ قاتل کے خاندان کے ذمہ یہ دیت کسی ایسے مال کے بدلہ میں نہیں جو قاتل کے خاندان نے مقتول کے خاندان سے لیا ہو۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی، قاموس، تفہیم، ردالمحتار)

لَایَجِبُ أَدَاءُ الزَّکَاۃِ الخ: سے دَینِ ضعیف میں زکوٰۃ کا حکم اور طریقۂ کار بتاناچاہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے: کہ دَینِ ضعیف میں زکوٰۃ کی ادائیگی اسی وقت واجب ہے کہ جب درج ذیل دو شرطیں پائی جائیں: (۱) جب دَینِ ضعیف پر قبضہ کے بعد پورا ایک سال گذر جائے لہٰذا دَینِ ضعیف کی وصولی میں اگر کئی برس لگ جائیں تو وصول ہونے کے بعد گذشتہ سالوں کی جن میں دَین پر اصل مالک قابض نہیں تھا زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

فائدہ: قرضوں میں یہ گذشتہ تفصیل اس وقت ہے کہ جب ان قرضوں کے علاوہ آدمی کے پاس نصاب کے بقدر کوئی مال نہ ہو لیکن اگر کسی کے پاس اِن دُیون کے علاوہ اتنا مال ہو جو نصاب تک پہنچ جاتا ہے (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر) تو پھر جتنے قرضہ پر قبضہ کرے گا خواہ وہ قبضہ کیا ہوا قرضہ تھوڑا ہو یا زیادہ، خواہ وہ دَین دَینِ قوی ہو یا متوسط ہو یا ضعیف ہو اس کو اس مال کے ساتھ ملایا جائے گا جو بقدرِ نصاب ہے اور اس کے پاس موجود ہے اور سب کی اکٹھی زکوٰۃ نکالی جائے گی اور یہ سال کے دوران حاصل ہونے والے مال کی طرح ہوگا جیسے وہاں پر الگ سال کا گذرنا ضروری نہیں اسی طرح یہاں پر بھی۔ مثال کے طور پر زید کا عمرو کے ذمہ ایک لاکھ روپیہ قرض ہے اور زید کے پاس اس ایک لاکھ روپیہ کے علاوہ بھی کوئی مال ہے جو نصاب یا نصاب سے زیادہ ہے مثلاً اس کے پاس ایک لاکھ روپیہ اور بھی ہے تو اب اس ایک لاکھ قرض میں سے جتنا بھی وصول ہو جائے، نصاب سے کم ہو مثلاً پانچ ہزار روپیہ یا نصاب کے بقدر ہو جیسے پینتالیس ہزار روپیہ مثلاً تو اب پانچ ہزار کو موجودہ ایک لاکھ کی مالیت کے ساتھ ملا کر ایک لاکھ پانچ ہزار کی زکوٰۃ دینی پڑے گی اگر پہلی صورت ہے اور اگر نصاب کے بقدر (پینتالیس ہزار روپیہ) وصول ہوا تو اب ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی ان پانچ ہزار یا پینتالیس ہزار روپے کے وصول ہو جانے کے بعد الگ سے سال گذرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب ایک لاکھ روپے پر سال گذر جائے گا تو وہ اس حاصل شدہ قرضہ کا بھی سال شمار کیا جائے گا۔ (در مختار مع ردالمحتار، مراقی الفلاح، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

زَکَاۃُ مَالِ الضِّمَارِ۔ زَکَاۃُ مَالِ الضِّمَارِ: هُوَ الْمَالُ الَّذِیْ لَایَزَالُ فِی الْمِلْکِ، وَلٰکِنْ یَتَعَذَّرُ الْوُصُوْلُ إِلَیْهِ، بِأَنْ أَعْطٰی أَحَدًا دَیْنًا وَلَا یَقْدِرُ عَلٰی إِقَامَةِ الْبَیِّنَةِ عَلَیْهِ ثُمَّ قَبَضَ عَلَی الدَّیْنِ بَعْدَ مُدَّةٍ۔ وَکَذَا إِذَا غَصَبَ أَحَدٌ مَالَهٗ. وَلَایَقْدِرُ عَلٰی إِقَامَةِ الْبَیِّنَةِ عَلَی الْغَاصِبِ. ثُمَّ رَدَّ الْغَاصِبُ إِلَیْهِ مَالَهٗ بَعْدَ مُدَّةٍ۔ وَکَذَا إِذَا فَقَدَ مَالَهٗ ثُمَّ وَجَدَهٗ بَعْدَ مُدَّةٍ۔ وَکَذَا إِذَا صُوْدِرَ مَالُهٗ ثُمَّ قَبَضَ عَلَیْهِ بَعْدَ مُدَّةٍ۔ وَکَذَا إِذَا دَفَنَ مَالَهٗ فِیْ بَرِّیَّةٍ، وَنَسِیَ مَکَانَهٗ ثُمَّ وَجَدَهٗ بَعْدَ مُدَّةٍ۔ لَاتَجِبُ فِیْ مَالِ الضِّمَارِ زَکَاۃُ الْأَعْوَامِ الْمَاضِیَةِ۔

حلِّ لغات: ضِمَارٌ؛ وہ مال جسکی واپسی کی امید نہ ہو۔ بَيِّنَة؛ بمعنی دلیل وحجت، یہاں مراد گواہ ہیں جمع بَيِّنَات۔ صُوْدِرَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی مجہول صحیح ازباب مفاعلہ بمعنی ظلماً کسی کا مال لے لینا۔ حکومت کا مال کو اس کے مالک سے جدا کر دینا۔ (مصباح، طحطاوی، اشرف الہدایہ)

ترجمہ: ناقابلِ وصول مال کی زکوٰۃ۔ ناقابلِ وصول مال یہ وہ مال ہے جو برابر ملکیت میں رہے لیکن اس تک پہنچنا دشوار ہو اس طور پر کہ اُس نے کسی کو قرض دیا اور اُس (قرض) پر کوئی دلیل قائم کرنے پر قدرت نہیں رکھتا پھر ایک عرصہ کے بعد اس مال پر قبضہ کرے، اور اسی طرح جب کوئی اُس کے مال کو زبردستی چھین لے اور وہ غاصب کے خلاف دلیل قائم کرنے پر قدرت نہ رکھے پھر ایک عرصہ کے بعد غاصب نے اس کو اس کا مال لوٹا دیا، اور اسی طرح جب اپنا مال گم کر دے پھر اس کو ایک عرصہ کے بعد پالے، اسی طرح جب اسکا مال سرکاری قبضہ میں لے لیا گیا پھر ایک عرصہ کے بعد اس مال پر قابض ہو جائے، اسی طرح جب اُن نے اپنا مال کسی صحرا میں دفن کر دیا اور اس کی جگہ بھول گیا پھر ایک عرصہ کے بعد اسکو پالیا۔ ناقابلِ وصول مال میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قرضوں کی تین قسمیں بیان فرما کر یہ بتایا کہ پہلی دو قسموں میں زکوٰۃ واجب ہے اور تیسری قسم دَینِ ضعیف میں واجب نہیں ہے۔ اب یہاں سے اس مال کا تذکرہ شروع کرتے ہیں کہ جس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ چنانچہ وہ مالِ ضمار ہے۔

ضِمار کی اصل اِضمار ہے اور اِضمار کا لغوی معنی ہے غائب کرنا، اور پوشیدہ کرنا۔ کہا جاتا ہے ''أَضْمَرَ فِي قَلْبِهِ'' اُس نے اپنے دل میں چھپالیا۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں "مالِ ضِمار" وہ مال ہے جو غائب ہو اور اس کے ملنے کی امید نہ ہو۔ چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اصطلاحی تعریف ذکر کی ہے کہ مالِ ضِمار وہ مال ہے جو ذاتی طور پر تو مالک کی ملک میں ہو لیکن اس تک پہنچنا اور اس سے فائدہ اُٹھانا مالک کے بس میں نہ ہو۔

مالِ ضِمار کی صورتیں: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مالِ ضمار کی متعدد صورتیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) کسی شخص نے کسی کو کوئی قرضہ دیا اور قرضدار چند سال تک قرض کا انکار کرتا رہا اور قرض خواہ اس عرصہ میں گواہوں سے محروم رہا (یہ مطلب ہے بیّنہ کے قائم کرنے پر قادر نہ ہونے کا۔) پھر چند سال گذرنے کے بعد گواہ میسّر آئے اس طور پر کہ قرض دار نے لوگوں کے سامنے قرض کا اقرار کرلیا تو یہ لوگ قرض خواہ کے اقراری گواہ بن گئے یعنی یہ لوگ اس پر گواہ بن گئے کہ قرض دار نے ہمارے سامنے قرض کا اقرار کرلیا ہے پس ان گواہوں کے قائم ہونے سے پہلے یہ قرضہ مالِ ضمار تھا اور گواہوں کے قائم ہونے کے بعد یہ قرضہ مالِ ضمار نہ رہا کیونکہ جب تک گواہ موجود نہ تھے تب تک اِس قرضہ کے وصول ہونے کی کوئی امید نہیں تھی لیکن جب گواہ دستیاب ہو گئے تو اب بذریعہ عدالتِ قاضی اس قرض کا وصول ہونا ممکن ہو گیا۔

(۲) وہ مال جو غاصب نے غصب کر لیا یعنی زبردستی چھین لیا اور مالک کے پاس غاصب کے خلاف گواہ نہ ہوں پھر کچھ عرصہ کے بعد غاصب نے وہ مال مالک کو واپس کر دیا۔

(۳) گم شدہ مال جو کچھ عرصہ کے بعد مل گیا ہو۔

(۴) وَكَذَا إِذَا صُوْدِرَ وہ مال جو ظلماً لیا گیا ہو یعنی بادشاہ نے مالک سے جدا کر لیا ہو اور پھر کچھ عرصہ کے بعد واپس مالک کو دے دیا ہو۔

(۵) وہ جو کسی جنگل میں دفن کر دیا اور اس کی جگہ بھول گیا پھر کچھ عرصہ کے بعد جگہ یاد آئی اور مال مل گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ "مالِ ضمار" جو چند سال تک مالک کے پاس سے غائب رہا اور اِس عرصہ میں اس کے ملنے کی امید بھی نہیں تھی پھر چند سال کے بعد یہ مال مل گیا تو ان گذشتہ چند سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ سو اس بارے میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے احناف کا مسلک نقل کیا کہ لَا تَجِبُ فِي مَالِ الضِّمَارِ الخ یعنی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "لَا زَكَاةَ فِي مَالِ الضِّمَارِ" یہی مضمون حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔ نیز دوسری دلیل یہ ہے کہ مالِ ضمار پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے مالِ ضمار مالِ نامی نہیں جبکہ زکوٰۃ مالِ نامی میں واجب ہوتی ہے۔

فائدہ: مالِ ضمار کی مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ صورتیں ذکر کی ہیں جبکہ اور صورتیں بھی بن سکتی ہیں: (۱) بھاگا ہوا غلام جو تجارت کے لئے ہو۔ (۲) وہ جانور اور غلام جو تجارت کی نیت سے رکھے ہوں اور وہ بھاگ کر گم ہو جائیں۔ (۳) وہ مال جو سمندر میں گر گیا ہو۔ (۴) ایسے آدمی کے پاس امانت رکھا ہو جس کو اب جانتا نہیں۔ پھر ان تمام صورتوں میں یہ مال مل گیا ہو۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی، در مختار مع رد المحتار، ہدایہ)

مَصَارِفُ الزَّكَاةِ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ فَقَدْ ذَكَرَ الْقُرْاٰنُ ثَمَانِيَةَ أَصْنَافٍ تُصْرَفُ عَلَيْهَا الزَّكَاةُ، وَلٰكِنَّ الْخَلِيْفَةَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَنَعَ الْمُؤَلَّفَةَ قُلُوْبُهُمْ مِنَ الزَّكَاةِ بِدَلِيْلِ أَنَّ الْإِسْلَامَ قَدْ قَوِيَ أَمْرُهُ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم. فَبَقِيَ سَبْعَةُ أَصْنَافٍ تُصْرَفُ الزَّكَاةُ عَلَيْهَا. نَذْكُرُ تَعْرِيْفَ كُلِّ صِنْفٍ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ مِنَ الْأَحْكَامِ فِيْمَا يَلِيْ۔

حلِّ لغات: يَلِيْ: صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف لفیف مفروق از باب حَسِبَ يَحْسِبُ، ضرب يضرب بمعنی قریب ہونا، متصل ہونا۔ "مَا يَلِيْ" بمعنی آئندہ عبارت، ذیل میں، عنقریب۔

مالِ زکوٰۃ کو خرچ کرنے کی جگہیں

ترجمہ: زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کی دل جوئی کرنا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستہ میں اور مسافروں کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ پس قرآن کریم نے آٹھ قسمیں ذکر کی ہیں جن پر زکوٰۃ خرچ کی جائے گی، لیکن خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جن کی دل جوئی کرنا منظور تھا زکوٰۃ سے محروم کر دیا اس دلیل کی بنیاد پر کہ اسلام کا معاملہ مستحکم ہو چکا ہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس کا انکار نہیں فرمایا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے اس قسم کا ساقط ہونا ثابت ہو گیا۔ لہٰذا سات قسمیں باقی رہ گئیں جن پر زکوٰۃ کو خرچ کیا جا سکتا ہے۔ ہم ہر ایک قسم کی تعریف اور جو احکام اس سے متعلق ہیں آئندہ عبارت میں ذکر کریں گے۔

تشریح: زکوٰۃ کے مصارف کا بیان۔ اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مالِ زکوٰۃ کے احکام و مسائل ذکر فرمائے کہ کونسے مال میں زکوٰۃ کی کیا مقدار فرض ہے۔ تو اب ضروری ہوا کہ یہ بیان کریں کہ مالِ زکوٰۃ کا مصرف یعنی مستحق کون ہیں؟ اسلئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ''مَصَارِفُ الزَّكَاةِ'' کا عنوان قائم فرمایا۔

زکوٰۃ کی حیثیت چوں کہ محض عام خرچ اور انسانی مدد کی نہیں ہے بلکہ یہ ایک اہم اسلامی عبادت اور شرعی فریضہ ہے اس لئے شریعت نے اس کے مصارف اور خرچ کے مدّات کو بنفسہ نفیس متعین کر دیئے ہیں۔

مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں اصل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ الخ﴾ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ نے آٹھ قسمیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ نے زکوٰۃ وصدقات کی تقسیم کو نبی یا غیرِ نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ بذاتِ خود اسکے مصارف متعیّن فرماد یئے ہیں۔

ان آٹھ قسموں میں سے ایک قسم مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوْبِ ہیں۔ مؤلفۃ القلوب تین قسم کے لوگ ہیں: (۱) وہ کفار جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے زکوٰۃ عطا کرتے تھے تاکہ وہ اسلام لائیں اور اُن کے اسلام لانے سے اُن کی قوم مسلمان ہو جائے۔ (۲) وہ لوگ جو اسلام لا چکے تھے مگر اُن کا اعتقاد کمزور تھا تو اُن نو مسلموں کی دل جوئی کرنے کے لئے اور اسلام پر اُن کو ثابت قدم رکھنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو زکوٰۃ عطا کرتے تھے۔ (۳) وہ کفار جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے زکوٰۃ دیتے تھے کہ اِن کے شر و فساد سے مسلمان محفوظ رہیں۔ یہ قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اور ان کو زکوٰۃ ملتی تھی لیکن جب اسلام کی حقانیت اور سچائی روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ قسم ختم ہوگئی، چنانچہ مروی ہے کہ عُیَیْنَہ بن حِصْن فَزاری اور اَقرع بن حابس تمیمی دونوں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی زمین کے واسطے معافی لینے آئے یعنی آپ سے ایک زمین طلب کی، پس صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عطیہ کا فرمان لکھ دیا پھر دونوں نے چاہا کہ مزید پختگی کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی دستخط کرالیں جب یہ دونوں اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گواہی کو لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ فرمان چاک کر دیا اور فرمایا یہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اسلئے دیتے تھے تاکہ تمہیں اسلام کے قریب کر دیں اور اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب اور تم سے بے پرواہ کر دیا پس اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہو تو بہتر ہے ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ ہے، وہ دونوں لوٹ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر رضی اللہ عنہ؟، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان شاء اللہ وہ خلیفہ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے موافقت کی اس وقت سے مؤلفۃ القلوب کا حق زکوٰۃ سے منقطع ہو چکا ہے اور چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس پر انکار نہیں فرمایا بلکہ سب نے خاموشی اختیار فرمائی تو گویا مؤلفۃ القلوب کے گرنے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماعِ سکوتی بھی منعقد ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب زکوٰۃ کے آٹھ کے بجائے سات مصارف ہیں جن کی تعریفیں اور اُن سے متعلق احکام درج ذیل ہیں۔ (الہدایہ، کتاب الفقہ علی المذاہب)

اَلْفَقِيْرُ: هُوَ الَّذِيْ يَمْلِكُ أَقَلَّ مِنَ النِّصَابِ۔ وَيَجُوْزُ صَرْفُ الزَّكَاةِ عَلَى الَّذِيْ يَمْلِكُ أَقَلَّ مِنَ النِّصَابِ وَإِنْ كَانَ صَحِيْحًا ذَا كَسَبٍ۔ ۲۔ اَلْمِسْكِيْنُ: هُوَ الَّذِيْ لَا يَمْلِكُ شَيْئًا أَصْلًا۔ ۳۔ اَلْعَامِلُ: هُوَ الَّذِيْ يَقُوْمُ بِجَمْعِ

الزَّكَاةِ وَالْعُشُوْرِ فَإِنَّهٗ يُعْطىٰ مِنْ مَالِ الزَّكَاةِ بِقَدْرِ عَمَلِهٖ۔ ٤۔فِي الرِّقَابِ : هُمُ الْأَرِقَّاءُ الْمُكَاتَبُوْنَ۔ وَهٰذَا الصِّنْفُ لَايُوْجَدُ الْآنَ. وَلٰكِنْ إِذَا وُجِدَ هٰذَا الصِّنْفُ تُصْرَفُ الزَّكَاةُ عَلَيْهِ۔ ٥۔اَلْغَارِمُ: هُوَ الَّذِيْ عَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَايَمْلِكُ نِصَابًا كَامِلًا بَعْدَ قَضَاءِ دَيْنِهٖ۔ وَصَرْفُ الزَّكَاةِ عَلَى الْمَدْيُوْنِ لِقَضَاءِ دَيْنِهٖ أَفْضَلُ مِنْ دَفْعِ الزَّكَاةِ لِلْفَقِيْرِ۔ ٦۔فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ: هُمُ الْفُقَرَاءُ الْمُنْقَطِعُوْنَ لِلْغَزْوِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ. أَوِ الْحُجَّاجُ الَّذِيْنَ خَرَجُوْا لِلْحَجِّ وَعَجَزُوْا عَنِ الْوُصُوْلِ إِلىٰ بَيْتِ اللّٰهِ لِنَفَادِ نَفَقَاتِهِمْ۔ ٧۔إِبْنُ السَّبِيْلِ: هُوَ الْمُسَافِرُ الَّذِيْ لَهٗ مَالٌ فِي وَطَنِهٖ. وَلٰكِنْ نَفَدَ مَالُهٗ فِي السَّفَرِ. فَتُصْرَفُ الزَّكَاةُ عَلَيْهِ لِيَقْدِرَ عَلَى الْوُصُوْلِ إِلىٰ وَطَنِهٖ۔ اَلَّذِيْ تَجِبُ عَلَيْهِ الزَّكَاةُ يَجُوْزُ لَهٗ أَنْ يَصْرِفَ الزَّكَاةَ عَلىٰ جَمِيْعِ هٰذِهِ الْأَصْنَافِ۔ وَكَذَا يَجُوْزُ لَهٗ أَنْ يَصْرِفَ عَلىٰ صِنْفٍ وَاحِدٍ مَعَ وُجُوْدِ بَاقِي الْأَصْنَافِ۔

حلِّ لغات: **اَلْعُشُوْرُ**؛ جمع ہے عُشْرٌ کی بمعنی دسواں حصہ یہاں مراد پیداوار کا دسواں حصہ ہے اگر زمین بارانی ہو یا بیسواں حصہ ہے اگر زمین نہری ہو۔ **اَلْأَرِقَّاءُ**؛ جمع ہے رَقِيْقٌ کی بمعنی غلام۔ **اَلْغَارِمُ**؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل صحیح از باب سمع بمعنی نقصان اُٹھانے والا۔ **نَفَادٌ**؛ مصدر ہے باب سمع سے بمعنی ختم ہونا۔

ترجمہ: (۱) فقیر: یہ وہ شخص ہے جو نصاب سے کم کا مالک ہو، اور زکوٰۃ کو اس شخص پر خرچ کرنا جائز ہے جو نصاب سے کم کا مالک ہو اگرچہ وہ تندرست کمائی کرنے والا ہو۔ (۲) مسکین: وہ شخص ہے جو بالکل کسی چیز کا مالک نہ ہو۔ (۳) عامل: وہ شخص ہے جو زکوٰۃ اور عشر کو اکٹھا کرنے کا انتظام کرتا ہے، پس یقیناً اس کو زکوٰۃ کے مال میں سے اس کے کام کے بقدر دیا جائے گا۔ (۴) گردنوں (کے چھڑانے) میں: یہ وہ غلام ہیں جو مُکاتَب ہوں، اور یہ قسم اب نہیں پائی جاتی۔ لیکن جب یہ قسم پائی جائے گی تو زکوٰۃ اس پر خرچ کی جائے گی۔ (۵) غارم (قرض دار): یہ وہ آدمی ہے جس پر قرض ہو اور اپنے قرض کو ادا کرنے کے بعد پورے نصاب کا مالک نہ ہو، اور زکوٰۃ کی رقم کو مقروض پر خرچ کرنا اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے یہ بہتر ہے فقیر کو زکوٰۃ دینے سے۔ (۶) فی سبیل اللہ (راہِ خدا میں خرچ کرنا): یہ وہ غریب لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے فارغ ہوں، یا وہ حُجاج کرام جو حج کے لئے نکل چکے ہوں اور بیت اللہ تک پہنچنے سے بے بس ہوں اُن کے زادِ راہ ختم ہو جانے کی وجہ سے۔ (۷) اِبْنُ السَّبِيْلِ (مسافر): یہ وہ مسافر ہے جس کا اپنے وطن میں مال موجود ہو لیکن سفر میں اس کا مال ختم ہو چکا ہو، چنانچہ اُس پر زکوٰۃ خرچ کی جائے گی تاکہ وہ اپنے وطن تک پہنچنے پر قادر ہو جائے۔ وہ شخص جس پر زکوٰۃ واجب ہے اُس کے لئے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مال ان تمام قسموں پر خرچ کرے۔ اور اسی طرح اُس کے لئے جائز ہے کہ ایک ہی قسم پر خرچ کرے دیگر اقسام کے ہوتے ہوئے۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کے اُن مصارف کی تعریف اور احکام بیان فرمائے ہیں جو مصارف قرآن کریم نے متعین فرمائے ہیں: ان مصارفِ زکوٰۃ میں سب سے پہلے قرآن نے (۱) فقراء (۲) ومساکین کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے مصارفِ ہشتگانہ میں یہ دو مصرف اوّلین توجہ کے حق دار ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ زکوٰۃ کا اصل مقصود ہی فقر واحتیاج کو دور کرنا اور ضرورت مندوں کی ضروریات کی تکمیل کرنا ہے اور یہ دونوں طبقے سب سے بڑھ کر اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ عام طور پر اہلِ علم نے ''فقیر

مسکین" میں فرق کیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں: کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس سامانِ کفایت کا کچھ حصہ ہو مگر نصاب سے کم ہو یا بقدرِ نصاب ہو مگر وہ نصاب غیر نامی ہو (بڑھنے والا نہ ہو) اور یہ اپنی ضروریات میں گھرا ہوا ہو (ہر قسم کے نصاب کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے) اور مسکین وہ ہے جس کے پاس قطعاً کوئی چیز نہ ہو نہ نانِ شبینہ ہو، نہ تن ڈھکنے کے لئے کپڑا ہو یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے گویا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسکین زیادہ خستہ حال ہوتا ہے بنسبت فقیر کے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پسند ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جن کے پاس نصاب سے کم مال ہو انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ وہ تندرست ہوں اور کمانے پر قادر ہوں، البتہ انہیں خود زکوٰۃ کا سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) **عَامِلِیْنَ کی تعریف:** قرآنِ کریم نے زکوٰۃ کا تیسرا مصرف "عاملین" کو قرار دیا ہے عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو امام المسلمین نے زکوٰۃ و عشر وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو، یہ عاملین چونکہ اپنے اوقات غریبوں اور ضرورت مندوں کے لئے زکوٰۃ و صدقات کی وصولی میں مشغول رکھتے ہیں اس لئے اِس مال سے جو دراصل فقراء کا حق ہے امام المسلمین عامل اور اسکے ساتھ کام کرنے والوں کو اُن کے عمل کے بقدر دے گا اگرچہ یہ لوگ اپنی جگہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو زکوٰۃ کی وصولی کا اجتماعی نظام اور حق داروں کے درمیان صحیح طریقہ پر اس کی تقسیم ممکن نہ ہو گی۔

(۵) **وَفِی الرِّقَابِ کی تعریف:** قرآن مجید میں ذکر کردہ مصارف میں سے چوتھا مصرف "مؤلفۃ القلوب" ہے جو بالاتفاق ختم کر دیا گیا ہے۔ پانچواں مصرف "رِقاب" ہے اس کی تفسیر میں دو صورتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) ایک یہ کہ زکوٰۃ کے مال سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے۔ (۲) دوم یہ کہ مکاتب کی بدلِ کتابت ادا کرنے میں مدد کی جائے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ یہی تفسیر طبرانی میں حضرت حسن بصری اور امام زُہری رحمہما اللہ سے بھی منقول ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مکاتب کو دی جائے تاکہ وہ اپنے آقا کو بدلِ کتابت دے کر اپنی گردن چُھڑالے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی رقم سے اگر غلام خرید کر آزاد کیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مالک بنانا شرط ہے۔ لیکن اب نہ غلام ہیں اور نہ اُنکی آزادی کا مسئلہ اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قسم کی تفصیل ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اگر یہ مد کبھی وجود میں آ گیا تو پھر ان پر بھی زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔

(٦) **وَالْغَارِمِیْنَ کی تعریف:** چھٹا مصرف "غارمین" ہے غارم وہ شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کا قرض ہو اگرچہ وہ صاحبِ نصاب ہے لیکن لوگوں کے قرض اتنے ہوں کہ اُن کو ادا کرنے کے بعد اُس کے پاس اتنا مال نہیں بچتا کہ جو نصاب کے بقدر ہو مثلاً ایک شخص کے پاس دس ہزار روپے ہوں لیکن نو ہزار کا وہ مقروض ہے تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے بلکہ عام فقراء کے بجائے ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم دینا بہتر ہے۔

(۷) **فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ کی تعریف:** فی سبیل اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستہ میں دین کی سربلندی کے لئے نکلے ہوں خواہ وہ کفار سے برسرِ پیکار ہوں اور لڑائی کے لئے نکلے ہوں یا علومِ دینیہ کی تحصیل کے لئے نکلے ہوں یا دعوت و تبلیغ و وعظ و ارشاد کے لئے نکلے ہوں یا حج

بیت اللہ کے لئے نکلے ہوں۔ سفر کے دوران ان مذکورہ لوگوں کا مال ختم ہو جائے اور یہ محتاج و فقیر بن جائیں تو انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے اگر چہ یہ لوگ اپنے گھر، وطن میں مالدار کیوں نہ ہوں۔

(۸) **اِبْنُ السَّبِیْل کی تعریف**: اس سے مراد وہ مسافر ہے جو گھر اور وطن میں مال دار ہو مگر سفر کے دوران اُس کا مال چوری ہو گیا ہو یا کسی وجہ سے ضائع ہو گیا ہو اور فوری گھر سے منگوانے کی کوئی صورت نہ ہو تو گویا یہ شخص فی الوقت فقیر ہو گیا ہے اور فقیر کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے اِس حالت میں بھی بہتر تو یہی ہے کہ خود محنت کر کے کمائے یا قرض مل سکے تو قرض لے لے اور گھر جانے کے بعد ادا کر دے۔ لیکن اگر زکوٰۃ لے لے تو بھی کوئی حرج نہیں، البتہ ضرورت کے بقدر ہی لینا چاہیئے تاہم اگر سفر پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ کی کچھ رقم بچ گئی تو باقی ماندہ رقم کو صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

اَلَّذِیْ تَجِبُ عَلَیْهِ الخ: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ سات قسم کے لوگ زکوٰۃ کا مصرف ہیں، زکوٰۃ کے مستحق نہیں، چنانچہ مالکِ مال اگر ان اقسام میں سے ہر ایک کو دیدے تب بھی جائز ہے اور اگر پوری زکوٰۃ ایک ہی قسم کے لوگوں کو دیدے یا ایک ہی آدمی کو دیدے تب بھی جائز ہے۔

فائدہ: ایک ہی آدمی کو اتنا دینا کہ وہ خود مالدار ہو جائے اور اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے مکروہ ہے اگر چہ ایسا کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(در مختار مع رد المحتار، مراقی الفلاح مع الطحطاوی، ہدایہ، قاموس)

مَنْ لَّا يَجُوْزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلَيْهِ؟ ١۔ لَايَجُوْزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ لِكَافِرٍ۔ ٢۔ لَايَجُوْزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ لِغَنِيٍّ۔ ٣۔ لَايَجُوْزُ صَرْفُ الزَّكَاةِ عَلٰى طِفْلِ غَنِيٍّ۔ ٤۔ لَايَجُوْزُ صَرْفُ الزَّكَاةِ عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ. وَلَا عَلٰى مَوَالِيْهِمْ۔ ٥۔ لَايَجُوْزُ لِمَالِكِ النِّصَابِ أَنْ يَّصْرِفَ الزَّكَاةَ عَلٰى أَصْلِهٖ كَأَبِيْهِ، وَجَدِّهٖ وَإِنْ عَلَا۔ ٦۔ لَايَجُوْزُ لِمَالِكِ النِّصَابِ أَنْ يَّصْرِفَ الزَّكَاةَ عَلٰى فَرْعِهٖ كَإِبْنِهٖ وَابْنِ إِبْنِهٖ وَإِنْ سَفُلَ۔ ٧۔ لَايَجُوْزُ لِمَالِكِ النِّصَابِ أَنْ يَّصْرِفَ الزَّكَاةَ عَلٰى زَوْجَتِهٖ۔ كَذَا لَا تَصْرِفُ الزَّكَاةَ عَلٰى زَوْجِهَا۔ أَمَّا بَاقِي الْأَقَارِبِ فَإِنَّ صَرْفَ الزَّكَاةِ عَلَيْهِمْ أَفْضَلُ۔

حلِّ لغات: عَلَا؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف ناقص واوی از باب نصر بمعنی چڑھنا، بلند ہونا۔ سَفُلَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف صحیح از باب کرم بمعنی نیچے اترنا۔

ترجمہ: کس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے؟ (۱) کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (۲) مالدار کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (۳) مالدار کے بچے پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (۴) بنو ہاشم اور اُن کے آزاد کردہ غلاموں پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (۵) مالکِ نصاب کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کو اپنے اصول پر خرچ کرے، جیسا کہ اس کا باپ اور اس کا دادا اگر چہ اوپر چلے جائیں۔ (۶) مالکِ نصاب کے لئے جائز نہیں ہے کہ زکوٰۃ کو اپنے فروع پر خرچ کرے، جیسا کہ اس کا بیٹا اور پوتا اگر چہ نیچے چلے جائیں۔ (۷) مالکِ نصاب کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ اپنی بیوی پر خرچ کرے۔ اسی طرح بیوی اپنے شوہر پر زکوٰۃ خرچ نہیں کر سکتی ہے۔ بہر حال دیگر رشتہ دار تو اُن پر زکوٰۃ خرچ کرنا بہتر ہے۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اُن مقامات کا تذکرہ کیا جن میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے اب یہاں سے اُن مواقع کا تذکرہ فرماتے ہیں جن میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اُن میں سے (۱) ایک کافر ہے، کافر کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو اُن سے فرمایا: کہ اہلِ یمن کے مالداروں سے زکوٰۃ لی جائے گی اور اُن کے فقراء کو دی جائے گی۔ اسی طرح کافر کو صدقۃ الفطر، عشر، نذر، اور کفارات کی رقم دینا جائز نہیں ہے۔ ان مذکورہ اشیاء کے علاوہ کوئی نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔

(۲) دوسرا مالدار ہے۔ مالدار کو بھی زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں، اور شریعتِ مُطہرہ کی نظر میں وہ شخص مالدار ہے جس کے پاس نصاب کے بقدر مال موجود ہو۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ"۔

(۳) مالدار کی نابالغ اولاد کو بھی زکوٰۃ کی رقم نہیں دے سکتے کیونکہ نابالغ اولاد اپنے باپ کی وجہ سے مالدار شمار ہوتی ہے اس لئے کہ نابالغ اولاد اپنے مال و دولت فقر و مالداری میں اپنے ماں باپ کے تابع ہوتی ہے۔ البتہ مالدار شخص کی (۱) بالغ اولاد جو محتاج اور فقیر ہوں۔ (۲) یا مالدار شخص کے والدین اور دیگر تمام رشتہ دار جو فقیر اور مستحق ہوں۔ (۳) یا مالدار کی بیوی جو فقیر ہو ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اس لئے کہ شریعت میں ہر ایک کی ملکیت کا الگ الگ اعتبار ہے کوئی دوسرے کے تابع نہیں ہے۔

(۴) بنوہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے یعنی سادات، اور بنوہاشم، ان کی اولاد، آزاد کردہ غلام ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اے بنوہاشم اللہ نے تمہارے واسطے لوگوں کے ہاتھوں میں دھوون اور اُن کا میل کچیل ناپسند کیا ہے۔ اور اسکے عوض تم کو خُمس کا خُمس دیا ہے "یعنی مالِ غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے تو غازیوں میں تقسیم ہونگے اور پانچویں حصہ کے پھر پانچ حصے کیئے جائینگے اُن میں سے ایک بنوہاشم کا ہے اور باقی چار دوسرے مصارف میں خرچ کیئے جائینگے اسی طرح واجب صدقات بھی ان کو دینا جائز نہیں ہے جیسے: صدقۂ فطر، نذر، کفارہ، عشر۔ حضرات سادات اور بنوہاشم کی شرافت کا یہ تقاضہ ہے کہ انہیں یہ اموال نہ دیئے جائیں۔ کیونکہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی ہے۔ البتہ نفلی صدقات، ہدیہ وغیرہ سے ان کی مدد کرسکتے ہیں۔

بنوہاشم کون لوگ ہیں؟ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد خواہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہو خواہ دوسری ازواج کے بطن سے ہو اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بنوہاشم میں داخل ہیں۔ (۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد بمع حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے۔ (۳) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد۔ (۴) حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد۔ (۵) حارث رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب اور اُن کی اولاد اور (۶) مذکورہ حضرات کے آزاد کردہ غلام۔ مذکورہ حضرات اور ان کی اولاد بنوہاشم اس لئے ہیں کہ یہ سب حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی طرف منسوب ہیں اور بنوہاشم کے آزاد کردہ غلام چونکہ بنوہاشم میں شامل ہیں اس لئے بنوہاشم کی طرح اُن کے واسطے بھی زکوٰۃ حلال نہیں ہے۔

(۵) اپنے اصول کو زکوٰۃ نہ دے جیسا کہ باپ دادا اگرچہ اُونچے درجہ کا ہو یعنی اگرچہ سلسلہ اوپر کو جائے۔ اپنے فروع کو بھی زکوٰۃ نہ دے اگرچہ نیچے درجہ کا ہو۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اور زکوٰۃ لینے والے کے درمیان ایسا رشتہ نہ ہو کہ مملوکہ اشیاء کے منافع میں وہ شریک رہتے ہوں، چنانچہ والدین اور پورا آبائی سلسلہ یعنی باپ، دادا، پردادا، ماں، دادی،

نانی، پر دادی، پر نانی، اور اولاد اور پوراذیلی سلسلہ پوتا، پڑپوتا، پوتی، پڑپوتی، نواسا، نواسی، ان میں سے کسی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ اصول کو زکوٰۃ دے جن سے یہ پیدا ہوا ہے اور نہ فروع کو زکوٰۃ دے جو اس سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۷) میاں بیوی بھی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے کیونکہ بیوی کا مال شوہر کا مال اور شوہر کا مال بیوی کا مال شمار ہوتا ہے کیونکہ عادۃً انکے درمیان منافع مشترک رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے مال سے فائدہ اُٹھاتے ہیں چنانچہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا ایسا ہے جیسا کہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ یا ایک جیب سے دوسری جیب میں ڈالدی اور ظاہر ہے کہ اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

أَمَّا بَاقِي الْأَقَارِبِ الخ: ان مذکورہ رشتہ داروں کے علاوہ باقی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسے بھائی، چچا، ماموں، سسر، بہن، خالہ، پھوپھی، ساس بشرطیکہ یہ فقیر اور محتاج ہوں۔ بلکہ ان کو زکوٰۃ دینے میں دُہرا ثواب ہے زکوٰۃ کی ادائیگی کا اور صلۂ رحمی کا حق ادا کرنے کا۔ (الہدایہ، مراقی الفلاح مع الطحطاوی، در مختار مع الشامیہ)

(۸) لَايَجُوْزُ صَرْفُ الزَّكَاةِ فِي بِنَاءِ مَسْجِدٍ، أَوْ فِي بِنَاءِ مَدْرَسَةٍ، أَوْ فِي إِصْلَاحِ طَرِيْقٍ، أَوْ قَنْطَرَةٍ۔ وَلَايَجُوْزُ صَرْفُ الزَّكَاةِ فِي تَكْفِيْنِ مَيِّتٍ، أَوْ فِي قَضَاءِ دَيْنِ الْمَيِّتِ، لِأَنَّ التَّمْلِيْكَ لَايَتَحَقَّقُ فِي جَمِيْعِ هٰذِهِ الصُّوَرِ. وَلَايَصِحُّ أَدَاءُ الزَّكَاةِ بِدُوْنِ التَّمْلِيْكِ۔ أَلْأَفْضَلُ صَرْفُ الزَّكَاةِ عَلَى الْأَقَارِبِ، ثُمَّ عَلَى الْجِيْرَانِ۔ يُكْرَهُ دَفْعُ الزَّكَاةِ لِوَاحِدٍ نِصَابًا كَامِلًا كَأَنْ دَفَعَ إِلٰى وَاحِدٍ مِأَتَيْ دِرْهَمٍ، أَوْ عِشْرِيْنَ مِثْقَالًا۔ لَايُكْرَهُ صَرْفُ الزَّكَاةِ عَلٰى مَدْيُوْنٍ لِقَضَاءِ دَيْنِهٖ أَكْثَرَ مِنَ النِّصَابِ كَأَنْ دَفَعَ إِلٰى رَجُلٍ أَلْفَ دِرْهَمٍ لِقَضَاءِ دَيْنِهٖ فَإِنَّهٗ لَايُكْرَهُ۔

حلِّ لغات: قَنْطَرَةٌ: بمعنی پُل جمع قَنَاطِرُ۔

ترجمہ: زکوٰۃ کو مسجد کی تعمیر میں یا مدرسہ کی تعمیر میں یا کسی سڑک کی مرمت کرنے میں یا پُل بنانے میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور زکوٰۃ کو مُردہ کو کفن پہنانے میں یا مُردہ کے قرض کی ادائیگی میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان تمام صورتوں میں مالک بنانا ثابت نہیں ہوتا۔ اور کسی کو مالک بنانے کے بغیر زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہیں ہے۔ سب سے بہتر طریقہ زکوٰۃ کو رشتہ داروں پر خرچ کرنا ہے اور پھر پڑوسیوں پر۔ ایک ہی شخص کو پورے نصاب کے بقدر زکوٰۃ دینا مکروہ ہے جیسا کہ ایک ہی شخص کو دو سو درہم یا بیس مثقال دیدے۔ کسی مقروض شخص پر اُس کے قرض کی ادائیگی کے لئے نصاب سے زیادہ زکوٰۃ خرچ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک شخص کو اسکے قرض کی ادائیگی کے لئے ایک ہزار درہم دیدے تو یقیناً یہ مکروہ نہیں ہے۔

تشریح: مصارفِ زکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے چوں کہ قرآنِ مجید نے حرفِ "لام" استعمال کیا ہے "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" ارشاد فرمایا ہے اور عام طور پر فقہاء و مفسرین نے یہاں "لام" کو تملیک کے معنی میں رکھا ہے، اس لئے علماء کی رائے ہے کہ فقراء و مساکین وغیرہ پر زکوٰۃ کی جو بھی رقم خرچ کی جائے وہ اس طرح ہو کہ اُن کو مالک بنا دیا جائے، ایسی تمام صورتوں میں جن میں مالک بنانے کی کیفیت نہ ہو یا جس مصرف میں رقم خرچ کی جا رہی ہے اُس میں مالک بننے کی صلاحیت ہی نہ ہو زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

چنانچہ مسجدوں اور مدرسوں اور پُلوں کی تعمیر، سڑکوں اور راستوں کی مرمت، اسی طرح نہر وآب رسانی کا نظم اور اس طرح کی دوسری چیزوں میں بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی، اسی طرح زکوۃ کے مال سے نہ کسی میت کو کفن دینا جائز ہے اور نہ ہی میت کا قرضہ ادا کرنا جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ کا رکن "مالک بنادینا ہے" اور یہاں میت میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

جن مستحقین کو زکوٰۃ دینی بہتر ہے: کچھ لوگ ہیں جن کو شریعت نے اس باب میں زیادہ حقدار سمجھا ہے، اس سلسلہ میں بنیادی اصول یہ ہے کہ جو زیادہ ضرورتمند ہو، وہ زکوٰۃ کا زیادہ مستحق ہے، اس کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کو جن کو زکوٰۃ لینی جائز ہے اُن کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے اور اس میں ثواب بھی زیادہ ہے جیسے بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، بھانجا، بھتیجا وغیرہ جبکہ یہ غریب ہوں۔ اور اگر رشتہ داروں میں کوئی مستحق نہ ہو تو پھر پڑوسیوں کو دینا زیادہ بہتر ہے۔

يُكْرَهُ دَفْعُ الزَّكَاةِ لِوَاحِدٍ الخ: مستحب طریقہ یہ ہے کہ دس دس بیس بیس روپے تقسیم کرنے کے بجائے ایک شخص کو اتنی مقدار میں زکوٰۃ دی جائے کہ اِسے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ اگر مقروض ہو تو قرض ادا ہو جائے، مسافر ہو تو منزل تک پہنچ جائے مُجاہد ہو تو جہاد کے لئے کافی ہو جائے۔ البتہ کسی ایک آدمی کو پورا ایک نصاب دینا مثلاً دوسو درہم دینا جو کہ چاندی کا نصاب ہے یا بیس مثقال سونا دینا جو کہ سونے کا نصاب ہے یہ مکروہ ہے کیونکہ اب یہ شرعاً "غنی" شمار ہوگا لیکن اگر کسی نے دیدیا تو کراہت کے ساتھ زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

فائدہ: یہ حکم اس وقت ہے کہ جب وہ فقیر صاحبِ عیال نہ ہو اور نہ اس پر کسی کا قرضہ ہو چنانچہ اگر کوئی شخص صاحب عیال ہو تو اس کو اتنامال دینا کہ اگر اُس کو عیال پر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کے حصہ میں نصاب (دوسو درہم) سے کم آئے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ شخص مقروض ہو تو اُس کو زکوٰۃ کا اتنا مال دینا کہ دین ادا کرنے کے بعد دوسو درہم سے کم رہ جائے بلا کراہت جائز ہے۔

فائدہ: یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ بعض دفعہ ایسی ضرورتیں پیش آجاتی ہیں کہ ایک نصاب سے کم مقدار اُس کو پورا نہیں کر سکتی: مثلاً کسی سنگین مرض کا آپریشن یا لڑکی کی شادی وغیرہ، ایسے موقع پر ایک سے زیادہ نصاب دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ شریعت کا اصل منشا ضروریاتِ انسانی کی تکمیل ہے، اور یہاں ضرورت کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

لَايُكْرَهُ صَرْفُ الزَّكَاةِ عَلٰى مَدْيُوْنٍ الخ۔ یہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔ اس کی وضاحت وَالْغَارِمِيْنَ کے تحت گزر چکی ہے۔ (الہدایہ، قاموس الفقہ، در مختار، کتب الاختیار لتعلیل المختار)

يُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكَاةِ مِنْ بَلَدٍ إِلٰى بَلَدٍ آخَرَ لِغَيْرِ ضَرُوْرَةٍ۔ وَلَا يُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكَاةِ إِلٰى قَرَابَتِهٖ۔ وَلَا يُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكَاةِ إِلٰى قَوْمٍ هُمْ أَحْوَجُ إِلَى الزَّكَاةِ مِنْ أَهْلِ بَلَدِهٖ۔ وَلَا يُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكَاةِ إِلٰى مَصْرِفٍ هُوَ أَنْفَعُ لِلْمُسْلِمِيْنَ كَالْمَدَارِسِ الْخَيْرِيَّةِ۔

حلِّ لغات: أَحْوَجُ، صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل اجوف واوی از باب نصر بمعنی زیادہ محتاج۔ مَصْرِفٌ، صیغہ واحد بحث اسم ظرفِ مکان جمع مَصَارِفُ۔

ترجمہ: بغیر کسی ضرورت کے زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے۔ اور زکوٰۃ کو اپنے رشتہ داروں کی طرف منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اور زکوٰۃ کو ایسے لوگوں کی طرف منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے جو کہ زکوٰۃ کے زیادہ محتاج ہوں زکوٰۃ ادا کرنے والے کے شہر والوں کے مقابلہ میں۔ اور زکوٰۃ کو ایسے محل کی طرف منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے جو مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہو جیسا کہ دینی مدارس۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے (مکروہ سے مراد مکروہِ تنزیہی ہے) بلکہ جس قوم سے زکوٰۃ لی گئی ہے اسی قوم کے غریبوں میں اُس کو تقسیم کر دینا چاہیے اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جس جگہ کے مالداروں سے زکوٰۃ لی گئی ہے اُسی جگہ کے فقراء پر اُس کو تقسیم کر دیا جائے، دوسری دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کو منتقل نہ کرنے میں پڑوسی کے حق کی رعایت ہے اور منتقل کرنے میں اِس حق کو ترک کرنا لازم آتا ہے، ہاں اگر دوسرے شہر میں کسی کے قرابت دار رہتے ہوں یا دوسرے شہر کے لوگ اس کے شہر کے لوگوں سے زیادہ محتاج ہوں تو منتقل کرنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ جب دوسرے شہر میں اس کے رشتہ دار ہیں تو اُن کو زکوٰۃ دینے میں زکوٰۃ کے ثواب کے علاوہ صلہ رحمی بھی ہے اور اگر دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج ہیں تو اِس لئے کہ زکوٰۃ کا مقصود محتاج کی حاجت کو پورا کرنا ہے اور جو شخص زیادہ محتاج ہے وہ زیادہ مستحق ہے۔ ہمارے زمانہ میں دینی عربی مدارس، دینی اداروں، تنظیموں اور رفاہی تحریکات کو جو زکوٰۃ بھیجی جاتی ہے وہ اِسی حکم میں ہے۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ محتاج علماء، علومِ دینیہ کے طلبا، صُوفیا اور دینی کام کرنے والوں کی زکوٰۃ سے مدد کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ (اشرف الہدایہ، قاموس الفقہ، در مختار مع رد المحتار، مراقی الفلاح مع طحطاوی، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، کتاب الاختیار لتعلیل المختار)

كِتَابُ الْحَجِّ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران: ۹۷) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ﴾ (رواہ البخاری ومسلم) اَلْحَجُّ فِي اللُّغَةِ: اَلْقَصْدُ إِلٰى مُعَظَّمٍ۔ وَالْحَجُّ فِي الشَّرْعِ: هُوَ زِيَارَةُ بِقَاعٍ مَخْصُوْصَةٍ فِي وَقْتٍ مَخْصُوْصٍ عَلٰى وَجْهٍ مَخْصُوْصٍ۔ قَدْ أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى فَرْضِيَّةِ الْحَجِّ، وَلَمْ يَخْتَلِفْ فِي فَرْضِيَّتِهٖ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

حلِ لغات: حَجٌّ؛ حاء کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے باب نصر کا مضاعف ثلاثی سے بمعنی زیارت کرنا۔ اور حِجٌّ؛ حاء کے کسرہ کے ساتھ اسم مصدر ہے یعنی مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کو کہتے ہیں۔ لَمْ يَرْفُثْ؛ صیغہ واحد مذکر بحث نفی جحد بلم در فعل مستقبل معروف صحیح از باب نصر بمعنی فحش گوئی نہیں کی۔ بِقَاعٌ؛ جمع ہے بُقْعَةٌ کی بمعنی زمین کا ٹکڑا۔

ترجمہ: حج کی کتاب۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا، جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو اللہ پرواہ نہیں کرتا جہان کے لوگوں کا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ کے لئے حج کیا پس اس نے کوئی بے حیائی اور گناہ کا کام نہیں کیا تو وہ لوٹے گا اُس دن کی طرح جس دن اُس کی ماں نے اُس کو جنا تھا۔

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (بخاری، مسلم عن معاویہؓ)

کتاب الصوم تا آخر

جلد دوم

تصحیح شدہ ایڈیشن

اَلْعِلْمُ الْمُنَوَّرُ

اردو شرح

اَلْفِقْهُ الْمُيَسَّرُ

مبتدی، منتہی طلبائے کرام بالخصوص ائمہ مساجد کیلئے انتہائی مفید

مقاصد

1. مکمل وصحیح اعراب
2. حل لغات
3. صرفی تحقیق
4. آسان لفظی ترجمہ
5. مسائل کی حسب ضرورت مکمل ومدلل تشریح
6. ابواب کے مناسب مفید مسائل کا اضافہ

تالیف

ابوجریر حضرت مولانا احسان اللہ دولی صاحب مدظلہ

فاضل مدرسہ عربیہ رائیونڈ، استاذ جامعہ ابن عباس تخت بھائی مردان خیبر پختونخواہ

مکتبہ ابن عباسؓ اندرون جامعہ ابن عباس تخت بھائی (مردان)

0336-9559130

email:abusauda81@gmail.com

حج کی لغوی تعریف: قابلِ احترام چیز کا ارادہ کرنا۔ **حج کی شرعی تعریف:** خاص مقامات کی خاص وقت میں خاص طریقہ کے مطابق زیارت کرنا۔ تحقیق حج کے فرض ہونے پر پوری امت نے اتفاق کیا ہے، مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی اس کی فرضیت میں اختلاف نہیں کیا۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ زکوٰۃ کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد حج کو بیان فرماتے ہیں حج چونکہ مرکب ہوتا ہے عبادتِ بدنیہ اور عبادتِ مالیہ سے اس لئے اس کو زکوٰۃ سے مؤخر کیا جو کہ صرف عبادتِ مالیہ ہے۔ کیونکہ مرکب مفرد کے بعد ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ہر سال فرض ہے جبکہ حج عمر میں ایک بار فرض ہے ہر سال نہیں۔

کتاب الحج کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ عبادات تین قسم کی ہیں: (۱) محض بدنی جیسے: نماز اور روزہ۔ (۲) محض مالی جیسے زکوٰۃ۔ (۳) دونوں سے مرکب جیسے: حج۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ اول دو سے فارغ ہو گئے تو تیسری قسم کو شروع فرمایا۔

لفظِ حج بفتح الحاء اور بکسر الحاء دونوں طرح استعمال ہوتا ہے بفتح الحاء جیسے "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ" اور بکسر الحاء جیسے "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ"۔

حج کی حکمت و مصلحت: اسلام کی کوئی عبادت ایسی نہیں ہے کہ جس میں تربیت اور تزکیۂ نفس کا کوئی پہلو موجود نہ ہو، اور کوئی شبہ نہیں کہ اِن میں سے ایک حج بھی ہے حج کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ایسی بین الاقوامی اجتماعیت، یکسانیت، اور وحدت کا ظہور ہوتا ہے کہ کالے گورے، امیر غریب، خوبصورت بدصورت، عالم اور جاہل، وجیہ اور باوقار اور عامی سے عامی، مرد عورت، مختلف علاقوں کے رہنے والے، مختلف زبانوں والے، مختلف تہذیب و تمدُّن کے نمائندے، اور مختلف مزاج و مذاق کے حامل، الگ الگ قوموں سے تعلق رکھنے والے، ندائے خلیل پر لبیک کہتے ہوئے مکہ کی وادی میں حاضر ہیں، اِن کے لباس کی یکسانیت بھی قابلِ دید ہے، مقامِ عبادت بھی ایک ہے، ایک ہی طرح کا عمل سب کو کرنا ہے، ہر ایک کی زبان پر ایک ہی کلمۂ تلبیہ کا زمزمہ ہے، عرفات کا میدان ہو یا منیٰ کا صحرا، مزدلفہ کی پہاڑیاں ہوں یا صفا مروہ کے درمیان کی شاہراہ، کعبہ ہو یا مطاف، ہر جگہ اختلاف و تفریق کی ساری دیواریں منہدم ہیں اور اہلِ ایمان دوش بدوش، قدم بہ قدم خدا کی رضا کی طلب میں مشغول ہیں، کوئی بتا سکتا ہے کہ اس سے بڑھ کر مُساوات، اخوت، برادری، برابری کا بین الاقوامی اظہار اور کیا ہو گا؟ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے برکت حاصل کرتے ہوئے نیز آنے والے احکام پر بطورِ دلیل کے کتاب الحج کے شروع میں قرآن کریم کی ایک آیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ذکر کی ہے۔ پھر حج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف فرمائی ہے۔

حج کی اصطلاحی تعریف میں فرمایا کہ مخصوص مقامات کی، مخصوص مقامات سے مراد کعبہ اور عرفات ہیں، مخصوص اوقات میں، مخصوص اوقات سے مراد شوال اور ذی قعدہ اور ذی الحجہ کا پہلا عشرہ بشمول دسویں ذی الحجہ ہے۔ مخصوص طریقہ پر، مخصوص طریقہ سے مراد حج کی نیت سے احرام باندھنے کی حالت میں زیارت کرنا، زیارت سے مراد وقوفِ عرفہ، اور طوافِ زیارت ہے۔

قَدْ أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ الخ: قرآن وسنت سے حج کا ثبوت پیش کرنے کے بعد اب مصنف رحمۃ اللہ علیہ شریعت کی تیسری دلیل (اجماع) سے حج کا ثبوت پیش فرماتے ہیں: کہ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا حج کے فرض ہونے پر اتفاق چلا آرہا ہے، کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔

حج کب فرض ہوا؟ اس بارے میں بذل المجہود میں متعدد اقوال مذکور ہیں: (۱) ۵ ہجری۔ (۲) ۶ ہجری۔ (۳) ۹ ہجری۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ نقایہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضۂ حج ۱۰ ہجری میں ادا کیا ہے جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۹ ہجری میں حج کیا ہے اور حج اِسی سال فرض ہوا تھا اور ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر لوگوں کو عتّاب بن اُسید نے حج کرایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد امیر مکہ انہیں کو مقرر فرمایا تھا۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک ۶ ہجری میں حج فرض ہوا ہے اس لئے کہ آیت "وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ" ۶ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔

اس بارے میں بڑا اختلاف ہے کہ ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کئے ہیں، چنانچہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال حج کیا کرتے تھے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط تین حج کئے ہیں دو ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد دس ہجری میں حجۃ الوداع، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے تین حج کئے ہیں، ملا علی قاری اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے بہت حج کئے ہیں جنکی تعداد ہمیں معلوم نہیں۔ تفسیری روایات سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے، مکہ معظمہ آکر اللہ کے حکم سے فرشتوں کی رہنمائی میں بیت اللہ شریف کی بنیادی قائم فرمائیں اور حج ادا فرمایا اور اس کے بعد برابر حجاز مقدس کے اسفار فرماتے رہے جن میں سے تین سو اسفار حج کے لئے اور سات سو اسفار عمرے کے لئے فرمائے۔

حج پہلی امتوں پر فرض تھا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں: (۱) پہلی امتوں پر بھی حج فرض تھا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۲) وجوبِ حج امتِ محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے پہلی امتوں پر حج فرض نہ تھا یہی صحیح ہے۔ (در مختار، مع رد المحتار، کتاب المسائل، طحطاوی مع مراقی الفلاح، قاموس الفقہ)

شُرُوْطُ فَرْضِيَّةِ الْحَجِّ۔ اَلْحَجُّ فَرْضُ عَيْنٍ مَرَّةً وَاحِدَةً فِي الْعُمْرِ عَلٰى كُلِّ فَرْدٍ مِنْ ذَكَرٍ، أَوْ أُنْثٰى إِذَا تَوَفَّرَتْ فِيهِ الشُّرُوْطُ الْآتِيَةُ: ۱۔ أَنْ يَّكُوْنَ مُسْلِمًا. فَلَا يَجِبُ عَلَى الْكَافِرِ۔ ۲۔ أَنْ يَّكُوْنَ بَالِغًا. فَلَا يَجِبُ عَلَى الصَّبِيِّ۔ ۳۔ أَنْ يَّكُوْنَ عَاقِلًا. فَلَا يَجِبُ عَلَى الْمَجْنُوْنِ۔ ۴۔ أَنْ يَّكُوْنَ حُرًّا. فَلَا يَجِبُ عَلَى الرَّقِيْقِ۔ ۵۔ أَنْ يَّكُوْنَ مُسْتَطِيْعًا. فَلَا يَجِبُ عَلَى الَّذِيْ لَا يَسْتَطِيْعُ۔ وَمَعْنَى الْإِسْتِطَاعَةِ أَنْ يَّمْلِكَ الزَّادَ وَالرَّاحِلَةَ زَائِدَيْنِ عَنْ نَفَقَةِ عِيَالِهٖ لِمُدَّةِ غِيَابِهٖ۔

حلِّ لغات: مُسْتَطِيْعًا: صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل اجوف واوی از باب استفعال بمعنی کسی چیز کی طاقت رکھنے والا۔ زَادٌ: بمعنی توشہ، زادِ راہ جمع أَزْوِدَةٌ۔ اَلرَّاحِلَةُ: بمعنی سواری جمع رَوَاحِلُ۔

ترجمہ: حج کے فرض ہونے کی شرطیں۔ حج فرضِ عین ہے پوری عمر میں ایک مرتبہ ہر شخص پر خواہ مرد ہو یا عورت جب اُس میں آنے والی شرطیں کامل طور پر پائی جائیں: (۱) ایک یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، لہٰذا کافر پر حج فرض نہیں ہے۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ بالغ ہو، لہٰذا بچے پر حج فرض نہیں ہے۔ (۳) تیسری یہ ہے کہ عقلمند ہو، لہٰذا دیوانے پر حج فرض نہیں ہے۔ (۴) چوتھی یہ ہے کہ آزاد ہو، لہٰذا غلام پر حج فرض نہیں ہے۔ (۵) پانچویں یہ ہے کہ (حج کی) طاقت رکھنے والا ہو، لہٰذا اُس شخص پر حج فرض نہیں ہے جو استطاعت نہ رکھے۔ اور استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ زادِ راہ، اور سواری کا مالک ہو جبکہ یہ دونوں چیزیں اس کے غائب رہنے تک اُس کے اہل وعیال کے خرچ سے زائد ہوں۔

تشریح: حج کے فرض ہونے کے لئے مختلف قسم کی شرطیں ہیں: بعض وجوب کی شرطیں ہیں، بعض ادا کی شرطیں ہیں، بعض صحت کی شرطیں ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے وجوب کو بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے یعنی ہر سال فرض نہیں ہے کیونکہ حج کا سبب بیت اللہ شریف ہے اور وہ ایک ہے اس لئے حج بھی ایک بار فرض ہے۔ نیز ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے بار بار سوال پر کہ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا بھی یہ بتاتا ہے کہ حج ایک ہی بار فرض ہے۔

پھر حج کی شرائط میں سے (۱) پہلی شرط: اسلام ہے یعنی مسلمان ہونا۔ چنانچہ کافر پر حج فرض نہیں ہے، مثلاً کفر کی حالت میں اتنا مالدار تھا کہ حج کر سکے، پھر اسلام قبول کیا اور حج کی استطاعت باقی نہ رہی تو حج اس کے ذمہ نہ ہوگا جب تک کہ مسلمان ہو جانے کے بعد حج پر قادر نہ ہو۔ نیز کافر فروع یعنی احکامات کا مکلّف نہیں بلکہ اصول یعنی اسلام لانے کا مکلّف ہے۔

(۲) دوسری شرط: بالغ ہونا، نابالغوں پر حج فرض نہیں اگرچہ وہ مال اور استطاعت والے ہوں اگر وہ حج کرلیں تو نفل ہوگا، فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوگا بالغ ہونے کے بعد اگر اس پر حج فرض ہوا تو پھر حج کرنا ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے جس بچہ نے دس حج کئے پھر وہ بالغ ہو گیا تو اُس پر فریضۂ حج لازم ہے، نیز حج ایک عبادت ہے اور بچوں سے تمام عبادتیں اُٹھالی گئیں ہیں اس لئے حج بھی بچوں پر فرض نہ ہوگا۔

(۳) تیسری شرط: عقلمند ہونا، عقل کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ بغیر عقل کے مکلّف بنانا درست نہیں۔

(۴) چوتھی شرط: آزاد ہونا، یہ اس لئے شرط ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ غلام اگر دس حج کرلے اور پھر آزاد ہو تو اس پر فریضۂ حج لازم ہوگا یعنی آزادی سے پہلے جو حج کئے ہیں اُن سے فریضۂ حج ادا نہ ہوگا۔ نیز حج بغیر مال کے نہیں ہو سکتا کیونکہ حج کے لئے زادِ راہ اور سواری کی ضرورت ہے اور غلام اِن چیزوں کا مالک ہونے پر قادر نہیں، نیز حج کی طویل مدت میں آقا کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

(۵) پانچویں شرط: استطاعت ہے، پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے استطاعت کا مطلب بیان کیا کہ استطاعت سے مراد مالی اعتبار سے حج ادا کرنے پر قدرت کا حاصل ہونا ہے، اس میں تین چیزیں داخل ہیں اول توشۂ سفر مہیا ہو، دوم سواری مہیا ہو، (خود سواری کا مالک ہو یا کرایہ پر حاصل کرے) تیسرے اِس سفر کے دوران اُن لوگوں کے اخراجات ادا کر سکتا ہو، جن کے حقوق اُس کے ذمہ ہیں اس تیسری بات کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے زَائِدَیْنِ الخ سے بیان کیا ہے کہ جس طرح حج کے واجب ہونے کے لئے زاد اور راحلہ پر قدرت شرط ہے اسی طرح یہ

بھی شرط ہے کہ وہ مال تا واپسی اہل وعیال کے خرچ سے زائد ہو کیونکہ بیوی بچوں کا خرچ واجب ہے اور بندوں کا حق شریعت کے حق سے مقدم اور ضروری ہے۔ نیز وہ مال جس سے زاد اور راحلہ حاصل کرے گا اس کے رہنے کے مکان اور ضروری سامان سے زائد ہو۔ ضروری سامان جیسے خادم، گھریلو سامان مثلاً بستر فرش، کھانے پکانے کا سامان، استعمال کے کپڑے، سواری، ہتھیار وغیرہ کیونکہ یہ سب چیزیں حاجتِ اصلیہ کے ساتھ مشغول ہیں اور جو چیز حاجتِ اصلیہ کے ساتھ مشغول ہوتی ہے وہ معدوم یعنی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

فائدہ: مکۃ المکرمہ اور اس کے گرد ونواح کے باشندوں پر حج واجب ہونے کے لئے راحلہ (سواری) کی شرط نہیں بشرطیکہ وہ پیدل چلنے پر قدرت رکھتے ہوں اگرچہ تھوڑی بہت مشقت اٹھانی پڑے۔ اور مکہ کے گرد ونواح سے مراد میقات اور مکہ کے درمیان بسنے والے لوگ ہیں یا وہ لوگ جن کے اور مکہ کے درمیان تین دن سے کم فاصلہ ہو۔ (ہدایہ، مراقی مع طحطاوی، در مختار مع رد المحتار، کتاب الاختیار)

شُرُوْطُ وُجُوْبِ الْأَدَاءِ۔ لَایَجِبُ أَدَاءُ الْحَجِّ إِلَّا إِذَا وُجِدَتِ الشُّرُوْطُ الْآتِیَةُ: ۱۔ سَلَامَةُ الْبَدَنِ فَلَا یَجِبُ أَدَاءُ الْحَجِّ عَلَىٰ مُقْعَدٍ، وَمَفْلُوْجٍ، وَشَیْخٍ فَانٍ لَایَقْدِرُ عَلَى السَّفَرِ۔ ۲۔ زَوَالُ مَا یَمْنَعُ الذَّهَابَ. فَلَا یَجِبُ أَدَاؤُهُ عَلَى الْمَحْبُوْسِ، وَالْخَائِفِ مِنَ السُّلْطَانِ الَّذِیْ یَمْنَعُ عَنِ الْحَجِّ۔ ۳۔ أَمْنُ الطَّرِیْقِ. فَلَا یَجِبُ أَدَاؤُهُ إِذَا لَمْ یَكُنِ الطَّرِیْقُ مَأْمُوْنًا۔ ٤۔ وُجُوْدُ زَوْجٍ أَوْ مَحْرَمٍ فِیْ حَقِّ الْمَرْأَةِ. سَوَاءٌ كَانَتِ الْمَرْأَةُ شَابَّةً أَوْ عَجُوْزًا۔ فَلَایَجِبُ أَدَاءُ الْحَجِّ إِذَا لَمْ یَكُنْ مَعَهَا زَوْجٌ. أَوْ مَحْرَمٌ۔ ٥۔ عَدَمُ قِیَامِ الْعِدَّةِ فِیْ حَقِّ الْمَرْأَةِ. فَلَا یَجِبُ أَدَاؤُهُ عَلَى الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ مُعْتَدَّةً۔

حلّ لغات: **مُقْعَدٌ**؛ بمعنی تُعاد کی بیماری والا، اپاہج، صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول صحیح از بابِ افعال۔ **مَفْلُوْجٌ**؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول صحیح از باب سمع بمعنی فالج زدہ ہونا۔ **شَیْخٌ**؛ بمعنی بوڑھا جمع **شُیُوْخٌ**۔ **فَانٍ**؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل ناقص یائی از باب سمع بمعنی انتہائی بوڑھا ہونا۔ **شَیْخٌ فَانٍ**؛ انتہائی بوڑھا۔ **مَحْبُوْس**؛ بمعنی قیدی۔ **شَابَّةٌ**؛ صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل مضاعف ثلاثی از باب ضرب بمعنی جوان عورت۔ **عَجُوْزٌ**؛ بمعنی بوڑھی عورت۔ **مُعْتَدَّةٌ**؛ صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل مضاعف ثلاثی از باب افتعال بمعنی طلاق یا شوہر کی وفات پر سوگ منانے والی عورت۔

ترجمہ: حج کی ادائیگی کے واجب ہونے کی شرطیں۔ حج کی ادائیگی اسی وقت ضروری ہے کہ جب آنے والی شرطیں پائی جائیں: (۱) بدن کا صحیح سالم تندرست ہونا۔ لہٰذا حج کی ادائیگی واجب نہیں ہے اپاہج پر اور فالج زدہ پر، اور انتہائی بوڑھے شخص پر جو سفر کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ (۲) اُن اسباب کا ختم ہونا جو جانے سے رکاوٹ ہوں۔ لہٰذا حج کی ادائیگی واجب نہیں ہے قیدی پر اور اُس بادشاہ سے ڈرنے والے پر جو بادشاہ حج سے روکتا ہو۔ (۳) راستے کا پُرامن ہونا۔ لہٰذا حج کی ادائیگی واجب نہیں ہے جبکہ راستہ محفوظ نہ ہو۔ (۴) عورت کے حق میں شوہر یا مَحْرَم کا موجود ہونا، خواہ عورت جوان ہو یا بوڑھی ہو۔ لہٰذا حج کی ادائیگی واجب نہیں ہے جبکہ عورت کے ساتھ شوہر یا مَحْرَم نہ ہو۔ (۵) عورت کے حق میں عدت کا نہ پایا جانا، لہٰذا حج کی ادائیگی عورت پر واجب نہیں ہے جبکہ عدت میں ہو طلاق کی وجہ سے یا (شوہر کی) وفات کی وجہ سے۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے وہ شرائط ذکر کرئیں جن کے پائے جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے اب یہاں سے اُن شرائط کو بیان فرماتے ہیں جن کے پائے جانے پر حج ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور یہ کُل پانچ شرطیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: (۱) پہلی شرط: یہ ہے کہ بدن تندرست ہو چنانچہ لنجے، اپاہج، لنگڑے لُولے، دونوں پاؤں کٹے ہوئے، نابینا، بیمار پر حج واجب نہیں اگرچہ حج کے فرض ہونے کی باقی تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔ حضرات علماء کرام کی ایک بڑی تعداد نے جن میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما بھی ہیں یہ کہا ہے کہ ایسے شخص پر واجب ہے کہ حج بدل کرائے اور یہ حج اس کی بیماری تک کافی ہو جائے گا، اگر پھر صحت مند ہو گیا اور سفر کی استطاعت ہے تو دوبارہ حج کرنا ضروری ہو گا اسی پر فتویٰ ہے۔

فائدہ: حج بدل کے احکام ان شاء اللہ بڑی کتابوں میں اپنے موقع پر آجائیں گے۔

(۲) دوسری شرط: رکاوٹوں کا دور ہونا ہے؛ جسکی صورت یہ ہے کہ ویزا مل جائے یا پرائیوٹ سکیم کے تحت جانے والوں کی درخواست منظور ہو جائے یا قرعہ اندازی میں نام نکل آئے، لہٰذا اگر کوئی شخص تندرست اور صاحبِ استطاعت ہے لیکن جیل میں ہے یا اس کو حکومتِ وقت کی طرف سے ویزا نہ مل پائے تو اُس کے حق میں وجوبِ ادا کی شرط نہیں پائی گئی اور اُس پر حج کی ادائیگی میں تاخیر کا گناہ نہ ہو گا تاہم اس پر لازم ہے کہ ہر سال ویزہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے اور زندگی سے مایوس ہونے کے وقت اپنی طرف سے حج کی وصیت کر دے۔

(۳) تیسری شرط: راستہ کا پُرامن اور محفوظ ہونا ہے یعنی سلامتی غالب ہو چاہے بحری راستہ ہو یا خشکی کا راستہ ہو موجودہ زمانہ میں بحری اور فضائی سفر مامون راستہ ہی کے حکم میں ہے، ہاں اگر درمیان میں جنگ جاری ہو اور اس کی زد میں آنے کا خطرہ ہو، اسی طرح جان یا مال کے متعلق خوف ہو تو حج ادا کرنا فرض نہیں۔

فائدہ: عورت کے لئے مندرجہ بالا تین شرائط کے ساتھ مزید دو شرطیں ہیں چنانچہ چوتھی اور پانچویں شرط خاص طور پر خواتین سے متعلق ہیں۔

(۴) چوتھی شرط: خواتین کے لئے مَحْرَم رشتہ دار کا ہونا، خواہ جوان ہوں یا بوڑھی، یعنی خواتین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شوہر یا مَحْرَم رشتہ دار بھی ساتھ ہو بشرطیکہ مکہ عورت کے شہر سے تین دن (اڑتالیس ۴۸ میل) کی مسافت پر ہو لہٰذا اگر اس سے کم مسافت ہو تو مَحْرَم کے بغیر بھی سفر کر سکتی ہے۔

فائدہ: مَحْرَم اس رشتہ دار کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو خواہ قرابت کی وجہ سے ہو یا رضاعت کی وجہ سے ہو یا دامادیت کی وجہ سے ہو جیسے باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، چچا، ماموں، سُسر، داماد۔

فائدہ: مَحْرَم کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عاقل، بالغ یا کباز ہو آزاد ہو یا غلام، لہٰذا اگر مَحْرَم فاسق ہے کہ اس کے ساتھ جانے میں فتنہ کا اندیشہ ہے یا وہ مَحْرَم بچہ ہے تو اس کا عورت کے ساتھ جانا جائز نہ ہو گا۔ کیونکہ اِن سے حفاظت کی غرض حاصل نہیں ہوتی۔

فائدہ: عورت پر حج فرض ہونے کے لئے مالی استطاعت میں مزید شرط یہ ہے کہ وہ اپنے اخراجات کے ساتھ مَحْرَم یا شوہر کے اخراجات کی بھی مالک ہو لہٰذا اگر اس کے پاس صرف اپنے حج کے بقدر مال ہے تو اس پر راجح قول کے مطابق حج فرض نہیں ہے۔

فائدہ: اگر کوئی عورت مَحْرَم یا شوہر کے بغیر تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت طے کر کے حج کو جائے اور حج کے تمام ارکان و مناسک ادا کر لے تو اگرچہ وہ مکروہِ تحریمی کام کرنے کی وجہ سے سخت گنہگار ہوگی لیکن اُس کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔

(۵) پانچویں شرط: یہ ہے کہ عورت طلاق یا شوہر کی وفات کی وجہ سے عدّت میں نہ ہو چنانچہ اگر سفرِ حج شروع ہونے سے پہلے وفات یا طلاق کی عدت شروع ہو جائے تو عورت پر اب حج کی ادائیگی واجب نہیں بلکہ اب اُس پر لازم ہے کہ اپنا سفرِ حج ملتوی کر دے اور آئندہ حج کرے۔

فائدہ: اور اگر عدّت کے زمانہ میں سفر کر کے حج کرے گی تو حج ادا تو ہو جائے گا لیکن شریعت کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے سخت گنہگار ہوگی۔

فائدہ: عدّت کہتے ہیں عورت کا سوگ منانا، پھر عدّت اگر طلاق کی ہو تو وہ تین حیض ہیں اور اگر شوہر کی وفات کی ہو تو وہ چار مہینے اور دس دن ہیں۔

فائدہ: کتاب کا مسئلہ تو اُس وقت تھا کہ جب سفر شروع کرنے سے پہلے عدت شروع ہو گئی لیکن اگر سفر شروع کرنے کے بعد معتدہ ہو گئی یعنی دورانِ سفر عدت کی صورت پیش آئی کہ یا تو کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو یا اُس کو طلاق ملی تو چونکہ عدت کی حالت عبادت اور افعالِ حج کے لئے رکاوٹ نہیں ہے بلکہ سفر کے لئے رکاوٹ ہے، چنانچہ اسی پسِ منظر میں حضرات علماء کرام نے ایسی عورت کے لئے درج ذیل احکام بیان فرمائے ہیں: (۱) اگر اُس کا گھر مسافتِ سفر (تین دن) سے کم دوری پر ہو تو گھر لوٹ آئے۔ (۲) اگر مکہ مکرمہ مسافتِ سفر سے کم دوری پر ہو تو سفرِ حج جاری رکھے یعنی مذکورہ دونوں صورتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ وطن اور مکہ میں سے جو قریب ہو وہاں چلی جائے۔ اور وہیں عدت گذار دے۔ (۳) اگر دونوں طرف مسافتِ سفر کا فاصلہ ہو اور عدّت ایسی جگہ شروع ہو گئی کہ جہاں ٹھہرنا ممکن ہو یعنی شہر ہو اور مَحْرَم ساتھ نہ ہو تو وہیں عدّت گذار لے اور سلسلۂ سفر منقطع کر دے اور اگر مَحْرَم ساتھ ہے تو حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سفرِ حج جاری رکھے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر منقطع کر دے۔

موجودہ زمانہ میں اپنے مُلک کی حدود سے نکلنے کے بعد مکہ سے پہلے قانونی مشکلات کی وجہ سے نہ قیام ممکن ہوتا ہے نہ سفر سے واپسی آسان ہوتی ہے، نیز قافلۂ حج میں کافی تعداد میں خواتین ہوتی ہیں ان کے ساتھ کسی خاتون کے رہنے میں فتنہ کا خطرہ کم ہوتا ہے اس لئے اپنے ملک سے نکلنے کے بعد اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ حج کا سفر برقرار رکھ سکتی ہے۔ (تسہیل، کتاب المسائل بحوالہ غنیۃ الناسک، در مختار مع رد المحتار)

شُرُوْطُ صِحَّةِ الْأَدَاءِ۔ لَايَصِحُّ أَدَاءُ الْحَجِّ إِلَّا إِذَا تَوَفَّرَتِ الشُّرُوْطُ الْآتِيَةُ: ۱۔ اَلْإِحْرَامُ: فَلَايَصِحُّ أَدَاءُ الْحَجِّ بِدُوْنِ الْإِحْرَامِ۔ اَلْإِحْرَامُ: هُوَ نِيَّةُ الْحَجِّ مَعَ التَّلْبِيَةِ مِنَ الْمِيْقَاتِ، وَنَزْعُ الثِّيَابِ الْمَخِيْطَةِ، وَإِرْتِدَاءُ

ثِيَابٍ غَيْرِ مَخِيْطَةٍ لِلرَّجُلِ، وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُوْنَ إِزَارًا وَرِدَاءً۔ وَالتَّلْبِيَةُ هِيَ أَنْ يَقُوْلَ: ﴿لَبَّيْكَ أَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ﴾ ۲۔ اَلْوَقْتُ الْمَخْصُوْصُ، فَلَايَصِحُّ أَدَاءُ الْحَجِّ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ، أَوْ بَعْدَهٗ۔ وَأَشْهُرُ الْحَجِّ: هِيَ شَوَّالٌ، وَذُوالْقَعْدَةِ، وَعَشْرُ ذِي الْحِجَّةِ، فَمَنْ طَافَ، أَوْ سَعٰى قَبْلَ ذَالِكَ لَمْ يَصِحَّ۔ وَيَصِحُّ الْإِحْرَامُ مَعَ الْكَرَاهَةِ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ۔ ۳۔ اَلْبِقَاعُ الْمَخْصُوْصَةُ: وَهِيَ أَرْضُ عَرَفَاتٍ لِلْوُقُوْفِ، وَالْمَسْجِدُ الْحَرَامُ لِطَوَافِ الزِّيَارَةِ۔ فَلَاتَصِحُّ أَدَاءُ الْحَجِّ إِذَا فَاتَ الْوُقُوْفُ بِعَرَفَةَ فِي وَقْتِ الْوُقُوْفِ۔ وَكَذَا لَايَصِحُّ أَدَاءُهٗ إِذَا فَاتَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ۔

حلِّ لغات: إِحْرَامٌ؛ مصدر ہے باب افعال کا صحیح سے بمعنی حرام کرنا۔ فقہ کی اصطلاح میں حج یا عمرہ کی نیت سے مخصوص لباس (بغیر سلائی کے تہبند اور چادر) پہن کر تلبیہ پڑھنا۔ تَلْبِيَةٌ؛ مصدر ہے ناقص یائی کا بمعنی لبیک کہنا۔ حاضر ہوں حاضر ہوں کہنا۔ وہ مخصوص کلمات جو حج یا عمرہ کا احرام باندھتے وقت کہے جاتے ہیں۔ مِيْقَاتٌ؛ صیغہ واحد بحث اسم آلہ کبریٰ بمعنی وقت۔ اصطلاح میں مختلف علاقوں سے حرم شریف آنے والوں کی مقرر حد جہاں سے وہ احرام باندھ کر آگے جاتے ہیں۔ اَلْمَخِيْطَةُ؛ صیغہ واحد مؤنث بحث اسم مفعول اجوف یائی از باب ضرب بمعنی سِلا ہوا۔ إِرْتِدَاءٌ؛ مصدر ہے باب افتعال کا ناقص یائی سے بمعنی چادر اوڑھنا۔ إِزَارٌ؛ بمعنی چادر، تہبند جمع أُزُرٌ۔ رِدَاءٌ؛ بمعنی چادر جمع أَرْدِيَةٌ۔ اَلْبِقَاعُ؛ جمع ہے بُقْعَةٌ کی بمعنی زمین کا ٹکڑا۔ جمع بُقَعٌ۔

ترجمہ: (حج کی) ادائیگی کے درست ہونے کی شرطیں۔ حج کی ادائیگی درست نہیں مگر اُس وقت کہ جب آنے والی شرطیں کامل طور پر پائی جائیں: (۱) احرام: لہٰذا بغیر احرام کے حج کی ادائیگی درست نہیں ہے۔ احرام: (کی تعریف) وہ میقات سے تلبیہ کہتے ہوئے حج کی نیت کرنا، اور سلے ہوئے کپڑے اُتارنا، اور مردوں کے لئے ایسے کپڑوں کی چادر بنانا جو سلے ہوئے نہ ہوں۔ اور مستحب یہ ہے کہ ایک تہبند اور ایک چادر ہو اور تلبیہ یہ ہے کہ کہے: ﴿لَبَّيْكَ أَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ﴾ ترجمہ: میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں، بے شک تمام تعریفیں اور تمام نعمتیں صرف تیرے لئے ہیں اور ساری بادشاہی بھی، تیرا کوئی شریک نہیں۔ (۲) مخصوص وقت: لہٰذا حج کی ادائیگی حج کے مہینوں سے پہلے یا انکے بعد درست نہیں ہے اور حج کے مہینے: وہ شوّال اور ذُوالقعدہ اور ذُوالحِجّہ کے دس دن ہیں، پس جس شخص نے طواف کیا یا سعی کی اِن مہینوں سے پہلے تو (حج کی) ادائیگی درست نہیں ہے۔ اور حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھنا کراہت کے ساتھ درست ہے۔ (۳) مخصوص جگہ: اور وہ عرفات کا عِلاقہ ہے وُقوف کے لئے، اور مسجدِ حرام ہے طوافِ زیارت کے لئے۔ لہٰذا حج کی ادائیگی درست نہیں ہے جب وقوف کے وقت میں عرفات میں وقوف رہ جائے۔ اور اسی طرح ادائیگی درست نہیں ہے جب مقامِ عرفات میں ٹھہرنے کے بعد طوافِ زیارت چھوٹ جائے۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حج کی ادائیگی کے واجب ہونے کی شرطیں ذکر فرمائیں کہ حج کی ادائیگی کن شرائط کے پائے جانے کے بعد واجب ہوگی، اب یہاں سے وہ شرائط ذکر فرماتے ہیں جن سے حج کی ادائیگی درست ہوگی۔ چنانچہ شرائطِ صحت تین ہیں۔ اس کتاب الحج کے آغاز میں جہاں حج کی تعریف گزر چکی ہے وہاں اس میں تینوں شرطیں بیان ہو چکی ہیں وہ تعریف یہ تھی: مخصوص طریقے پر، مخصوص اوقات میں، مخصوص مقامات کی زیارت کرنا۔ اب اس تعریف کی روشنی میں حج کی ادائیگی کے درست ہونے کی شرائط تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کیجئے:

(۱) پہلی شرط مخصوص طریقہ پر احرام کا ہونا: اور احرام تین چیزوں کا نام ہے: (۱) میقات سے حج کی نیت کرنا۔ (۲) نیت کے ساتھ ہی تلبیہ کہنا۔ (۳) سلے ہوئے کپڑے اُتار کر بغیر سلے کپڑے پہننا۔ جس میں مستحب یہ ہے کہ دو چادریں پہنے جیسا کہ عام دستور ہے (۱) تہبند (نیچے باندھنے کی چادر) (۲) اُوپر اوڑھنے کی چادر۔

فائدہ: یہ تیسری شرط صرف مردوں کے لئے ہے خواتین کے حق میں صرف دو ہی شرطیں ہیں: (۱) نیت، (۲) تلبیہ۔ باقی اُن کے اپنے کپڑے ہی احرام ہیں۔

فائدہ: ایک غلط فہمی کا ازالہ: لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ چادریں پہننے کا نام احرام ہے حالانکہ یہ تو احرام کا ایک کام ہے پورا احرام تو حج کی نیت کے ساتھ تلبیہ کہنا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کئی دن تک بھی صرف چادریں پہنا رہے مگر حج کی نیت کے ساتھ تلبیہ نہ پڑھے تو احرام شروع نہ ہوگا یعنی اُس پر احرام کی پابندیاں عائد نہ ہوں گی۔

(۲) دوسری شرط وقتِ مخصوص کا ہونا: وقتِ مخصوص سے مراد حج کے مہینے ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) شَوَّالُ الْمُكَرَّم۔ (۲) ذُوالْقَعْدَہ (۳) ذُوالْحِجَّہ کے دس دن اور ایامِ حج یعنی ۸ تا ۱۲ ذی الحجہ، اس زمانہ میں مناسک ادا کرنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ" ترجمہ: حج کے چند مہینے ہیں معلوم۔ (بقرہ ۱۹۷) لہٰذا ان مہینوں سے پہلے اور ان مہینوں کے بعد حج کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ حج کا احرام ان مہینوں سے پہلے بھی باندھ سکتے ہیں اس لئے کہ احرام شرط ہے اور شرط کو وقت پر مقدم کر سکتے ہیں جیسے طہارت نماز کے لئے شرط ہے جو نماز کے وقت سے پہلے بھی حاصل کرنا جائز ہے، لیکن یہ حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھنا خلافِ سنت اور مکروہ ہے، کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں احرام کی مدت طویل ہو جائے گی جس میں احرام کے فاسد ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کہ اتنے لمبے عرصہ تک احرام کی پابندیوں کا لحاظ رکھنا مشکل ہے۔

(۳) تیسری شرط افعالِ حج کی متعین مقامات پر ادائیگی: اور وہ دو مقامات ہیں: (۱) وقوفِ عرفہ کے لئے میدانِ عرفات۔ (۲) طوافِ زیارت کے لئے مسجدِ حرام لہٰذا مذکورہ مقامات کے علاوہ مناسک کی ادائیگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

فائدہ: احرام کی حکمت: احرام دراصل دربارِ خداوندی میں حاضری کے آداب میں داخل ہے کہ جو شخص بھی آفاق سے حرم میں آئے وہ ویسے ہی لاپرواہی سے نہ آئے جائے، بلکہ حج یا عمرہ کے احرام کی نیت کر کے تلبیہ کی رٹ لگاتے ہوئے آئے تاکہ عظمتِ خداوندی کا اظہار

ہو، اسی لئے بحالتِ احرام بہت سی حلال چیزوں کی بھی ممانعت کردی گئی اور یہ باور کرادیا کہ تحلیل و تحریم کا اختیار بندوں کے پاس نہیں ہے۔ احرام اسی حقیقت کو یاد دلانے کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔

احرام کی فضیلت: احرام کی حالت میں رہنا بجائے خود باعثِ فضیلت ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان ایک دن احرام کی حالت میں رہتا ہے تو سورج اس کے گناہوں کو اپنے ساتھ لے کر ڈوبتا ہے۔ (ترمذی، الترغیب والترہیب)

احرام کے چند متفرق مسائل: (۱) سمجھدار بچے کا احرام: سمجھدار اور باشعور بچہ خود ہی احرام باندھے گا، اور حج کے تمام ارکان و مناسک بالغ شخص کی طرح خود ہی ادا کرے گا، بلاعذر اسکی طرف سے نیابت درست نہیں ہے۔ (۲) ناسمجھ بچہ کا احرام: ناسمجھ اور بے شعور بچے کا خود احرام باندھنا معتبر نہیں ہے، بلکہ اُس کی طرف سے اس کا ولی احرام کی نیت کرے گا (احرام کی نیت سے مراد حج یا عمرہ کی نیت ہے) اور تلبیہ کہے گا۔

احرام کے واجبات: احرام میں فی الجملہ تین چیزیں واجب ہیں: (۱) میقات سے احرام باندھنا۔ (۲) ممنوعاتِ احرام سے بچنا۔ (۳) مَردوں کا سلا ہوا کپڑا اُتارنا۔

احرام کی چند سنتیں: (۱) حج کے مہینوں میں احرام باندھنا۔ (۲) اپنے شہر کے مخصوص میقات سے احرام باندھنا۔ (۳) احرام سے قبل غسل یا وضو کرنا۔ (۴) ایک چادر اور ایک لُنگی پہننا۔ (مردوں کے لئے) (۵) دو رکعت نماز ادا کرنا بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ (۶) احرام کے بعد تلبیہ کا مسلسل ورد رکھنا۔ (۷) مردوں کے لئے تلبیہ بلند آواز سے کہنا۔

مسائلِ تلبیہ: (۱) حج میں تلبیہ کی حیثیت تقریباً ایسی ہی ہے جیسی نماز میں تکبیرِ تحریمہ کی، اور تلبیہ کے منقول الفاظ وہ ہیں جو کتاب میں مذکور ہیں۔ (۲) دیگر اذکار مثلاً لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وغیرہ بھی تلبیہ کے قائم مقام ہوسکتے ہیں۔ (۳) عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان کا ترجمہ بھی کافی ہوسکتا ہے مگر عربی افضل ہے۔

(۴) تلبیہ اصل میں ندائے ابراہیمی کا جواب ہے۔ حضرت ابو الطفیل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے تلبیہ کی اصل کیا ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ نہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کا اعلان کرنے کا حکم ہوا تو پہاڑوں نے اپنی چوٹیاں جھکالیں اور شہر اور آبادیاں اُن کے لئے بلند کردی گئیں، پھر آپ علیہ السلام نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا تو ہر چیز نے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہا، چنانچہ جس شخص نے بھی اس ندا کے جواب میں عالم ارواح میں جتنی مرتبہ لَبَّیْک کہا اسے اُتنی مرتبہ حج وعمرہ کی توفیق ہوگی۔

(۵) تلبیہ حج کا خاص شعار ہے۔ تلبیہ پڑھنے والے کے ساتھ دیگر مخلوقات کی شرکت، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو بھی تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ پڑھتا ہے تو اس کے دائیں، بائیں جتنے بھی پتھر یا درخت یا مٹی کے ذرات ہیں وہ سب تامنتہائے زمین اس کے ساتھ تلبیہ پڑھنے لگتے ہیں۔

(۶) تلبیہ زبان سے کہنا شرط ہے۔ تلبیہ زبان سے اس طرح کہنا شرط ہے کہ حروف صحیح ادا ہوں اور کم از کم خود سُن رہا ہو، اگر دل میں تلبیہ پڑھا یا اس طرح زبان سے پڑھا کہ حروف تو صحیح ہو گئے مگر خود سُن نہیں سکا یعنی بہت ہی آہستہ پڑھا تو تلبیہ معتبر نہ ہو گا۔

(۷) تلبیہ کے الفاظ میں کمی زیادتی: تلبیہ کے الفاظ میں بعد میں زیادتی تو مستحب ہے مگر درمیان میں زیادتی کرنا یا تلبیہ کے منقول الفاظ سے کم کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔

(۸) مرد زور سے تلبیہ پڑھیں: مردوں کے لئے تلبیہ قدرے بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے مگر اس قدر زور سے چیخ چیخ کر بھی نہ پڑھے جس سے تھکن ہو۔

(۹) عورتیں تلبیہ آہستہ آواز سے پڑھیں: تاکہ کوئی اجنبی نہ سن سکے۔

(۱۰) تلبیہ کتنی بار پڑھنا مستحب ہے؟ تلبیہ تین بار پڑھنا مستحب ہے جس کی صورت یہ ہے کہ تین بار لگاتار مسلسل پڑھے درمیان میں بات نہ کرے۔

(۱۱) تلبیہ کب تک جاری رکھے؟ احرام باندھنے کے وقت سے تلبیہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو عمرہ میں طواف شروع کرنے تک اور حج میں دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی تک جاری رہتا ہے اِن اوقات کے بعد تلبیہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ بعض لوگ عمرہ کے طواف اسی طرح حج میں طوافِ زیارت کے دوران بھی تلبیہ پڑھتے ہیں، یہ طریقہ خلافِ سنت ہے جس سے احتراز لازم ہے۔

(۱۲) تلبیہ پڑھنے والے کو سلام کرنا۔ اگر کوئی آدمی تلبیہ پڑھ رہا ہو تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۱۳) تلبیہ پڑھنے والا سلام کا جواب کب دے؟ اگر کسی نے تلبیہ پڑھنے والے کو سلام کر لیا تو تلبیہ پڑھنے والے کو چاہئے کہ درمیانِ تلبیہ جواب نہ دے بلکہ تلبیہ ختم کر کے جواب دے۔ (کتاب المسائل بحوالہ غنیۃ الناسک، در مختار، بحر الرائق، البحر العمیق، شامی، فتاوٰی سراجیہ، مناسک ملا علی، ہدایہ، ہندیہ، ترغیب وترہیب)

مِيقَاتُ الإِحْرَامِ۔ اَلْمِيقَاتُ: هُوَ الْمَكَانُ الَّذِي لَا يَجُوزُ لِلْآفَاقِي إِذَا قَصَدَ الْحَجَّ أَنْ يُجَاوِزَهُ بِدُونِ إِحْرَامٍ۔ مَوَاقِيتُ الإِحْرَامِ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْجِهَاتِ۔ فَمِيقَاتُ أَهْلِ الْيَمَنِ، وَالْهِنْدِ: يَلَمْلَمُ۔ وَمِيقَاتُ أَهْلِ مِصْرَ، وَالشَّامِ، وَالْمَغْرِبِ: الْجُحْفَةُ۔ وَمِيقَاتُ أَهْلِ الْعِرَاقِ، وَسَائِرِ أَهْلِ الشَّرْقِ: ذَاتُ عِرْقٍ۔ وَمِيقَاتُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ الْمُنَوَّرَةِ: ذُو الْحُلَيْفَةِ۔ وَمِيقَاتُ أَهْلِ نَجْدٍ: قَرْنٌ۔ فَكُلُّ مَنْ مَرَّ بِمِيقَاتٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَوَاقِيتِ، أَوْ حَاذَاهُ قَاصِدًا الْحَجَّ وَجَبَ عَلَيْهِ الإِحْرَامُ، وَلَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يُجَاوِزَهُ بِدُونِ إِحْرَامٍ۔ وَمِيقَاتُ أَهْلِ مَكَّةَ: نَفْسُ مَكَّةَ سَوَاءٌ كَانُوا مِنْ أَهْلِهَا، أَوْ كَانُوا مُقِيمِينَ بِهَا۔ وَمِيقَاتُ مَنْ يَسْكُنُ بَعْدَ الْمَوَاقِيتِ وَقَبْلَ مَكَّةَ: الْحِلُّ۔ فَهُوَ يُحْرِمُ مِنْ مَنْزِلِهِ، أَوْ مِنْ أَيِّ مَكَانٍ شَاءَ قَبْلَ حُدُودِ الْحَرَمِ۔

حلِ لغات: آفَاقِي؛ افق بمعنی کنارہ کی طرف منسوب ہے وہ شخص جو میقات کی حدود سے باہر رہتا ہو جیسے ہندوستانی، پاکستانی، مصری، شامی، عراقی، اور ایرانی۔ حَاذَاهُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف ناقص یائی از باب مفاعلہ مقابل میں ہونا۔ نَفْسٌ؛ بمعنی بذاتِ خود جمع نُفُوسٌ۔

ترجمہ: احرام باندھنے کی مقرر جگہیں۔ میقات وہ جگہ ہے جہاں سے بغیر احرام کے آفاقی کے لئے گزرنا جائز نہیں ہے جبکہ وہ حج کا ارادہ کرچکا ہو۔ احرام کے مقامات اطراف کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ یمن والوں کی میقات ''یَلَمْلَمْ'' ہے۔ اور مصر، شام، اور مغرب والوں کی میقات ''جُحفہ'' ہے اور عراق، اور تمام مشرق والوں کی میقات ''ذَاتِ عِرق'' ہے۔ اور مدینہ منورہ والوں کی میقات ''ذوالحلیفہ'' ہے۔ اور نجد والوں کی میقات ''قَرْنٌ'' ہے۔ تو ہر وہ شخص جو حج کی نیت کر کے ان میقاتوں سے گذرے یا ان کے مقابل میں ہو تو اس پر احرام باندھنا واجب ہے۔ اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ میقات سے بغیر احرام کے گزرے۔ اور مکہ والوں کی میقات خود ''مکہ'' ہی ہے خواہ وہ مکہ کے باشندے ہوں یا وہاں مقیم ہوں۔ اور اُس شخص کی میقات جو میقات کے بعد اور مکہ مکرمہ سے پہلے رہائش پزیز ہو ''حِلّ'' ہے چنانچہ وہ اپنی رہائش گاہ سے یا جس جگہ سے وہ چاہے حرم سے پہلے پہلے احرام باندھے۔

تشریح: اب تک اس بات کا بیان ہوا کہ حج کس پر فرض ہے اور کس پر نہیں اور حج واجب ہونے کی کیا کیا شرطیں ہیں۔ اب یہاں سے یہ بات ذکر کی جائے گی کہ حج کا آغاز کہاں سے ہوگا۔ چنانچہ حج کی ادائیگی کے لئے جیسے شرعاً ایک وقت مقرر ہے جس کو ''میقاتِ زمانی'' کہا جاتا ہے اور وہ شوال، ذی قعدہ، اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں، اس وقت سے پہلے حج کا کوئی عمل مثلاً: وقوفِ عرفہ، طوافِ زیارت، سعی وغیرہ ادا کرنا معتبر نہیں، بلکہ حج کا احرام باندھنا بھی ان مہینوں سے پہلے مکروہِ تحریمی ہے ٹھیک اسی طرح جگہیں بھی متعین ہیں جن کو ''میقاتِ مکانی'' کہا جاتا ہے اور میقات کی جمع مواقیت آتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے گرد چاروں طرف کچھ مقامات متعین فرمادیئے ہیں جہاں پہنچ کر مکہ مکرمہ جانے والوں پر احرام باندھنا ضروری ہے خواہ حج کا احرام باندھیں یا عمرہ کا، بغیر احرام کے ان مقامات سے گذرنا اور ان جگہوں سے احرام باندھے بغیر آگے بڑھنا جائز نہیں۔ خواہ کسی بھی مقصد کے لئے مکہ جارہا ہو حج ہو یا عمرہ، کسی تجارتی غرض سے جارہا ہو یا دوستوں، عزیزوں سے ملاقات کے لئے بہرحال بیت اللہ کا یہ حق اُن کے ذمہ ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں، اگر حج کا وقت ہے تو حج کا ورنہ عمرہ کا احرام باندھیں۔ پھر اپنے کام میں مشغول ہوں۔

میقات کے احکام سمجھنے سے پہلے آپ یہ بات سمجھیں کہ ساری دنیا درج ذیل تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے ہر حصہ کا میقات الگ الگ ہے۔

(۱) **حرم:** یہ بیت اللہ شریف کے ارد گرد چاروں طرف کا مخصوص علاقہ ہے، جس کی تعیین سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نشاندہی پر کی تھی اور اب پہچان کے لئے سعودی حکومت نے وہاں نشانات بھی لگادیئے ہیں: اس کی مشہور حدود درج ذیل ہیں: (۱) **تَنْعِیْم:** یہ مدینہ منورہ کے راستہ پر واقع ہے، یہاں اب ایک شاندار مسجد ''مسجدِ عائشہ'' کے نام سے بنی ہوئی ہے۔ یہ جگہ مسجدِ حرام سے ساڑھے سات کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ (۲) **نَخْلَة:** یہ طائف اور مکہ کے درمیان ہے مسجدِ حرام سے ۱۳ کلو میٹر دور ہے۔ (۳) **إِضَاةِ لَبَن:** اس کو عَكِیْشِیَه بھی کہتے ہیں اس کا فاصلہ مسجدِ حرام سے سولہ کلو میٹر ہے۔ (۴) **جِعِرَّانَه:** یہ بھی طائف کی جانب واقع ہے اور مسجدِ حرام سے ۲۲ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ (۵) **حُدَیْبِیَة:** جسے شُمَیْسَه بھی کہتے ہیں اس کا فاصلہ مسجدِ حرام سے ۲۲ کلو میٹر ہے۔ (۶) **جبلِ عرفات:** اس کو ذات السلیم بھی کہتے ہیں، اس جانب کا فاصلہ بھی ۲۲ کلو میٹر ہے۔ ان حدود کے اندر رہنے والوں کو اہلِ حرم یا مکی کہا جاتا ہے۔

(۲) حِلّ: یہ حرم اور میقات کا درمیانی حصہ ہے یہاں کے رہنے والوں کو اہلِ حِل یا حِلّی کہا جاتا ہے۔
(۳) آفاق: یہ دنیا کا وہ تمام علاقہ ہے جو میقات سے باہر ہے، یہاں کے رہنے والوں کو اہلِ آفاق یا آفاقی کہا جاتا ہے۔ جیسے ہم پاکستانی باشندے میقات سے باہر رہتے ہیں لہٰذا ہم حج کے مسائل میں آفاقی ہیں۔
اہلِ آفاق کی میقات: اہلِ آفاق کی میقات ایک نہیں بلکہ ''تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْجِهَاتِ'' اطراف کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے پانچ میقاتوں کا تعیّن ثابت ہے۔ ذاتِ عرق کے علاوہ چار میقات کا ثبوت بخاری، مسلم کی حدیث سے ہے اور ذاتِ عرق مسلم اور ابو داؤد کی حدیث سے ثابت ہے۔ (۱) **یَلَمْلَمْ:** یمن اور اسی طرح ہندوستان، پاکستان والوں کے لئے میقات ہے اس کو آج کل ''سعدیہ'' کہا جاتا ہے یہ وادیٔ تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے جنوب مشرق میں تقریباً ۹۲/ یا ۱۲۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

(۲) **جُحْفَه:** مصر، شام، اردن، فلسطین اور مغربی جانب سے براستہ تبوک مکہ آنے والے حُجاج کرام کے لئے میقات ہے جو مکہ سے تقریباً ۳۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آج کل یہ جگہ متعین نہیں ہے، اس لئے اس کے قریب ''رابغ'' نامی ساحلی قصبہ سے احرام باندھا جاتا ہے جو طریق بدر پر واقع ہے، اس جگہ سے مکہ معظمہ کی مسافت تقریباً ۱۸۲/ یا ۱۸۷ کلو میٹر ہے۔

(۳) **ذَاتُ عِرْقٍ:** عراق، خراسان، ماوراء النہر اور حرم مبارک کے مشرقی علاقوں سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ مقام بھی مکہ مکرمہ سے تین مراحل یعنی چھتیس میل (تقریباً ۹۰/ کلو میٹر) کے فاصلہ پر ہے اور یہ مکہ کے شمال مشرق میں واقع ایک بستی کا نام ہے۔

(۴) **ذُوالْحُلَيْفَه:** یہ اہلِ مدینہ اور مدینہ کے راستہ سے گذرنے والوں کے لئے میقات ہے جسے لوگ ''بیرِ علی'' بھی کہتے ہیں یہ مدینہ منورہ سے کچھ ہی دور تقریباً چھ میل (آٹھ، نو کلو میٹر) کے فاصلہ پر طریقِ ہجرت (شارعِ مکہ) پر واقع ہے۔ یہاں ایک شاندار مسجد ''مسجدِ میقات'' کے نام سے بنی ہوئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں یہیں سے احرام باندھا تھا۔ اس مقام سے مکہ معظمہ کا فاصلہ ۴۱۰/ کلو میٹر ہے۔

(۵) **قَرْنُ الْمَنَازِلْ:** نجد سے آنے والے لوگوں کے لئے ''قَرْنُ الْمَنَازِلْ'' میقات ہے، اس کو آج کل ''السیل'' کہا جاتا ہے، یہ مکہ معظمہ سے مشرق کی جانب عرفات کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے جو میدانِ عرفات پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ یہاں سے مکہ معظمہ کا فاصلہ تقریباً ۸۰/ کلو میٹر ہے۔
فَكُلُّ مَنْ مَرَّ الخ: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا مواقیت کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اہلِ آفاق اگر مکہ مکرمہ جانا چاہتے ہوں تو حدودِ میقات یا ان حدود کی محاذات سے مکہ کی طرف آگے بڑھنے سے پہلے ان پر احرام باندھنا واجب ہے۔
''حَاجًّا'' مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حج کے ارادے سے مکہ جانے والے پر میقات سے پہلے احرام باندھنا واجب ہے حالانکہ عمرہ، تجارت، ملازمت، دوستوں، رشتہ داروں سے ملاقات وغیرہ کے لئے جانے کا بھی یہی حکم ہے۔ کہ بدون احرام باندھے مواقیت

سے گذرنا جائز نہیں اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ''لَایَدْخُلُ اَحَدٌ مَکَّۃَ اِلَّا بِالْاِحْرَامِ'' (احرام کے بغیر کوئی مکہ میں داخل نہ ہو) دوسری بات یہ ہے کہ احرام باندھنا سرزمین حرم کی تعظیم کے پیشِ نظر واجب ہوا ہے نہ کہ حج اور عمرہ کی شرط ہونے کی وجہ سے اور تعظیم میں سب برابر ہیں یعنی سب پر برابر درجہ تعظیم حرم واجب ہے خواہ وہ حج، عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو خواہ ان دونوں کے علاوہ تجارت وغیرہ کا۔

فائدہ: اگر کوئی آفاقی اپنے علاقے کے بجائے کسی دوسرے علاقے سے مکۃ المکرمہ آنے کا ارادہ رکھتا ہو تو پھر اس علاقے کی طرف سے جو ''میقات'' مقرر ہے وہاں سے احرام کے ساتھ گذرنا واجب ہے۔

فائدہ: اوپر جو یہ بیان ہوا کہ آفاقی آدمی پر میقات پہنچ کر احرام باندھنا واجب ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کے ارادے سے اپنے گھر سے احرام باندھ کر نکلا تو بھی جائز ہے بلکہ افضل ہے۔

افضلیت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ" کی تفسیر میں حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرنے کا مطلب گھر سے احرام باندھ کر نکلنا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں مَشَقَّتْ زیادہ ہے اور جس کام میں مَشَقَّتْ زیادہ ہو وہ افضل ہوتا ہے۔

وَمِیْقَاتُ اَھْلِ مَکَّۃَ الخ: یہاں سے اہلِ مکہ یعنی حدودِ حرم کے اندر رہنے والوں کا میقات بیان فرماتے ہیں کہ حج میں اُن کا میقات وہ خود مکہ یعنی حرم ہے، حدودِ حرم کے اندر اندر پورے دائرۂ حرم میں جہاں سے چاہیں حج کا احرام باندھیں خواہ گھر سے باندھیں خواہ مسجدِ حرام سے باندھیں لیکن مسجدِ حرام سے باندھنا افضل ہے۔

سَوَاءٌ کَانُوْا مِنْ اَھْلِھَا: خواہ وہ حرمِ مکہ کے باشندے ہوں، باشندوں سے مراد جو مکہ میں رہائش پزیر ہوں خواہ مکہ ان کا وطنِ اصلی ہو یا وطنِ اقامت جیسے باہر ملکوں سے مزدوری کے سلسلہ میں مقیم لوگ۔

اَوْ کَانُوْا مُقِیْمِیْنَ بِھَا: خواہ عارضی طور پر وہاں ٹھہرے ہوئے ہوں جیسے حجِ تمتع میں عمرہ کرنے کے بعد مکہ معظمہ میں حُجاجِ کرام مقیم رہتے ہیں۔ یہ تو اس وقت تھا کہ جب حج کا احرام باندھنا چاہیں لیکن اگر اہلِ مکہ عمرہ کرنا چاہتے ہوں تو پھر حدودِ حرم سے باہر جا کر احرام باندھ لیں اور ساری زمینِ حِلّ میقات ہے البتہ عمرہ کے لئے مقام "تنعیم" (مسجدِ عائشہ) سے احرام باندھنا افضل ہے۔

فائدہ: اہلِ مکہ کے لئے حج اور عمرہ کے میقات میں فرق اسلئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ایسا ہی فرمایا ہے یعنی اہلِ مکہ کے لئے حج اور عمرہ میں یہی مقرر فرمایا ہے نیز حج عرفات میں ادا کیا جاتا ہے اور عرفات ''حِلّ'' میں واقع ہے تو حرم سے احرام باندھنے میں ایک طرح کا سفر کرنے والا ہو جائے گا۔ اور عمرہ حرم میں ادا کیا جاتا ہے تو سفر کو ثابت کرنے کے لئے احرام حدودِ حرم سے باہر ''حِلّ'' سے باندھنا ہوگا۔

وَمِیْقَاتُ مَنْ یَسْکُنُ الخ: یہاں سے ان لوگوں کا میقات بیان فرماتے ہیں جو عام میقاتوں کے اندر لیکن حدودِ حرم سے باہر رہتے ہیں جن کو اہلِ حِلّ کہا جاتا ہے خواہ وہ حِلّ کے رہائشی ہوں یا عارضی طور پر وہاں ٹھہرے ہوئے ہوں، ان لوگوں کا میقات حج اور عمرہ دونوں میں ''حِلّ'' ہی ہے یعنی جب بھی وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھنا چاہیں تو پورا علاقۂ حِلّ ان کے لئے میقات ہے، اپنے گھر سے یا حدودِ حرم سے پہلے پہلے جہاں

سے چاہیں احرام باندھ لیں لیکن اپنے گھر سے احرام باندھنا اِن کے لئے افضل ہے۔ اور اگر یہ لوگ حج اور عمرہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ جانا چاہیں تو اِن پر احرام باندھنے کی کوئی پابندی نہیں جب چاہیں مکہ مکرمہ بغیر احرام کے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ان کو کثرت سے آنے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اگر ان پر بھی احرام لازم کردیا جائے تو یہ مشقت میں پڑ جائینگے۔ (کتاب الاختیار لتعلیل المختار، در مختار مع رد المحتار)

أَرْكَانُ الْحَجِّ۔ لِلْحَجِّ رُكْنَانِ فَقَطْ: ١۔ اَلْوُقُوْفُ بِأَرْضِ عَرَفَةَ مِنْ زَوَالِ الْيَوْمِ التَّاسِعِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ إِلَى فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ۔ وَيَتَحَقَّقُ الْوُقُوْفُ الْمَفْرُوْضُ بِعَرَفَةَ بِوُقُوْفِ لَحْظَةٍ بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔ ٢۔ اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ۔ وَيُسَمّٰى هٰذَا الطَّوَافُ طَوَافَ الزِّيَارَةِ، وَطَوَافَ الْإِفَاضَةِ أَيْضًا۔

حلِّ لغات: أَشْوَاطٌ؛ بمعنی چکر جمع ہے شَوْطٌ کی۔ اَلْإِفَاضَةُ؛ مصدر ہے بابِ افعال کا بمعنی متفرق و منتشر ہونا۔ یہاں مراد عرفات سے واپس کرنا ہے۔

ترجمہ: حج کے ارکان۔ حج کے صرف دو رکن ہیں: (۱) عرفات کے میدان میں ذی الحجہ کی نویں تاریخ کے زوالِ آفتاب سے لے کر دسویں ذی الحجہ (قربانی کے دن) کی فجر تک ٹھہرنا۔ اور میدانِ عرفات میں ان دو وقتوں کے درمیان ایک لحہ ٹھہرنے سے فرض وقوف ثابت ہو جاتا ہے۔ ۲۔ کعبہ شریفہ کے ارد گرد سات چکر لگانا میدانِ عرفات میں ٹھہرنے کے بعد، اور اس طواف کا نام "طوافِ زیارت" اور "طوافِ افاضہ" بھی رکھا جاتا ہے۔

تشریح: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ حج کے فرائض بیان فرماتے ہیں۔ حج کے فرائض میں دو طرح کے اعمال شامل ہیں: ایک تو وہ عمل جس کا تحقق اور پایا جانا عمل سے پہلے ضروری ہے، جس کو اصطلاح میں شرط کہتے ہیں اب تک مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قسم کے فرائض کو ذکر کیا۔ دوسرے وہ اعمال جو اصل عمل میں شامل ہیں جن کو اصطلاح میں ارکان کہتے ہیں اب اسی قسم کے فرائض کو بیان کرتے ہیں اور یہ دو ہیں: (۱) وقوفِ عرفہ۔ (۲) طوافِ زیارت۔ ان دو فرائض کا حکم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی فرض بھی چھوٹ جائے تو حج صحیح نہیں ہوگا اور نہ ہی دم وغیرہ کے ذریعہ اس حج کی کمی پوری ہو سکتی ہے۔

وقوفِ عرفہ کا مطلب: یہ ہے کہ میدانِ عرفات میں (جو مکہ سے تقریباً پندرہ کلو میٹر کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان میدان ہے) نویں ذی الحجہ کے دن زوالِ آفتاب سے لے کر دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک ٹھہرنا۔ وقوفِ عرفہ کے ادا کرنے میں مختلف درجات اور مراتب ہیں جنہیں بالترتیب بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) فرض مقدار: جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ نویں ذی الحجہ کو زوالِ آفتاب کے بعد سے دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک کسی بھی وقت ٹھہرنا، خواہ وہ ٹھہرنا (وقوف) ایک سکینڈ اور ایک منٹ کے لئے کیوں نہ ہو، اس وقت میں یہ وقوف خواہ پیدل ہو یا سوار ہو کر، اپنی مرضی سے ہو یا کسی کی زبردستی سے ہو، جاگتے ہوئے ہو یا سوتے ہوئے، ہوش میں ہو یا بے ہوشی میں، زمین پر ہو یا ہوائی جہاز میں سوار ہو کر گزرا ہو، ہر حالت میں فرض وقوف ادا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس پورے وقت میں لحہ بھر کے لئے بھی میدانِ عرفات میں نہیں آیا تو اس کا حج ادا نہیں ہو گا۔

(۲)واجب مقدار: نویں ذی الحجہ کو زوال سے غروبِ آفتاب تک وقوف کرنا یعنی میدانِ عرفات میں ٹھہرنا واجب ہے لہٰذا اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب سے پہلے عرفات کی حدود سے نکل جائے تو واجب چھوڑنے کی وجہ سے جرمانہ "دَم" واجب ہوگا۔

(۳)مستحب مقدار: میدانِ عرفات میں کھڑے ہو کر وقوف کرنا اور دعا وغیرہ میں مشغول ہونا زوالِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک، غروبِ آفتاب کے بعد ٹھہرنا سنت نہیں ہے۔ نیز وقوف سے پہلے غسل کرنا اور جبلِ رحمت کے قریب وقوف کرنا مستحب ہے مگر اس پر چڑھنا کوئی ثواب کی بات نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔

فائدہ: وقوف کی دو شرطیں ہیں: (۱) وقوف میدانِ عرفات میں ہو۔ جہاں کہیں ٹھہرے، صرف "بطنِ عُرنہ" کا علاقہ مستثنیٰ ہے وہاں وقوف کرنا کافی نہ ہوگا۔ بطنِ عُرنہ وہ وادی ہے جہاں شیطان ٹھہرا تھا۔ (۲) دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک وقوف کرنا۔

دوسرا رکن طوافِ زیارت: کیونکہ ارشادِ باری عزّ اسمہ ہے ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ (یعنی بندے بیت العتیق کا طواف کریں) اس ارشادِ باری میں طواف کا حکم دیا گیا ہے۔

جائز وقت: طوافِ زیارت کا وقت دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر بارھویں ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب تک ہے۔ اس دوران کسی بھی وقت میں طواف کرنا جائز ہے۔

مسنون وقت: دسویں ذی الحجہ کو رمی، قربانی، اور حلق یا قصر (حجامت) کے بعد طوافِ زیارت کرنا مسنون ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے جب سر منڈایا تو مکہ مکرمہ تشریف لائے اور بیت اللہ کا طواف فرمایا پھر اسی دن منیٰ واپس آکر ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔

مکروہ وقت: بارھویں ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب کے بعد مؤخر کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ: یعنی سات چکر؛ اور چکر سے مراد یہ ہے کہ طواف حجرِ اسود سے شروع کرے جب دوبارہ حجرِ اسود پر پہنچے تو یہ ایک چکر ہو گیا اسی طرح سات چکر لگائے۔ طوافِ زیارت کے سات چکروں میں سے چار فرض اور بقیہ تین واجب ہیں، اگر یہ تین شُوط چھوڑ دیئے تو "دَم" (قربانی) کے ذریعہ تلافی ہو سکتی ہے۔ اس طواف کو طوافِ زیارت، طوافِ افاضہ، طوافِ فرض، طوافِ یوم النحر، طوافِ رکن بھی کہتے ہیں۔ طوافِ زیارت تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں بیت اللہ شریف کی زیارت ہوتی ہے۔ اور طوافِ افاضہ اسلئے کہتے ہیں کہ افاضہ کا معنی ہے عرفات سے واپس آنا اور منتشر ہونا۔ چونکہ یہ طواف بھی عرفات سے واپسی پر کیا جاتا ہے، اس لئے اس کو طوافِ افاضہ کہتے ہیں۔ (در مختار، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، طحطاوی)

وَاجِبَاتُ الْحَجِّ۔ وَاجِبَاتُ الْحَجِّ كَثِيْرَةٌ مِنْهَا: ۱۔ إِنْشَاءُ الْإِحْرَامِ مِنَ الْمِيْقَاتِ۔ ۲۔ اَلْوُقُوْفُ بِمُزْدَلِفَةَ وَلَوْ سَاعَةً. وَوَقْتُهُ مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْفَجْرِ إِلَى طُلُوْعِ الشَّمْسِ فِي الْيَوْمِ الْعَاشِرِ۔ ۳۔ إِيْقَاعُ طَوَافِ الزِّيَارَةِ فِي أَيَّامِ النَّحْرِ۔ ۴۔ اَلسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ، وَإِبْتِدَاءُ السَّعْيِ مِنَ الصَّفَا. وَإِنْتِهَاؤُهُ إِلَى الْمَرْوَةِ۔ ۵۔ طَوَافُ الصَّدْرِ لِغَيْرِ أَهْلِ مَكَّةَ، وَيُسَمّٰى طَوَافَ الْوَدَاعِ أَيْضًا۔

حلِّ لُغات:مُزْدَلِفَة: منٰی اور عرفات کے درمیان ایک وسیع میدان ہے جو منٰی سے تقریباً تین میل مشرق کی جانب ہے، حُجاجِ کرام عرفات سے واپسی پر یہاں رات کو قیام اور فجر کو وقوف کرتے ہیں۔

مزدلفہ کی وجہ تسمیہ: "مزدلفہ" کی وادی کو مزدلفہ کہنے کی متعدد وجوہات ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:(۱)"مزدلفہ" إِزْدِلَافٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ اجتماع کے آتے ہیں، کیونکہ یہاں بھی حاجیوں کا اجتماع ہوتا ہے۔(۲)"تَزَلُّفٌ" سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ تقرّب کے آتے ہیں؛اس لئے کہ یہاں اللہ سے تقرب والے اعمال کئے جاتے ہیں۔(۳)یہ "زُلْفَه" سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ رات کے ایک حصہ کے آتے ہیں؛کیونکہ یہاں رات میں آمد ہوتی ہے۔

مزدلفہ کے دیگر نام:(۱)مزدلفہ،(۲)مَشْعَرِ حرام،(۳)جَمْع۔

وَدَاعٌ:اسم مصدر ہے بمعنیٰ رخصتی۔

ترجمہ:حج کے واجبات:حج کے واجبات بہت ہیں جن میں سے دس(۱۰)مندرجہ ذیل ہیں:(۱)میقات سے احرام باندھنا۔(۲)مزدلفہ میں ٹھہرنا اگرچہ ایک گھڑی ہی ہو۔اور وقوف کا وقت دسویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز کے بعد سے لے کر سورج کے نکلنے تک ہے۔(۳)قربانی کے دنوں میں طوافِ زیارت ادا کرنا۔(۴)صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ چکر لگانا اور صفا سے سعی کو شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا۔(۵)طوافِ صدر کرنا مکہ والوں کے علاوہ لوگوں کے لئے اور اسکا نام "طوافِ وَدَاع" بھی رکھا جاتا ہے۔

تشریح:مصنف رحمۃ اللہ علیہ ارکانِ حج کو بیان کرنے سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے حج کے واجبات کو بیان فرماتے ہیں؛چنانچہ حج کے واجبات بہت سارے ہیں، بعض نے چھ لکھے ہیں، بعض نے کم وبیش۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے(۱۰)دس بیان فرمائے ہیں:

فائدہ: واجبات کا حکم،واجبات کا حکم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی واجب بغیر کسی عذر کے رِہ جائے تو "دَم" واجب ہو گا اور حج درست ہو جائے گا چاہے قصداً چھوڑا ہو یا بھول کر۔

(۱)پہلا واجب:میقات سے احرام باندھنا ہے۔یعنی آفاقی آدمی پر میقات پہنچ کر احرام باندھنا واجب ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم میقات سے تو ضرور احرام باندھے اس سے مزید مؤخر نہ کرے۔چنانچہ اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کے ارادے سے اپنے گھر سے احرام باندھ کر نکلا تو بھی جائز ہے بلکہ افضل ہے، دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ" اس کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں، ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے وطن سے احرام باندھ کر نکلیں یہی تفسیر حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

(۲)دوسرا واجب:وقوفِ مزدلفہ ہے۔نویں ذی الحجہ کو غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کو روانگی ہوگی، غروبِ آفتاب کے بعد میدانِ عرفات سے نکل کر مزدلفہ آئے، مزدلفہ میں جہاں چاہے وقوف کرے مگر "بطنِ مُحَسِّر" میں وقوف کافی نہیں۔"جبلِ قُزَح" کے نزدیک قیام پزیر ہونا بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پہاڑ کے نزدیک ٹھہرے تھے اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اسی پہاڑ کے قریب وقوف کیا تھا۔نیز بطنِ مُحَسِّر سے گزرتے ہوئے سواری کو تیز کیا جائے۔مزدلفہ آکر ہی مغرب اور عشاء کی نماز پڑھے۔دسویں ذی

الحجہ کی صبح طلوع ہو تو طلوعِ آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے تک وقوف کرے وقوفِ مزدلفہ کا اصل وقت یہی ہے آفتاب نکل گیا تو وقوف کا وقت فوت ہو گیا۔

طلوعِ آفتاب سے اتنی دیر پہلے مزدلفہ سے نکلے کہ جتنی دیر میں دو رکعت پڑھی جا سکیں اگر کوئی طلوعِ فجر سے پہلے نکل گیا تو وقوفِ مزدلفہ فوت ہو گیا اور اس کی وجہ سے دَم واجب ہو گیا۔

وقوف کا اصل وقت طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہے اس دوران ایک لمحہ کا وقوف بھی واجب کی ادائیگی کے لئے کافی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وقوفِ مزدلفہ کی واجب مقدار؛ یوم النحر میں طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک کے درمیانی وقت میں حدودِ مزدلفہ کے اندر کچھ نہ کچھ وقوف کرنا۔ اور مسنون مقدار یہ ہے کہ طلوعِ فجر ہوتے ہی اول وقت میں فجر کی نماز پڑھ کر مسلسل ذکر و دعا اور تلبیہ میں مشغول رہنا تاں آنکہ اچھی طرح روشنی پھیل جائے اور سورج طلوع ہونے میں اتنی دیر رہ جائے جتنی دیر میں دو رکعت پڑھی جا سکیں۔

(کتاب المسائل بحوالہ مسلم شریف، غنیۃ الناسک، مناسک ملا علی)

(۳) تیسرا واجب؛ طوافِ زیارت قربانی کے ایام میں کرنا اور قربانی کے ایام دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ ہے۔ البتہ ان ایام میں پہلا دن طوافِ زیارت کے لئے افضل ہے۔

(۴) چوتھا واجب؛ حج کے موقع پر طوافِ زیارت میں سعی کرنا ہے اور سعی کا طریقہ یہ ہے کہ طواف سے فارغ ہونے کے بعد حجرِ اسود کا استلام کرے، پھر "صفا" کی طرف جائے اور اتنا اوپر چڑھے کہ بیت اللہ شریف نظر آئے، پھر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اُٹھائے تین بار تکبیر، تحمید، تہلیل کہے، آپ ﷺ پر درود بھیجے، دعا کرے اور دعا میں ہاتھ آسمان کی سمت اُٹھائے، پھر "صفا" سے اتر کر "مروہ" کی طرف چڑھے اور وقار کے ساتھ چلے، درمیان میں نشیبی حصے میں میلین اخضرین (دو سبز بتیوں) کے درمیان تیز دوڑے، مروہ پر چڑھنے کے بعد بھی بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے تین بار تکبیر، تحمید، تہلیل کہے، پھر ثنا پڑھے، آپ ﷺ پر درود بھیجے اور پھر دعا مانگے۔ اسی طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے کہ صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر ہے اور مروہ سے پھر صفا تک دوسرا چکر ہے دونوں مل کر ایک نہیں ہے۔ اسی طرح آغاز صفا سے ہو گا اور اختتام یعنی ساتواں چکر مروہ پر ختم ہو گا۔

فائدہ: سعی کے درست ہونے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ سعی طواف کے بعد ہو۔

(۵) پانچواں واجب: اہلِ مکہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے "طوافِ صدر" کرنا۔ اسے "طوافِ وَداع" بھی کہتے ہیں چونکہ "صدر" کا معنی کسی جگہ سے واپسی کرنا اور "وَداع" کا معنی رخصتی ہے تو یہ طواف بھی مکہ مکرمہ سے واپسی پر کیا جاتا ہے نیز یہ طواف بیت اللہ کو وَداع کرتا ہے اور رخصت ہونے پر الوَداعی طور سے کیا جاتا ہے اس لئے اس کو "طوافِ صدر" اور "طوافِ وَداع" کہتے ہیں نیز اسے "طوافِ واجب" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کی شرعی حیثیت واجب ہونے کی ہے۔ اور یہ حاجی کا آخری عمل ہوتا ہے۔ منٰی کے تمام افعالِ حج ادا کرنے کے بعد جب حاجی مکۃ المکرمہ میں داخل ہو تو وہ بیت اللہ کا سات چکر طواف کرے اس طواف میں رمل یعنی کندھوں کو ہلا کر

پہلوانوں کی طرح چلنا نہیں ہوگا اس لئے کہ رمل صرف ایک بار مشروع ہے اور وہ طوافِ قدوم یا طوافِ زیارت میں کیا جاتا ہے، نیز یہ طواف باشندگانِ مکہ پر واجب نہیں ہے کیونکہ وہ نہ کہیں کے لئے روانہ ہوتے ہیں نہ ہی بیت اللہ کو الوداع کرتے ہیں۔ (ھدایہ)

٦۔ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ عَقِبَ كُلِّ طَوَافٍ۔ ٧۔ رَمْيُ الْجِمَارِ الثَّلَاثِ فِي أَيَّامِ النَّحْرِ۔ ٨۔ اَلْحَلْقُ، أَوِ التَّقْصِيرُ فِي الْحَرَمِ، وَفِي أَيَّامِ النَّحْرِ۔ ٩۔ اَلطَّهَارَةُ مِنَ الْحَدَثِ الْأَصْغَرِ، وَالْأَكْبَرِ حَالَ الطَّوَافِ، وَالسَّعْيِ۔ ١٠۔ تَرْكُ الْمَحْظُورَاتِ كَلُبْسِ الْمَخِيطِ، وَسَتْرِ الرَّأْسِ، وَالْوَجْهِ، وَقَتْلِ الصَّيْدِ، وَالرَّفَثِ، وَالْفُسُوقِ، وَالْجِدَالِ۔

حلِّ لغات: **عَقِبٌ**؛ بمعنی پیچھے۔ **اَلْجِمَارُ**؛ اور **جَمَرَات** جمع ہے **جَمْرَةٌ** کی بمعنی سنگریزہ اور چھوٹا پتھر۔ عرف میں اُن مقامات کو بھی "جمار" کہتے ہیں جن پر کنکری پھینکی جاتی ہے اور یہاں بھی یہی معنی مراد ہے۔ **حَلْقٌ**؛ مصدر ہے باب ضرب سے بمعنی سر مونڈھنا۔ **تَقْصِيرٌ** مصدر ہے بابِ تفعیل کا بمعنی سر کے بال چھوٹے کرنا۔ **اَلْمَخِيطُ**؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول اجوف یائی از باب ضرب بمعنی سلا ہوا کپڑا۔ **اَلرَّفَثُ**؛ بمعنی فحش گوئی کرنا، گندی گفتگو۔

ترجمہ: (٦) چھٹا واجب؛ یہ ہے کہ ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔ (٧) ساتواں واجب؛ قربانی کے دنوں میں تینوں جمرات کو کنکریاں مارنا۔ (٨) آٹھواں واجب؛ حرمِ پاک میں اور قربانی کے دنوں میں بال مونڈوانا، یا بال کٹوانا۔ (٩) نواں واجب؛ طواف اور سعی کے دوران چھوٹی ناپاکی سے اور بڑی ناپاکی سے پاک ہونا۔ (١٠) دسواں واجب؛ ممنوع کاموں کو چھوڑنا، جیسے سلا ہوا کپڑا پہننا، سر اور چہرے کا ڈھانپنا، شکار کو قتل کرنا، جماع سے متعلق یا گندی، بیہودہ گفتگو کرنا، گناہ کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا۔

تشریح: یہاں سے باقی ماندہ پانچ واجبات بیان فرماتے ہیں، چنانچہ (٦) چھٹا واجب یہ ہے کہ طواف کرنے والا ہر طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھے گا۔ طواف خواہ نفل ہو جیسے عام طواف۔ یا سنت ہو جیسے طوافِ قدوم یا واجب ہو جیسے طوافِ وَداع، یا فرض ہو جیسے طوافِ زیارت۔ اور ان دو رکعتوں کو مقامِ ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا مستحب ہے، مقامِ ابراہیم کے پیچھے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم نمازی اور بیت اللہ کے درمیان آجائے، مقامِ ابراہیم سے جتنا قریب ہو سکے بہتر ہے اور اگر کچھ فاصلہ ہو تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

فائدہ: طواف کا دوگانہ مکروہ اوقات میں ادا کرنا جائز نہیں ہے یعنی طلوعِ آفتاب، نصف النہار، (عین دوپہر کے وقت) غروبِ آفتاب کے وقت نہ پڑھیں، اگر پڑھ لیئے تو دوبارہ پڑھنا واجب ہے اگرچہ خود طواف اِن اوقات میں بھی جائز ہے۔ (زبدۃ)

فائدہ: نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور نمازِ عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک ان دو وقتوں میں بھی طواف کے دو رکعت پڑھنا مکروہ ہے اگرچہ خود طواف ان وقتوں میں بھی جائز ہے۔

فائدہ: یہ دوگانہ طواف کے فوراً بعد متصل ہی پڑھنا چاہیئے بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

(٧) ساتواں واجب: رمی جمار ہے۔ ایامِ نحر یعنی قربانی کے دنوں (۱۰، ۱۱، ۱۲، ذی الحجہ کو) میں تینوں جمرات کی رمی کی جائے گی۔

یاد رہے کہ منیٰ میں تین جگہیں ہیں جن کو "جمرات" کہا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں، پہلا جمرہ منیٰ کی بڑی مسجد یعنی "مسجدِ خیف" کے نزدیک ہے۔ جس کو جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں، دوسرا جمرہ اس سے آگے مکہ کی طرف ہے اس کو

"جمرۂ وُسطیٰ" کہتے ہیں، تیسرا جمرہ اس سے آگے بالکل منیٰ کے آخر میں ہے اس کو "جمرۂ عقبہ" کہا جاتا ہے۔ ایامِ نحر کے پہلے دن میں یعنی دس ذی الحجہ کو صرف "جمرۂ عقبہ" (بالکل آخری جمرہ) پر کنکریاں ماری جائیں گی۔ ایامِ نحر کے دوسرے دن یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی ہوگی۔ ایامِ نحر کے تیسرے دن یعنی ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کو بھی تینوں جمرات کو کنکریاں ماری جائینگی۔ اور ۱۳ ذی الحجہ کی رات بھی اگر منیٰ میں گذاری تو ۱۳ ذی الحجہ کو بھی تینوں جمرات پر رمی کرے گا تو گویا کہ رمیٔ جمار کے کل چار دن ہیں۔ ان کو ایامِ تشریق اور ایامِ منیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

فائدہ: یوم النحر (دس ذی الحجہ) میں جمرۂ عقبہ کی رمی کا افضل وقت اشراق سے لے کر زوالِ آفتاب تک ہے اور جائز وقت زوالِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک ہے۔ اور مکروہ وقت یوم النحر میں صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اور غروبِ آفتاب سے لے کر گیارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے۔

رمی کا معنی کنکریاں مارنے کے ہیں، یہ رمی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اُس مقبول عمل کی یادگار ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے واسطے لے جانے کے وقت تین جگہ شیطان بہکانے کے لئے آیا تو اس کو کنکریاں مار کا بھگایا تھا۔

فائدہ: پہلے دن کی رمی (جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے) کے لئے سات کنکریاں مزدلفہ سے لانا مستحب ہے، کسی دوسری جگہ سے لینا بھی جائز ہے مگر جمرات کے قریب پڑی ہوئی کنکریاں نہ اُٹھائی جائیں کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک مردود ہوتی ہیں، مقبول حج والوں کی کنکریاں اُٹھا دی جاتی ہیں، اور مردود حج والوں کی وہیں پڑی رہ جاتی ہیں مگر اس کے باوجود بھی اگر کسی نے ان کنکریوں کو اُٹھا کر رمی کرلی تو کراہتِ تنزیہیہ کے ساتھ جائز ہے۔ باقی دنوں میں جو جمرات کی رمی کی جائے گی ان کی کنکریاں مزدلفہ سے لانا مستحب نہیں، کہیں سے بھی لے سکتے ہیں۔

(۸) آٹھواں واجب حلق و تقصیر: حلق کا معنی بال منڈوانا، اور تقصیر سے مراد صرف تراشنا ہے، حلق و تقصیر سے متعلق مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دو باتیں بتائی ہیں: (۱) حلق و تقصیر کا عمل حدودِ حرم میں انجام دینا واجب ہے البتہ منیٰ میں سنت ہے باقی حدودِ حرم میں جہاں بھی کسی بھی جگہ حلق یا قصر کرلیا تو واجب ادا ہو جائے گا لیکن اگر حدودِ حرم سے باہر جاکر حلق یا قصر کیا تو دمِ جنایت واجب ہوگا۔ (۲) ایامِ قربانی میں ہو۔ دس ذی الحجہ کو اس کام سے فراغت حاصل کرلے تو بہتر ہے ورنہ گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو بھی کر سکتا ہے اس کے بعد کرنے سے دَم لازم آئے گا۔

فائدہ: دس ذی الحجہ کو قربانی کے بعد حلق یا قصر کرنا ہوگا حلق یعنی مَردوں کے لئے کم از کم چوتھائی سر کے بال منڈوانا، اور قصر یعنی کم از کم ایک چوتھائی سر کے بال انگلی کے ایک پورے کے برابر کتروانا واجب ہے۔ چوتھائی سر سے کم حصہ کے بال منڈوانے یا کتروانے سے واجب ادا نہ ہوگا۔ باقی مَردوں کے لئے تمام سر کے بال منڈوانا یا کتروانا سنت ہے۔ پھر حلق و قصر میں مَردوں کے حق میں حلق (پورے سر کے بال منڈوانا) افضل ہے اور زیادہ باعثِ اجر و ثواب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوَداع میں اپنے سر مبارک کا حلق فرما کر ارشاد فرمایا: "رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِيْنَ" اور تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ شریعتِ مطہرہ میں مَردوں کے لئے سر کا منڈوانا مطلوب ہے۔

فائدہ: مرد حضرات کے حلق یا قصر کا سنت طریقہ یہ ہے کہ روبقبلہ بیٹھ جائے اور حجام کے دائیں اور خود اس شخص کے بائیں حصہ سے آغاز کرے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حجام کا دایاں نہیں بلکہ خود اس شخص کے سر کے دائیں جانب سے آغاز کرے۔

فائدہ: اگر کسی شخص کے سر پر بال نہ ہوں خلقۃً (پیدائشی طور پر) یا قریب کے زمانہ میں عمرہ کرنے کی وجہ سے تو اس پر واجب ہے کہ سر پر ویسے ہی استرا پھیرے۔

فائدہ: حج و عمرہ کے ارکان پورا کرنے پر عورتوں کے لئے حلق یعنی سر کے بالوں کو مونڈوانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے عورتیں صرف قصر کرینگی جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چوٹی کے نیچے سے ملا کر بس ایک پورے کے بقدر بال کاٹ لیں۔

فائدہ: حلق یا قصر کے بعد سر سے اترے ہوئے بالوں کو دفن کرنا یا کسی پاک جگہ ڈالنا مستحب ہے ناپاک جگہ ڈالنا مکروہ ہے۔ نیز حلق یا قصر کا حکم تو وجوبی ہے لیکن اس کے بعد ناخن تراشنا، مونچھیں تراشنا، اور جسم کے دوسرے مقامات کے بڑھتے ہوئے بالوں کو صاف کرنا مستحب ہے۔

(۹) نواں واجب: دورانِ طواف و سعی حدثِ اصغر و حدثِ اکبر سے پاک ہونا، البتہ کپڑے اور بدن کا ظاہری گندگی سے پاک ہونا مسنون ہے۔

تنبیہ: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ طواف اور سعی دونوں میں پاکی کو واجب قرار دیا ہے حالانکہ فقہ کی معتبر کتب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدثِ اصغر و اکبر سے پاکی صرف طواف میں واجب ہے سعی میں نہیں اس لئے کہ سعی ایک ایسا عمل ہے جو مسجد حرام میں ادا نہیں کیا جاتا لہٰذا دورانِ سعی طہارت لازم نہیں ہے۔ البتہ مسنون ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، غنیۃ، تاتارخانیہ بحوالہ کتاب المسائل)

(۱۰) دسواں واجب: احرام کے تمام ممنوعات کا ترک ہے۔ احرام کے ممنوعات کیا ہیں، کتنے ہیں، اور کونسے ہیں؟ یہ تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ۔

سُنَنُ الْحَجِّ۔ فِي الْحَجِّ سُنَنٌ كَثِيْرَةٌ مِنْهَا: ١۔ اَلْغُسْلُ، أَوِ الْوُضُوْءُ عِنْدَ الْإِحْرَامِ۔ ٢۔ لُبْسُ إِزَارٍ، وَرِدَاءٍ جَدِيْدَيْنِ، أَوْ غَسِيْلَيْنِ أَبْيَضَيْنِ۔ ٣۔ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ نِيَّةِ الْإِحْرَامِ۔ ٤۔ أَنْ يُكْثِرَ مِنَ التَّلْبِيَةِ۔ ٥۔ طَوَافُ الْقُدُوْمِ لِغَيْرِ أَهْلِ مَكَّةَ۔ ٦۔ أَنْ يُكْثِرَ مِنَ الطَّوَافِ مُدَّةَ إِقَامَتِهِ فِي مَكَّةَ۔ ٧۔ اَلْإِضْطِبَاعُ: وَهُوَ أَنْ يَجْعَلَ قَبْلَ شُرُوْعِهِ فِي الطَّوَافِ طَرَفَ رِدَائِهِ تَحْتَ إِبْطِهِ الْيُمْنٰى وَيُلْقِي طَرَفَهُ الْاٰخَرَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْأَيْسَرِ۔

حلِ لغات: اَلْإِضْطِبَاعُ: مصدر ہے باب افتعال کا بمعنی داہنی بغل سے چادر کو نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالنا۔ إِبْطٌ: بمعنی بغل جمع آباط۔ عَاتِقٌ: بمعنی کندھا جمع عَوَاتِقُ۔

ترجمہ: حج کی سنتیں۔ حج میں بہت ساری سنتیں ہیں جن میں سے (کچھ مندرجہ ذیل ہیں) (۱) احرام باندھنے کے وقت غسل یا وضو کرنا۔ (۲) ایک تہبند اور ایک چادر پہننا جو نئے ہوں یا دُھلے ہوئے ہوں سفید ہوں۔ (۳) احرام کی نیت کے بعد دو رکعت پڑھنا۔ (۴) تلبیہ کو زیادہ سے زیادہ پڑھنا۔ (۵) اہل مکہ کے علاوہ کے لئے طوافِ قدوم کرنا۔ (۶) مکۃ المکرمہ میں قیام کے دوران زیادہ سے زیادہ طواف کرنا۔

(۷) اضطباع کرنا۔ اور اضطباع یہ ہے کہ طواف کو شروع کرنے سے پہلے اپنی چادر کے کنارے کو اپنی داہنی بغل کے نیچے کرے اور دوسرے کنارے کو بائیں کندھے پر ڈالدے۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ حج کے واجبات کو بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب حج کی سنتوں کو بیان فرماتے ہیں:

حج کی سنتوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو قصداً ترک کرنا بُرا ہے مگر چھوٹ جانے سے کوئی جرمانہ عائد نہیں ہوتا البتہ ان سنتوں کا اہتمام کرنا باعثِ اجر وثواب ہے۔ (زبدۃ)

چنانچہ حج کی سنتیں بہت ساری ہیں اس لئے کہ اعمالِ حج میں سے ہر ہر عمل کی اپنی اپنی سنتیں ہیں مثلاً احرام کی اپنی سنتیں ہیں، طواف کی اپنی سنتیں ہیں، سعی کی اپنی سنتیں ہیں، وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ، قیامِ منیٰ کی اپنی اپنی سنتیں ہیں جس سے سنتوں کی مجموعی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا عبارت میں چند اہم اہم بارہ (۱۲) سنتوں کو بیان فرمایا ہے۔ جن میں سے

(۱) پہلی سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو وہ پہلے غسل کرے یا وضو کرے لیکن غسل کرنا افضل ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احرام کے واسطے غسل فرمایا تھا اور یہ غسل واجب ہونے کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ صفائی سُتھرائی حاصل کرنے کے لئے ہے اسی لئے اگر احرام باندھنے سے پہلے عورت کو حیض یا نفاس کا خون آ گیا تو وہ بھی یہ غسل کرے اگرچہ اس غسل سے اس کو پاکی حاصل نہیں ہو گی لیکن صفائی حاصل ہو کر سنت ادا ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی غسل نہ کرے تو وضو بھی کافی ہے وہی غسل کے قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ جمعہ کے دن غسل کی صورتِ حال ہے۔

(۲) دوسری سنت یہ ہے کہ غسل کے بعد دو کپڑے ایک "اِزار" یعنی تہبند (نیچے باندھنے کی چادر) دوسری "رداء" یعنی اوپر باندھنے کی چادر زیبِ تن کرے لیکن یہ سنت صرف مَردوں کے ساتھ خاص ہے عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ دونوں چادریں نئی ہوں پھر تو افضل ہے کیونکہ یہ طہارت کے زیادہ قریب ہے کہ ابھی تک انہیں کوئی نجاست لگی ہی نہیں ورنہ کم از کم دُھلی ہوئی ہوں کسی بھی رنگ کی ہوں مگر سفید رنگ سنت ہے، پھر اِزار (تہبند) تو ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہو اور چادر (اوپر اوڑھنے والی) اتنی ہو کہ پیٹ، پیٹھ، دونوں کندھوں اور سینہ کو چھپالے۔

(۳) تیسری سنت یہ ہے کہ احرام کی چادریں اوڑھنے اور احرام کی نیت کرنے کے بعد دو رکعت نفل پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو، پس اگر کسی نے مکروہ وقت میں احرام باندھنے کی نیت کرلی تو اس وقت نفل نہ پڑھے، اور مکروہ اوقات یہ ہیں: (۱) طلوعِ آفتاب کا وقت۔ (۲) نصف النہار (ٹھیک دوپہر کا وقت)۔ (۳) غروبِ آفتاب کا وقت۔ (۴) نیز طلوعِ فجر کے بعد سے لیکر طلوعِ آفتاب تک۔ (۵) اور نمازِ عصر کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک بھی نوافل پڑھنا مکروہ اور ممنوع ہے۔

فائدہ: اگر احرام باندھنے سے پہلے کوئی فرض نماز پڑھی ہے تو وہ بھی احرام کے نوافل کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔ ان دو رکعتوں میں افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْن اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد پڑھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی ثابت ہے۔

(۴) چوتھی سنت یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کا مسلسل ورد جاری رکھے۔ مرد حضرات بلند آواز سے اور عورتیں آہستہ آواز سے۔

فائدہ: احرام باندھنے کے بعد ایک بار تلبیہ پڑھنا شرط ہے۔ اور ایک سے زائد مرتبہ تلبیہ پڑھنا مسنون ہے مگر ہر حال میں اُٹھتے، بیٹھتے کھڑے، بیٹھے، چلتے پھرتے، نمازوں کے بعد خواہ فرض ہوں یا نفل، پاکی ناپاکی ہر حال میں زیادہ سے زیادہ تلبیہ پڑھنا مطلوب ہے۔

فائدہ: تلبیہ جب بھی پڑھے کم از کم تین بار پڑھنا مستحب ہے جس کی صورت یہ ہے کہ تین بار لگاتار پڑھے درمیان میں بات چیت نہ کرے۔ نیز احرام کے وقت سے لے کر عمرہ میں طواف شروع کرنے تک اور حج میں جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی تک جاری رکھے۔ ان اوقات کے بعد تلبیہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔

فائدہ: تلبیہ زبان سے پڑھنا ضروری ہے اس طور پر کہ حروف درست ادا ہوں اور کم از کم اپنے کانوں تک آواز پہنچ جائے، چنانچہ اگر کسی نے دل میں تلبیہ پڑھا تو معتبر نہ ہوگا۔

فائدہ: تلبیہ کی کثرت اس لئے مسنون۔ ہے کہ یہ حج کا خاص شِعار اور خاص ذکر ہے کیونکہ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں: کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام نے آکر یہ ہدایت دی کہ آپ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے کا حکم دیں، کیونکہ تلبیہ حج کا خاص شِعار ہے۔ نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حج میں کونسا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ" (یعنی بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا، اور قربانی میں خون بہانا) (ابن ماجہ، ترمذی، ترغیب وترہیب مکمل)

(۵) پانچویں سنت طوافِ قدوم ہے۔ باشندگانِ مکہ کے علاوہ باہر سے آنے والوں کے لئے بطورِ استقبالِ بیت اللہ شریف جو طواف ہے وہ "طوافِ قدوم" کہلاتا ہے اس لئے کہ "قدوم" کا معنی باہر سے آنا ہے۔ جس طرح "طوافِ وَداع" مکہ سے رخصت ہونے کا طواف اور بیت اللہ سے آخری ملاقات ہے اسی طرح "طوافِ قدوم" بیت اللہ شریف سے پہلی ملاقات اور زیارت ہے۔ پھر جس طرح اہل مکہ کے لئے "طوافِ وَداع" نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح ان کے لئے طوافِ قدوم بھی نہیں ہے۔

(۶) چھٹی سنت مکہ کے قیام کے دوران کثرت سے طواف کرنا ہے اور یہ آفاقی کے حق میں نوافل کی کثرت سے بہتر ہے، اسی طرح اہل مکہ کے حق میں بھی بکثرت طواف کرنا بہتر ہے بکثرت نوافل پڑھنے سے بشرطیکہ حج کا زمانہ نہ ہو کیونکہ حج کے زمانہ میں اہل مکہ کے لئے نوافل کی کثرت بہتر ہے طواف کی کثرت سے۔ (درمختار مع ردالمحتار، طحطاوی) اس لئے کہ محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص بیت اللہ شریف کے سات چکر لگائے اور دورانِ طواف کوئی لغو کام نہ کرے تو یہ عمل ایک غلام کو آزاد کرنے کے برابر ہے۔ (ترغیب وترہیب)

اسی طرح عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طواف میں ہر قدم اُٹھانے اور رکھنے پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس برائیاں مٹادی جاتی ہیں اور اُس کے دس درجات بلند کئے جاتے ہیں۔ (احمد، ترغیب وترہیب)

(۷)ساتویں سنت اضطباع ہے، اگر طواف کے بعد سعی کرنے کا ارادہ ہو تو صرف مَردوں کے لئے سنت ہے کہ طواف شروع کرنے سے قبل اضطباع کرلیں یعنی احرام کی چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال دیں اس طرح دایاں کندھا کُھل جائے گا۔ اور ساتوں چکروں میں یہ کیفیت برقرار رہے۔ طواف سے فارغ ہونے کے فوراً بعد پھر دائیں کندھے کو چھپالیا جائے۔ اگر کسی نے اضطباع کی حالت میں ہی طواف کی دو رکعت نماز ادا کرلی تو مکروہ ہوگا۔(غنیۃ)

۸۔ اَلرَّمَلُ فِي الطَّوَافِ: وَهُوَ أَنْ يَمْشِيَ مَعَ تَقَارُبِ الْخُطٰى، وَهَزِّ الْكَتِفَيْنِ فِي الْأَشْوَاطِ الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ۔ ۹۔ اَلْهَرْوَلَةُ فِي السَّعْيِ: وَهُوَ أَنْ يُسْرِعَ فِي الْمَشْيِ فَوْقَ الرَّمَلِ بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْأَخْضَرَيْنِ فِي كُلِّ شَوْطٍ مِنَ الْأَشْوَاطِ السَّبْعَةِ۔ ۱۰۔ إِسْتِلَامُ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، وَتَقْبِيْلُهُ عِنْدَ نِهَايَةِ كُلِّ شَوْطٍ۔ ۱۱۔ اَلْمَبِيْتُ بِمِنٰى فِي أَيَّامِ النَّحْرِ۔ ۱۲۔ هَدْيُ الْمُفْرِدِ بِالْحَجِّ۔

حل لغات: رَمَلٌ؛ مصدر ہے باب نصر کا صحیح سے بمعنی کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑنا۔ اَلْخُطٰی؛ جمع ہے خُطْوَةٌ کی بمعنی چلنے کے وقت دو قدموں کے درمیان فاصلہ۔ هَزٌّ؛ مصدر ہے باب نصر کا مضاعف ثلاثی سے بمعنی ہلانا۔ اَلْأَشْوَاطُ؛ جمع ہے شَوْطٌ کی بمعنی چکر، غایت اور انتہاء تک ایک مرتبہ دوڑ۔ اَلْهَرْوَلَةُ؛ مصدر ہے ملحق بہ رباعی مجرد سے باب فَعْوَلَةٌ کا بمعنی دوڑنا۔ مِيْلَيْنِ أَخْضَرَيْنِ؛ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کی جگہ میں دیوار کے اندر دونوں جانب دو، دو سبز رنگ کے ستون ہیں۔ اَلْمَبِيْتُ؛ مصدر میمی ہے باب ضرب کا اجوف یائی سے بمعنی شب باشی کرنا، رات گذارنا۔

ترجمہ: (۸) طواف میں رَمل کرنا۔ اور رَمل یہ ہے کہ پہلے تین چکروں میں چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے اور کندھوں کو ہلاتے ہوئے چلے۔ (۹) دورانِ سعی دوڑنا۔ اور دورانِ سعی دوڑنا یہ ہے کہ سات چکروں میں سے ہر چکر میں مِیلَینِ اَخضَرَین کے درمیان چلنے میں رَمل سے زیادہ تیزی کرے۔ (۱۰) حجرِ اسود کو چھونا اور اس کا بوسہ لینا ہر چکر کے پورا ہونے پر۔ (۱۱) قربانی کے دنوں میں مِنیٰ میں رات گذارنا۔ (۱۲) حجِ اِفراد کرنے والے کا قربانی کرنا۔

تشریح: (۸) آٹھویں سنت سُنَنِ حج میں سے وہ رَمل ہے، اِس کا اصول یہ ہے کہ ہر اُس طواف میں جس کے بعد سعی کرنے کا ارادہ ہو، ایسے طواف کے صرف پہلے تین چکّروں میں صرف مَردوں کے لئے رَمل کا حکم ہے۔

رَمل کا طریقہ یہ ہے طواف کرتے ہوئے اپنے دونوں مونڈھوں کو حرکت دی جائے اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے پہلوانوں کی طرح اکڑ کر ذرا تیز چلنے کی صورت اختیار کی جائے۔

فائدہ: اگر پہلے تینوں یا اس سے کم ایک یا دو چکّروں میں رَمل کرنا بھول جائے تو اگلے چکّروں میں اس کی قضاء نہیں ہے۔ نیز سنت یہ ہے کہ تین چکّروں کے بعد اپنی ہیئت پر چلے رَمل نہ کرے لیکن اگر کوئی بھول کر تمام چکّروں میں رَمل کرلے تو اس پر کوئی جزا لازم نہیں ہے اگرچہ خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ضرور ہے۔

(۹)نویں سنت یہ ہے کہ جب سعی کرتے ہوئے "مِيلَيْنِ أَخْضَرَيْن" (صفامروہ کے درمیان وادی کا وہ حصہ جہاں دوجگہ آمنے سامنے دیوار میں دوسبز ستون تھے اور آج کل چھت میں سبز لائٹیں بطورِ نشانی لگی ہوئی ہیں) کے پاس پہنچے تو دوڑنے کے انداز میں چلنے کی رفتار تیز کردے۔ "فَوْقَ الرَّمَل" کا مطلب یہی ہے کہ بمقابلۂ رَمل کے یہاں چلنے کی رفتار تیز ہو اور رَمل کی طرح مِيلَيْنِ أَخْضَرَيْن کے درمیان دوڑ بھی صرف مرد حضرات کے لئے سنت ہے عورتوں کے لئے نہیں ہے۔

(۱۰)دسویں سنت حجرِ اسود پر ہاتھ رکھنا اور اس کو بوسہ دینا ہے، بوسہ ممکن نہ ہو تو اِسْتِلَام اس کا متبادل ہے۔

بوسہ دینے کا طریقہ: پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو حجرِ اسود پر یا چاندی کے خول پر رکھے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان منہ رکھ کر حجرِ اسود پر ہونٹوں کو صرف رکھا جائے اسی طرح بوسہ نہ دیا جائے کہ آواز پیدا ہو۔

اِستلام کا طریقہ: بھیڑ وغیرہ کی وجہ سے اگر بوسہ دینا مشکل ہو تو پھر اِستلام کیا جائے جس کا طریقہ یہ ہے کہ حجرِ اسود پر اپنا ہاتھ رکھ کر ہاتھ کو چوم لے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ہاتھ میں کوئی چھڑی وغیرہ لے کر اس کو حجرِ اسود سے مس کر کے لکڑی کو بوسہ دے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر ہاتھ کا اشارہ کر کے ہاتھ کا بوسہ لے جس کا طریقہ یہ ہے کہ حجرِ اسود کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر اللہ اکبر کہے اور ہاتھوں کو چھوڑ دے جیسا کہ نماز کی نیت باندھتے وقت کرتے ہیں پھر دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اس طرح اُٹھائے کہ ہاتھوں کی پشت اپنی طرف ہو اور ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف کر کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیدے۔ (ہدایہ، در مختار مع ردالمحتار)

تنبیہ: بوسہ دینے یا اِستلام کے وقت اس کا خیال ضرور رہے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو کیونکہ حجرِ اسود کا بوسہ لینا سنت ہے اور مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے۔

(۱۱) گیارہویں سنت یہ ہے کہ گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو لازمی طور پر اور اگر کوئی چاہے تو تیرہ ذی الحجہ کو تینوں جمرات پر کنکریاں ماری جاتی ہیں تو ان دنوں کی جو راتیں ہیں وہ بھی مِنٰی میں گذارنا سنتِ مؤکدہ ہے، مِنٰی کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر رات گذارنا ممنوع اور مکروہ ہے۔

(۱۲) بارہویں سنت یہ ہے جس شخص کا ارادہ حجِ اِفراد کا ہے (حجِ اِفراد کا مطلب کہ میقات سے صرف حج کا احرام باندھا جائے عمرہ کو حج کے ساتھ جمع نہ کیا جائے اس قسم کے حج کو "حجِ اِفراد" کہتے ہیں اور ایسا حج کرنے والے کو "مُفْرِدْ" کہتے ہیں) اس کے لئے سنت یہ ہے کہ قربانی کرے لہٰذا اگر کوئی مُفْرِد قربانی نہ کرے اور حلق یا قصر کرالے تو یہ بھی جائز ہے۔

فائدہ: حج میں جو قربانی کی جاتی ہے اُس کو قرآن وسنت کی اصطلاح میں "هَدْیٌ" کہتے ہیں، اصل کے لحاظ سے اس لفظ کا اطلاق اُس جانور پر ہوتا ہے جس کو قربانی کے لئے حدودِ حرم میں لے جایا جائے جس میں سب سے بہتر اونٹ اور درمیانی درجہ گائے وغیرہ کا ہے اور کم سے کم درجہ بکری ہے، اسی لئے ہدی کے جانوروں کے بارے میں اصل سنت یہی ہے کہ انہیں اپنے ساتھ لے جا کر حدودِ حرم میں ذبح کیا جائے، اس لئے۔ آپ ﷺ حجۃ الوداع میں بھی ہدی کا جانور ساتھ لے کر گئے تھے اور صلح حدیبیہ میں بھی ہدی کا جانور ساتھ رکھا (لیکن اس دور میں صورتِ حال کچھ ایسی بن گئی ہے کہ عموماً لوگوں کے لئے قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے جانا سخت مشکل ہے اس لئے کہ ہوائی جہاز کا سفر

ہوتا ہے، اس میں کس طرح آدمی بکرا، دُنبہ، گائے وغیرہ ساتھ لے جائے؟) اس لئے اب ہدی سے مراد مطلقاً حدودِ حرم میں قربانی دینا ہے اگرچہ جانور ساتھ نہ لے کر جائے بلکہ وہاں جاکر خریدے۔

مَحْظُوْرَاتُ الْحَجِّ۔ اَلْاُمُوْرُ الْآتِيَةُ لَاتَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ. يَلْزَمُهٗ اجْتِنَابُهَا لِئَلَّا يَكُوْنَ الْحَجُّ نَاقِصًا أَوْ فَاسِدًا۔
۱۔اَلْجِمَاعُ وَدَوَاعِيْهِ۔ ۲۔اِرْتِكَابُ فِعْلٍ مُحَرَّمٍ۔ ۳۔اَلْمُشَاتَمَةُ أَوِ الْمُخَاصَمَةُ۔ ٤۔اِسْتِعْمَالُ الطِّيْبِ۔
۵۔قَلْمُ الظُّفْرِ۔ ٦۔لُبْسُ الثِّيَابِ الْمَخِيْطَةِ لِلرَّجُلِ كَالْقَمِيْصِ، وَالسِّرْوَالِ وَالْجُبَّةِ، وَالْخُفِّ۔

حلِ لغات: مَحْظُوْرَاتٌ؛ جمع ہے مَحْظُوْرَةٌ کی بمعنی روکا ہوا، حرام، ناجائز۔ یہاں پر مَحْظُوْرَات سے مراد وہ کام ہیں جو مُحرِم کے لئے ممنوع ہیں۔ دَوَاعِيْ؛ جمع ہے دَاعِيَةٌ کی صیغہ جمع مؤنث بحث اسم فاعل ناقص واوی از باب نصر بمعنی اسباب۔ اَلْمُشَاتَمَةُ؛ مصدر ہے باب مفاعلہ کا بمعنی باہم گالی گلوچ اختیار کرنا۔ طِيْبٌ؛ بمعنی خوشبو۔ قَلْمٌ؛ مصدر ہے باب ضرب کا بمعنی ناخن تراشنا۔ ظُفْرٌ؛ بمعنی ناخن جمع اَظْفَارٌ، اَظَافِيْرُ۔ سِرْوَالٌ؛ بمعنی پائجامہ، تہبند، شلوار جمع سَرَاوِيْلُ۔ خُفٌّ؛ بمعنی موزہ۔

ترجمہ: حج کی پابندیاں: مُندرجہ ذیل کام احرام باندھنے والے کے لئے جائز نہیں ہیں: محرم کو ان کاموں سے بچنا ضروری ہے تاکہ حج ناقص یا خراب نہ ہو۔ (۱) ہمبستری اور اُس کے محرکات۔ (۲) کسی حرام کام کا ارتکاب کرنا۔ (۳) آپس میں گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنا۔ (۴) خوشبو کا استعمال کرنا۔ (۵) ناخن تراشنا۔ (٦) مرد کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا، جیسا کہ کرتہ، اور پائجامہ، اور چوغہ، اور موزہ۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ حج کے فرائض، واجبات، سُنن کو بیان کرنے سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے حج کے ممنوعات اور پابندیوں کو بیان فرماتے ہیں: احرام باندھنے کے بعد بعض چیزیں ممنوع ہو جاتی ہیں، بعض مکروہ ہو جاتی ہیں اور بعض مباح اور جائز رہتی ہیں، جن کی تفصیل بڑی کتابوں (عمدۃ المناسک وغیرہ) میں آجائے گی ان شاء اللہ، یہاں بقدرِ ضرورت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ممنوع کاموں میں سے چند کا تذکرہ فرمایا ہے جو بارہ ہیں: ان میں سے بعض کے کرنے سے گناہ بھی ہوتا ہے اور جرمانہ بھی واجب ہوتا ہے، چنانچہ جرمانہ بعض صورتوں میں "دَم" (قربانی) کی شکل میں واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں "صدقہ" کی شکل میں واجب ہوتا ہے، اور بعض کاموں کے ارتکاب سے صرف گناہ ہوتا ہے دَم اور صدقہ واجب نہیں ہوتا۔ لیکن حج وعمرہ ثواب کے اعتبار سے ناقص ضرور ہو جاتا ہے اور ایک کام تو ایسا ہے کہ اس سے حج بھی فاسد (خراب) ہو جاتا ہے اگلے سال دوبارہ حج کرنا لازم ہو جاتا ہے اور وہ ہے وقوفِ عرفات سے پہلے بیوی سے ہمبستری کر لینا۔ اس لئے ان تمام کاموں سے بچنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے تاکہ حج نہ ناقص ہو نہ فاسد۔

(۱) پہلا کام اِحرام کی حالت میں بیوی سے ہمبستری کرنا، یا ہمبستری کی باتیں کرنا، یا شہوت سے بوس وکنار کرنا، یا شہوت سے ہاتھ لگانا ہے، یہ سارے کام منع ہیں۔ اس لئے کہ یہ سارے کام ہمبستری تک پہنچانے والے ہیں۔

(۲) دوسری پابندی؛ اِحرام کی حالت میں کسی بھی حرام اور ناجائز کام کا ارتکاب کرنے سے بطورِ خاص بچنا۔ جیسے چوری، جھوٹ، غیبت، چغلی، فضول اور لایعنی باتیں، بے جا کسی کا مذاق اُڑانا، خواتین کا بے پردہ رہنا یہ سارے گناہ ہر حال میں ناجائز اور حرام ہیں لیکن حالتِ

احرام میں خاص طور پر ان کا ناجائز ہونا اَور سخت ہو جاتا ہے جیسے ریشم کا کپڑا مردوں کے لئے ہر حال میں حرام ہے مگر نماز کی حالت میں زیادہ سخت حرمت ہے۔

(۳) تیسرا کام جو حالتِ اِحرام میں ممنوع ہے وہ لڑائی جھگڑا، باہم گالی گلوچ، غصہ کرنا۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے چونکہ حاجی مسافر ہوتا ہے اور دورانِ سفر انسان کی طبیعت نازک ہو جاتی ہے اور اس میں چیچڑا پن آجاتا ہے، اور قوتِ برداشت کم ہو جاتی ہے نیز مختلف مزاج کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اس لئے بطورِ خاص اس گناہ سے بچنا چاہیئے کہ کسی کو اپنی زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچائے۔

(۴) چوتھا ممنوع کام خوشبو کا استعمال ہے، جسم یا کپڑوں کو کسی قسم کی خوشبو لگانا، نیز خوشبودار صابن استعمال کرنا، سر یا جسم پر خوشبودار تیل لگانا، یا خالص زیتون یا تل کا تیل لگانا، خوشبودار سُرمہ لگانا، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: "اَلْحَاجُّ اَلشَّعِثُ التَّفِلُ" یعنی حاجی وہ ہے جس کے بال بکھرے اور غبار آلود ہوں، اور اس کے بالوں میں خوشبو نہ لگی ہو۔ البتہ اِحرام کے لئے غسل کرنے کے بعد اِحرام باندھنے (نیت، اور تلبیہ) سے پہلے پہلے بدن میں خوشبو لگانا مسنون ہے۔ اسی طرح غسل کے بعد اِحرام سے پہلے سر اور داڑھی میں تیل لگانا بھی مستحب ہے۔

(۵) پانچواں کام جو ممنوع ہے وہ ناخُن تراشنا ہے خواہ ایک ناخُن ہی کیوں نہ ہو۔ نہ خود تراشے نہ کسی اور سے کٹوائے البتہ اگر کسی کا ناخُن ٹوٹ گیا تو اس کو کاٹ سکتا ہے۔

(۶) چھٹی پابندی سلے ہوئے کپڑے کی ہے: یعنی اِحرام کی حالت میں صرف مرد حضرات کو بدن کی ہیئت پر سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے، جیسے کُرتہ، شلوار، پائجامہ، بنیان، شیروانی، کوٹ، سوئٹر، جانگیہ، ٹوپی، موزے، نیز ایسا جوتا پہننا بھی منع ہے جس میں پیر کی پشت کی ابھری ہوئی ہڈی چھپ جائے۔

ہم نے ایک قید لگائی کہ "بدن کی ہیئت پر سلا ہوا کپڑا" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کپڑا جس میں سلائی پہننے کے لئے ہوئی ہو ممنوع ہے لہٰذا اگر اِحرام کی چادروں میں کوئی پیوند لگا ہو یا لُنگی درمیان سے سِلی ہوئی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مگر افضل یہی ہے کہ اِحرام کے کپڑے میں بالکل سلائی نہ ہو۔ (در مختار مع رد المحتار، ہدایہ، زبدة)

۷۔ تَغْطِيَةُ الرَّأْسِ، أَوِ الْوَجْهِ بِأَيِّ سَاتِرٍ مُعْتَادٍ۔ ۸۔ سَتْرُ الْمَرْأَةِ وَجْهَهَا وَيَدَيْهَا۔ ۹۔ إِزَالَةُ شَعْرِ الرَّأْسِ، أَوِ اللِّحْيَةِ، أَوِ الْإِبْطِ، أَوِ الْعَانَةِ۔ ۱۰۔ دَهْنُ الشَّعْرِ أَوِ الْبَدَنِ۔ ۱۱۔ قَطْعُ شَجَرِ الْحَرَمِ، أَوْ قَلْعُ حَشِيْشِ الْحَرَمِ۔ ۱۲۔ قَتْلُ صَيْدِ الْبَرِّ الْوَحْشِيِّ، سَوَاءٌ كَانَ مَأْكُوْلًا، أَوْ غَيْرَ مَأْكُوْلٍ۔

حلِ لغات: **تَغْطِيَةٌ**: مصدر ہے بابِ تفعیل کا ناقص یائی سے بمعنی چھپانا، ڈھانکنا۔ **مُعْتَادٍ**: صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول اجوف واوی از باب افتعال بمعنی جس چیز کی عادت ہو۔ **اَلْعَانَةُ**: بمعنی پیڑو (زیر ناف جسم کا حصہ) جمع عَانَات۔ **حَشِيْشٌ**: بمعنی گھاس۔
فائدہ: حشیش اگرچہ لغت میں خشک گھاس کو کہتے ہیں لیکن یہاں خشک نہیں بلکہ تر گھاس مراد ہے کیونکہ اُس کا کاٹنا ممنوع ہے، نہ کہ خشک کا۔ **دَهْنٌ**: مصدر ہے باب فتح کا بمعنی سر وغیرہ میں تیل لگانا۔

ترجمہ: (۷) سر یا چہرہ کو ڈھانکنا کسی بھی ایسی چھپانے والی چیز سے جس سے عام طور پر سر اور چہرہ چھپایا جاتا ہے۔ (۸) عورت کا اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو چھپانا۔ (۹) سر، یا داڑھی، یا بغل، یا زیرِ ناف کے بال دور کرنا۔ (۱۰) بالوں یا جسم کو تیل لگانا۔ (۱۱) حرمِ محترم کے درخت کو کاٹنا، یا حرم شریف کے گھاس کو اُکھاڑنا۔ (۱۲) جنگل کے وحشی جانوروں کا شکار کرنا، خواہ وہ جانور کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔

تشریح: احرام کی حالت میں جو کام ممنوع ہیں اُن میں سے (۷) ساتواں کام مرد حضرات کا سر اور چہرے کو چھپانا ہے ایسی چیز سے جس سے عام طور پر سر اور چہرہ کو ڈھانکنے کا کام لیا جاتا ہے جیسے: ٹوپی، پگڑی، رومال، کپڑا وغیرہ۔

فائدہ: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے "سَاتِرٍ مُعْتَادٍ" کہا پس اگر مُحْرِم نے اپنے سر یا چہرہ کو کسی ایسی چیز سے ڈھانکا جس سے عموماً ڈھانکنے کا کام نہیں لیا جاتا جیسے: چھتری، لکڑی، لوہا، پیتل، شیشہ، گتا وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۸) آٹھواں کام جو ممنوع ہے، وہ عورت کا اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو چھپانا ہے، مطلب یہ ہے کہ خواتین چہرے کو اس طرح رکھیں کہ اس پر کپڑا نہ لگے (تاہم اجنبیوں سے چہرہ چھپانے کی کوشش ضرور کرے گی۔)

(۹) نواں ممنوع کام سر یا جسم کے کسی بھی حصہ کے بال کسی بھی طریقہ سے دور کرنا کاٹنا یا توڑنا، مونڈنا، یا بال صفا پاوڈر استعمال کرنا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ الایۃ" ترجمہ: اور اپنے سروں کو نہ مونڈو۔ نیز بال دور کرنے سے وہ پراگندگی دور ہو جائے گی جو حاجی کے لئے مطلوب ہے۔ یہی حکم داڑھی، مونچھ، زیرِ بغل، زیرِ ناف بالوں کو کاٹنے کا بھی ہے۔

(۱۰) دسویں پابندی تیل لگانے کی ہے کیونکہ تیل لگانے سے بھی وہ پراگندگی والی حالت ختم ہو جاتی ہے جو کہ حاجی کے لئے مطلوب ہے۔

(۱۱) گیارہواں اور (۱۲) بارہواں ممنوع کام حرمِ محترم سے متعلق ہیں: حدودِ حرم میں خاص طور پر دو طرح کی باتیں ممنوع ہیں؛ جن کی خلاف ورزی کی وجہ سے جرمانہ لازم آتا ہے۔ (۱) حرم کی خودرو گھاس یا درخت وغیرہ کا اکھاڑنا اور کاٹنا، یعنی مطلقاً درخت اور گھاس کاٹنا ممنوع نہیں ہے بلکہ ایک تو وہ خودرو ہو (خود بخود اُگے لوگ اسے قصداً نہ اُگائیں) لہٰذا جو درخت لوگ خود اُگاتے ہوں جیسے غلّہ جات کی کھیتی یا پھل دار باغات، تو ان کو کاٹنا شرعاً ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کوئی جرمانہ لازم آتا ہے۔ دوسرا وہ درخت اور گھاس تَر ہو، لہٰذا اگر کسی نے خشک درخت یا سوکھی گھاس کاٹ ڈالی تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲) دوسرا کام جو حرم میں ممنوع ہے وہ ہے شکار، شکار سے مراد جنگل کے وحشی جانور کو قتل کرنا ہے خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو اس لئے کہ شکار کا مقصد ہمیشہ گوشت نہیں ہوتا کبھی دیگر مقاصد کے لئے بھی شکار کھیلا جاتا ہے جیسے کسی جانور کی ہڈی یا کھال حاصل کرنے کے لئے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "صَيْدُ الْبَرِّ" خشکی کا شکار جس سے معلوم ہوا کہ دریائی جانور (جیسے مچھلی وغیرہ) کو شکار کرنا ممنوع نہیں ہے نیز فرمایا "الْوَحْشِي" جس سے معلوم ہوا کہ گھریلو جانور جیسے: اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ کو ذبح کرنا ممنوع نہیں ہے۔

فائدہ: حدودِ حرم میں جس طرح شکار منع ہے اسی طرح شکار کی طرف اشارہ کرنا یا شکار کی طرف رہنمائی کرنا بھی ممنوع ہے۔

فائدہ: اگر کسی نابالغ بچے نے احرام باندھا ہے تو ولی کو چاہیئے کہ بچے کو بھی ممنوعاتِ احرام سے بچائے رکھے (تاہم اگر بچہ کسی ممنوع کام کا ارتکاب کرلے تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی کوئی جرمانہ لازم نہ آئے گا نہ ولی پر نہ بچہ پر)

فائدہ: احرام کی پابندیاں جو مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے بھی ہیں؛ البتہ عورتیں سلا ہوا کپڑا، بند جوتا، موزہ دستانہ وغیرہ پہن سکتی ہیں، نیز سر کو بھی چھپاسکتی ہیں صرف چہرہ کھلا رکھیں۔

فائدہ: مذکورہ بالا تمام چیزوں کی پابندیاں احرام کی حالت میں لازم ہیں، اس کے خلاف کرنا گناہ ہے، جسکی تلافی کے لئے اکثر صورتوں میں "دم" یعنی قربانی واجب ہے جس کی تفصیل جنایات کے بیان میں آجائے گی ان شاء اللہ، نیز اس سے انسان کا حج بھی ناقص ہوجاتا ہے گو فرض ادا ہوجاتا ہے۔ (احکام حج، کتاب المسائل بحوالہ غنیۃ، رد المحتار)

كَيْفِيَّةُ أَدَاءِ الْحَجِّ۔ مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَذْهَبْ إِلٰى مَكَّةَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ. فَإِذَا وَصَلَ إِلَى الْمِيقَاتِ، أَوْ حَاذَاهُ إِغْتَسَلَ، أَوْ تَوَضَّأَ وَنَزَعَ ثِيَابَهُ الْمَخِيطَةَ وَلَبِسَ إِزَارًا وَرِدَاءً وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، وَنَوَى الْحَجَّ وَلَبّٰى بِقَوْلِهٖ: ﴿لَبَّيْكَ. اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ. لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ وَالْمُلْكَ لَكَ. لَاشَرِيْكَ لَكَ﴾ فَإِذَا لَبّٰى فَقَدْ أَحْرَمَ. فَلْيَجْتَنِبْ كُلَّ مَحْظُوْرٍ مِنْ مَحْظُوْرَاتِ الْحَجِّ. وَلْيُكْثِرْ مِنَ التَّلْبِيَةِ عَقِيْبَ الصَّلَوَاتِ وَكُلَّمَا صَعِدَ مَكَانًا عَالِيًا، أَوْ هَبَطَ مَكَانًا مُنْخَفِضًا، أَوْ لَقِيَ رُكْبَانًا، أَوِ انْتَبَهَ مِنَ النَّوْمِ. فَإِذَا وَصَلَ مَكَّةَ إِبْتَدَأَ بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَإِذَا رَأَى الْبَيْتَ الْحَرَامَ كَبَّرَ وَهَلَّلَ،

حلِّ لغات: حَاذَاهُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف ناقص یائی از باب مفاعلہ بمعنی مقابل میں ہونا۔ (سامنے ہونا) لَبّٰی؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف ناقص یائی از باب تفعیل بمعنی لَبَّیْکَ کہنا۔ مُنْخَفِضٌ؛ بمعنی پست۔ هَلَّلَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف مضاعف ثلاثی از باب تفعیل بمعنی "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کہنا۔

ترجمہ: حج کی ادائیگی کا طریقہ۔ جس شخص نے حج کا ارادہ کرلیا تو اس کو چاہیئے کہ حج کے مہینوں میں مکہ جائے، پس جب میقات پہنچے یا میقات کے برابر پہنچے تو غسل کرے یا وضو کرے، اور اپنے سلے ہوئے کپڑے اُتار دے اور ایک تہبند اور ایک چادر پہن لے اور دو رکعت نماز پڑھے، اور حج کی نیت کرے، اور تلبیہ کہے اپنے اس کہنے کے ساتھ "ترجمہ: ﴿میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں بے شک سب تعریف اور نعمت اور سارا جہاں تیرا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں"﴾ پس جب اس نے تلبیہ پڑھا تو وہ مُحْرِم بن گیا، پس اس کو چاہیئے کہ حج کے ممنوعات میں سے ہر ممنوع سے پرہیز کرے۔ اور اس کو چاہیئے کہ خوب تلبیہ پڑھے نمازوں کے بعد اور جب کبھی بھی اونچی جگہ چڑھے یا کسی پست جگہ اترے یا کسی قافلہ سے ملے، یا نیند سے بیدار ہو، پس جب مکہ پہنچے تو مسجدِ حرام سے شروع کرے، پھر جب بیت اللہ شریف کو دیکھے تو تکبیر (اللہ اکبر) کہے اور تہلیل (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه) کہے۔

تشریح: آیئے! حج کریں۔ گذشتہ صفحات میں بحمدہٖ تعالیٰ حج کے ارکان ومناسک (اعمال) سے متعلق مفصّل مسائل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے درج کردیئے ہیں، اب مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مناسب سمجھا کہ حج کا مفصّل اور مرتّب طریقہ لکھ دیں تا کہ حُجاجِ کرام کے لئے سہولت ہو اور دماغ

میں حج کا ایک مرتّب خاکہ اور نقشہ بیٹھ جائے تاکہ یاد رکھنا آسان ہو البتہ ہر موضوع پر تفصیل جاننے کے لئے متعلقہ باب کا مطالعہ ضروری ہوگا۔ مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تین باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) احرام کہاں سے باندھیں؟ (۲) احرام باندھنے کا مسنون طریقہ۔ (۳) بیت اللہ میں حاضری۔

پہلی بات کی وضاحت یہ ہے کہ جو لوگ میقات کے حدود سے باہر رہتے ہیں جن کو آفاقی کہا جاتا ہے وہ جب میقات یا میقات کے محاذات (برابر) پر پہنچ جائیں خواہ ہوائی راستہ سے پہنچیں یا زمینی راستے سے تو ان پر احرام باندھ لینا واجب ہے اور اگر اس سے پہلے پہلے گھر سے یا ائرپورٹ سے احرام باندھ لیں تو یہ بھی جائز بلکہ افضل ہے۔

فائدہ: ہندوستان، پاکستان وغیرہ ممالک سے جانے والے ہوائی جہاز عموماً قرن المنازل کی میقات یا اس کے محاذات سے گذر کر جدہ پہنچتے ہیں۔

دوسری بات کی وضاحت یہ ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے مستحب یہ ہے کہ حجامت بنوالی جائے، ناخن تراش لئے جائیں، بغل اور زیرِ ناف بال صاف کر لئے جائیں، اس کے بعد احرام کی نیت سے غسل کر لیں، اگر غسل کا موقع نہ ہو تو وضو کر لیں۔ (اگر وضو کا بھی موقع نہ ہو تو بے وضو بھی احرام کی نیت کی جاسکتی ہے) (**فائدہ:** یہ غسل واجب نہیں بلکہ صفائی ستھرائی حاصل کرنے کے لئے ہے اسی لئے اگر خواتین کو ماہواری ہو یا زچگی (نفاس) ہو تو وہ بھی یہ غسل کر سکتی ہیں اگر چہ اس غسل سے وہ پاک نہیں ہونگی البتہ صفائی وسنت حاصل ہو جائے گی) غسل یا وضو کے بعد مرد حضرات سلا ہوا کپڑا اُتار دیں اور ایک تہبند باندھ لیں اور ایک چادر اوڑھ لیں۔ (اور خوشبو لگائیں مگر یہ خوشبو جسم پر لگائیں احرام کی چادروں پر داغ نہ لگنے پائے نیز یہ دونوں چادریں سفید اور نئی ہوں تو بہتر ہے) خواتین احرام کے لئے سلا ہوا کپڑا نہیں اتاریں گی بلکہ ان کا احرام صرف یہ ہے کہ وہ اپنا سر ڈھانک لیں اور چہرہ کھول دیں اور پردہ کے لئے بہتر ہے کہ نقاب اس طریقہ پر اوڑھ لیں کہ کپڑا چہرے سے نہ لگے۔

احرام کی تیاری کے بعد اگر وقت مکروہ نہ ہو تو بہتر ہے کہ دو رکعت نفل احرام کی نیت سے پڑھ لیں۔ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا افضل ہے۔ واضح رہے کہ ان دو رکعتوں کو مرد حضرات بھی سر ڈھانک کر پڑھیں گے کیونکہ احرام کی پابندیاں ابھی شروع نہیں ہوئیں۔

فائدہ: خواتین اگر ناپاکی کی حالت میں ہوں تو وہ یہ نماز نہیں پڑھ سکتیں ویسے ہی احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیں۔

مرد حضرات نماز سے فارغ ہو کر سب سے پہلے اپنا سر کھول لیں اور اس کے بعد حج کی تین قسموں (اِفراد، قِران، اور تمتُّع) میں سے جس قسم کا ارادہ ہو اس کی نیت کریں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ حجِ اِفراد کا طریقہ لکھا ہے قِران اور تمتّع کا تذکرہ بعد میں کریں گے اس لئے حجِ اِفراد کی نیت یوں کریں "اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ" اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، اس کو میرے لئے آسان کیجئے، اور اس کو مجھ سے قبول فرمائیے۔

فائدہ: نیت کے کلمات کو زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ دل میں خیال بھی کافی ہے۔ اس کے بعد مرد حضرات بلند آواز سے اور خواتین آہستہ آواز سے تین مرتبہ تلبیہ پڑھیں۔

تلبیہ کے الفاظ جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کئے ہیں یہ عام کتبِ حدیث وفقہ سے تھوڑے مختلف ہیں، بخاری شریف اور دیگر عام کتابوں میں یہ الفاظ ہیں: ﴿لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ. لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ. إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ. لَا شَرِيْكَ لَكَ﴾ لَا شَرِيْكَ سے پہلے ایک "لَبَّيْكَ" کے اضافہ کے ساتھ۔

فائدہ: ان الفاظ کو خوب کثرت سے پڑھے بالخصوص نمازوں کے بعد خواہ فرض ہوں یا نوافل نیز ان الفاظ میں کمی نہ کرے۔

نیت کے ساتھ تلبیہ کہنے کے بعد اب باقاعدہ مُحرِم بن گئے اور احرام کی ساری پابندیاں شروع ہو گئیں۔

احرام کا معنی حرام کرنا یعنی احرام شروع ہونے کے بعد بہت سی چیزیں جو پہلے سے حلال تھیں اب وہ حرام ہو گئیں جیسا کہ تکبیرِ تحریمہ کے بعد نماز میں جائز کام بھی ممنوع ہو جاتے ہیں۔ اب احرام کے بعد کیا کیا چیزیں حرام ہو گئیں ان کی تفصیل محظورات الحج میں گذر چکی ہے۔

فائدہ: یاد رہے کہ احرام شروع کرنے کے لئے نہ صرف نیت کافی ہے، اور نہ ہی صرف تلبیہ، بلکہ تلبیہ اور نیت دونوں کا ہونا شرط ہے۔

تیسری بات کی وضاحت یہ ہے کہ مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد اور رہائش وغیرہ کے انتظامات مکمل ہونے اور کچھ نہ کچھ یکسوئی میسر آنے کے بعد اب مسجدِ حرام میں حاضری کے لئے تیار ہو جائے "إِبْتَدَأَ بِالْمَسْجِدِ" کا مطلب دیگر کاموں سے پہلے مسجدِ حرام میں جائے، بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے ہی تکبیر، تہلیل کہے اور خوب دل جمعی سے دعا کرے یہ قبولیتِ دعا کا موقع ہے۔

ثُمَّ ابْتَدَأَ بِالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَاسْتَقْبَلَهُ مُكَبِّرًا، وَمُهَلِّلًا. وَاسْتَلَمَهُ وَقَبَّلَهُ إِنْ قَدَرَ عَلٰى ذَالِكَ، وَإِلَّا إِسْتَلَمَهُ بِالْإِشَارَةِ. ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِيْنِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ. يَرْمُلُ فِي الْأَشْوَاطِ الثَّلَاثَةِ الْأُوْلٰى. وَيَمْشِيْ فِيْ بَاقِي الْأَشْوَاطِ بِسَكِيْنَةٍ وَوَقَارٍ. وَيَجْعَلُ طَوَافَهُ مِنْ وَرَاءِ الْحَطِيْمِ. كُلَّمَا مَرَّ بِالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ إِسْتَلَمَهُ. وَيَخْتِمُ الطَّوَافَ بِالْإِسْتِلَامِ ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ. وَهٰذَا الطَّوَافُ يُسَمّٰى طَوَافَ الْقُدُوْمِ، وَهُوَ سُنَّةٌ. ثُمَّ يَذْهَبُ إِلٰى صَفَا فَيَصْعَدُ عَلَيْهِ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَيُكَبِّرُ وَيُهَلِّلُ. وَيُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَيَدْعُو اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى. ثُمَّ يَنْزِلُ مُتَوَجِّهًا إِلَى الْمَرْوَةِ فَيَصْعَدُ عَلَيْهِ وَيَفْعَلُ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا فَقَدْ تَمَّ شَوْطٌ وَاحِدٌ. ثُمَّ يَعُوْدُ إِلَى الصَّفَا. وَمِنْهُ إِلَى الْمَرْوَةِ هٰكَذَا يُتِمُّ سَبْعَ مَرَّاتٍ. يُسْرِعُ فِي الْمَشْيِ فَوْقَ الرَّمَلِ بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْأَخْضَرَيْنِ فِيْ كُلِّ شَوْطٍ مِنْ أَشْوَاطِ السَّبْعَةِ۔

حلِّ لغات: سَكِيْنَة؛ بمعنی اطمینان۔ وَقَار؛ بمعنی سنجیدگی۔ حَطِيْم؛ صیغہ واحد مذکر بحث صفت مشبہ بمعنی مَحْطُوْم کٹا ہوا، بیت اللہ کی شمالی جانب یعنی میزابِ رحمت کی طرف بیت اللہ سے متصل تقریباً دو صفوں کے بقدر جگہ جو دیوار سے گھرا ہوا ہے اس کو حَطِیْم، حِجْر، اور حظیرہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: پھر حجرِ اسود سے شروع کرے اور اُس کی طرف تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے رُخ کرے اور اس پر ہاتھ رکھے اور بوسہ لے اگر اس پر قدرت ہو ورنہ اشارہ کے ساتھ اس کا استلام کرے، پھر حجرِ اسود کی دائیں طرف سے شروع کرے اور بیت اللہ کا سات چکر طواف کرے، پہلے

تین چکروں میں کندھے ہلاتے ہوئے چلے اور باقی چکروں میں اطمینان اور سنجیدگی سے چلے، اور طواف حطیم کے پیچھے سے کرے، جب کبھی بھی حجرِ اسود کے پاس سے گذرے تو اس کا استلام کرے اور استلام ہی کے ساتھ طواف ختم کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے اور اس طواف کا نام طوافِ قدوم رکھا جاتا ہے اور یہ سنت ہے، پھر صفا کی طرف جائے پھر اس پر چڑھ جائے اور قبلہ کی طرف منہ کرے اور تکبیر و تہلیل کہے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرے، پھر مروہ کی طرف رُخ کرتے ہوئے اترے پھر مروہ پر چڑھے اور ایسے ہی کام کرے جو صفا پر کئے تھے بس یقیناً ایک چکر پورا ہو گیا، پھر صفا کی طرف لوٹے اور اس سے مروہ کی طرف، اسی طرح سات چکر پورے کرے، سات چکروں میں سے ہر چکر میں دو سبز نشانوں کے درمیان بمقابلہ رمل کے چلنے میں تیزی کرے۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) طواف کا مسنون طریقہ۔ (۲) صفا و مروہ کی سعی۔

چنانچہ **پہلی بات کی وضاحت** کچھ اس طرح ہے کہ مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے حجرِ اسود کے پاس پہنچ جائے اور بیت اللہ شریف کی طرف سینہ کر کے اس طرح کھڑے ہوں کہ حجرِ اسود دائیں جانب ہو، اور دایاں کندھا بالکل حجرِ اسود کے سامنے ہو، اس کے بعد طواف کی نیت اس طرح کرے کہ "اے اللہ میں تیرے مقدس گھر کے سات چکروں کے طواف کی نیت کرتا ہوں، خالص تیری رضا کے لئے، لہٰذا اس طواف کو میرے لئے آسان فرما کر قبول فرما!" نیت باندھنے کے بعد دائیں طرف اس قدر چلے کہ اب پورا جسم حجرِ اسود کے بالکل سامنے آجائے یعنی چہرہ اور سینہ بالکل حجرِ اسود کی طرف کر کے کھڑے ہو جائیں، اور پھر نماز کی طرح دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہوئے "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" پڑھے، اس کے بعد حجرِ اسود کا استلام کرے (جسکی صورت یہ ہے کہ اگر حجرِ اسود تک بآسانی کسی کو تکلیف دیئے بغیر پہنچنا ممکن ہو تو اپنے دونوں ہاتھ حجرِ اسود پر رکھے اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں کے بیچ میں اس طرح رکھے جیسے نماز کے سجدے میں رکھا جاتا ہے اور نرمی کے ساتھ اس طرح بوسہ دے کہ بوسہ لینے کی آواز نہ آئے) اور اگر بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے حجرِ اسود تک پہنچنا مشکل ہو تو پھر وہیں سامنے کھڑے ہو کر دور سے دونوں ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف کر دے یہ خیال کرتے ہوئے کہ گویا وہ حجرِ اسود پر رکھی ہوئی ہیں، پھر ان ہاتھوں کو چُوم لے۔ (استلام کے وقت یہ کلمات پڑھے جائیں: "اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ" دور سے استلام کرنے میں اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا نزدیک سے بوسہ لینے میں، اس لئے زیادہ بھیڑ میں جانے کی کوشش نہ کریں، خاص کر خواتین حتی الامکان غیر مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچنے کا اہتمام کریں۔)

استلام کرنے کے بعد فوراً اپنا چہرہ، سینہ، اور قدم دائیں طرف موڑ کر اس طرح چلنا شروع کرے کہ حجرِ اسود اور کعبہ بائیں طرف ہو اور چکر کے دوران چہرہ اور سینہ بیت اللہ شریف کی طرف نہ کرے بلکہ نظر اپنے سامنے چلنے کی جگہ پر ہونی چاہیئے۔

اگر اس طواف کے بعد سعی کا ارادہ ہے تو پہلے تین چکروں میں رمل بھی کرے یعنی پہلوانوں کی طرح کندھوں کو ہلاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے تیز چلے اور باقی چار چکروں میں آرام واطمینان سے اپنی عام چال میں چلے، اور حطیم کو طواف میں شامل کرے یعنی حطیم کے اندر سے چکر نہ لگائے بلکہ حطیم کے باہر باہر سے چکر لگائے لہٰذا اگر کسی نے حطیم کے اندر سے چکر لگایا تو وہ معتبر نہ ہو گا۔ اور جب ایک چکر پورا ہو جائے اور دوبارہ حجرِ اسود پر پہنچے تو پھر حجرِ اسود کا استلام کرے اسی طرح سات چکر پورے کرے ہر

مرتبہ حجرِ اسود پر پہنچ کر استلام کرے۔ اور طواف مکمل کرنے کے بعد بھی استلام کرے (غرض طواف کا آغاز اور اختتام دونوں استلام پر ہوں گے، اس طرح کل آٹھ استلام ہو جائینگے ایک آغاز میں، اور سات طواف کے ساتھ چکروں میں) طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت نماز واجب الطواف پڑھنا ضروری ہے، (البتہ اگر وقت مکروہ ہے تو مکروہ وقت نکلنے کا انتظار کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ طواف پر طواف کرتا رہے اور جب مکروہ وقت نکل جائے تو جتنے طواف کئے ہیں ہر طواف کی دو رکعتیں الگ الگ پڑھ لے) یہ طواف طوافِ قدوم کہلاتا ہے (اس لئے کہ قدوم کا معنی ہے "آنا" چونکہ یہ طواف "آفاقی قارِن" اور آفاقی مُفرِدْ کے لئے سنت ہے، اس لئے کہ وہ باہر سے آتا ہے "حِلّی اور اہلِ حرم" کیلئے سنت نہیں ہے کیونکہ وہ باہر سے نہیں آتے، نیز یہ طواف "آفاقی مُتمتّع" اور صرف عمرہ کرنے والے کیلئے بھی سنت نہیں ہے)

فائدہ: طواف کے ساتوں چکّروں میں باوضو رہنا ضروری ہے، اگر پہلے چار چکّروں کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو وضو کر کے از سر نو طواف کرنا ضروری ہوگا اور اگر چار چکروں کے بعد وضو ٹوٹ گیا تو اختیار ہے چاہے تو وضو کر کے از سر نو طواف کرے اور چاہے تو بقیہ چکّروں کو پورا کرے۔

فائدہ: طواف کی نماز مقامِ ابراہیم کے سامنے پڑھنا مسنون ہے، نیز پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا مسنون ہے، اگر مقامِ ابراہیم کے پاس بھیڑ اور ازدحام ہو تو کہیں بھی طواف کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

فائدہ: دورانِ طواف نمازیوں کے آگے سے گذرنا منع نہیں ہے۔

فائدہ: طواف کے بعد زمزم کا پانی پینا مسنون ہے اور زمزم پیتے وقت جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوگی ان شاء اللہ۔

دوسری بات کی وضاحت: طواف سے فارغ ہونے کے بعد اگر سعی کرنی ہے تو حجرِ اسود کا نوواں استلام کر کے حجرِ اسود کی طرف پشت کر کے سیدھ میں چلے اسی جانب صفا پہاڑی کا مقام ہے جب اس جگہ کے قریب پہنچے اور چڑھنے کا ارادہ کرے تو یہ الفاظ کہے: "اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ" ترجمہ: میں سعی اس جگہ سے شروع کرتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمایا (جیسا کہ ارشاد ہے: "پھر بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں")

صفا پر اتنا چڑھے جہاں سے بیت اللہ شریف نظر آسکتا ہے چاہے فی الحال نظر آئے یا ستون وغیرہ کے حائل ہونے کی وجہ سے نظر نہ آئے۔ زیادہ اُوپر چڑھنا مکروہ ہے، یہاں اولاً قبلہ رُخ ہو کر تکبیر اور تہلیل کہے اور سعی کی نیت کرے پھر اس طرح ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگے جس طرح دعا میں ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں، نماز کی تکبیرِ تحریمہ کی طرح ہاتھ نہ اُٹھائے جائیں ذکر و اذکار اور دعا میں مشغول ہو کیونکہ یہ دعا کی قبولیت کا مقام ہے۔ پھر صفا سے مروہ کی طرف چلے مروہ پہنچ کر اسی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا میں مشغول ہو جیسے صفا پر کیا، مروہ پہنچ کر ایک چکر مکمل ہو گیا۔ اس طرح سعی کا آغاز صفا سے ہوگا اور اختتام مروہ پر ہوگا جفت عدد ۲۔۴۔۶ صفا پر اور طاق عدد ۱۔۳۔۵۔۷ مروہ پر آئیں گے۔

صفا و مروہ کے درمیان جہاں سبز لائٹیں لگی ہوئی ہیں اس حصے میں صرف مَردوں کے لئے بنسبت رمل کے تیز چلنا مسنون ہے، عورتیں ہرگز نہ دوڑیں بلکہ اپنی ہیئت پر چلتی رہیں۔

فائدہ: سبز لائٹوں کے درمیان یہ دُعا پڑھنا بھی منقول ہے: "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ"۔ ترجمہ: اے اللہ! بخشش اور رحمت سے نواز، بے شک تو ہی سب پر غالب اور سب سے زیادہ کرم کرنے والا ہے۔

فائدہ: اگر سعی کے دوران وضو باقی نہ رہے تو وضو کرنا لازم نہیں ہے اور اگر وضو کر کے آئے تو از سر نو سعی کی ضرورت نہیں ہے، بس بقیہ چکر پورے کر لے۔

فائدہ: سعی سے فارغ ہو کر مسجدِ حرام میں کہیں بھی دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے، یہ نماز سر منڈوانے سے پہلے پڑھنی چاہیے۔

فائدہ: واضح رہے کہ سعی صرف حج یا عمرہ کے ارکان کے ساتھ مشروع ہے۔ بغیر عمرہ یا حج کے نفلی طواف کی طرح صرف نفلی سعی ثابت نہیں ہے۔

فَإِذَا كَانَ الْيَوْمُ الثَّامِنُ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ صَلَّى الْفَجْرَ بِمَكَّةَ وَخَرَجَ إِلَىٰ مِنًى وَأَقَامَ بِهَا، وَبَاتَ فِيهَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَبَعْدَ طُلُوعِ شَمْسِ الْيَوْمِ التَّاسِعِ - وَهُوَ يَوْمُ عَرَفَةَ - إِنْتَقَلَ مِنْ مِنًى إِلَىٰ عَرَفَاتٍ وَوَقَفَ فِيهَا مُكَبِّرًا، مُهَلِّلًا، وَمُصَلِّيًا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَدَاعِيًا، وَبَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الظُّهْرَ، وَالْعَصْرَ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ، وَيَسْتَمِرُّ فِي وُقُوفِهِ بِعَرَفَةَ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ ثُمَّ يَعُودُ فِي طَرِيقِهِ إِلَىٰ مَكَّةَ، وَيَنْزِلُ بِمُزْدَلِفَةَ، وَيَبِيتُ لَيْلَةَ النَّحْرِ فِيهَا وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ، وَالْعِشَاءَ فِي وَقْتِ الْعِشَاءِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ فِي الْيَوْمِ الْعَاشِرِ - وَهُوَ يَوْمُ النَّحْرِ - صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ بِغَلَسٍ ثُمَّ وَقَفَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ وَدَعَا، ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، فَإِذَا وَصَلَ إِلَىٰ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ رَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ مَعَ أَوَّلِ حَصَاةٍ رَمَاهَا، ثُمَّ يَذْبَحُ إِذَا شَاءَ ثُمَّ يُحَلِّقُ رَأْسَهُ، أَوْ يُقَصِّرُ، ثُمَّ يَذْهَبُ خِلَالَ أَيَّامِ النَّحْرِ الثَّلَاثَةِ إِلَىٰ مَكَّةَ لِيَطُوفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ ثُمَّ يَعُودُ إِلَىٰ مِنًى وَيُقِيمُ بِهَا۔

حلِ لغات: **مِنًى**: مکہ معظمہ سے تین میل مشرق کی طرف دو پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا میدان ہے جو مستطیل ہے اور اس کی لمبائی دو میل کے قریب ہے اور چوڑائی اس سے کم ہے یہ علاقہ دونوں طرف سے پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا ہے، پہاڑ کا جو حصہ منیٰ کی طرف ہے اس کا شمار بھی حدودِ منیٰ میں ہے۔ نیز یہ حدودِ حرم میں داخل ہے ایامِ حج میں یہاں دو عمل کئے جاتے ہیں قربانی اور رمی، حُجاج کرام کا یہاں تین دن قیام رہتا ہے۔ منیٰ کو منیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہاں قربانی کے جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور اُن کا خون بہایا جاتا ہے، (اس لئے کہ عربی زبان میں اَمنی اور منیٰ کا لفظ کسی چیز کے بہانے کے معنی میں آتا ہے)

عَرَفَة، عَرَفَات: ایک ہی مقام کے دو نام ہیں، دونوں "ع" اور "ر" کے زبر کے ساتھ ہیں۔ یہ مقام مکہ سے تقریباً ۹ میل (۲۴ کلو میٹر) کے فاصلہ پر حدِ حرم سے باہر وہ عظیم الشان میدان ہے جہاں حج کا سب سے بڑا فرض (وقوف) ادا کیا جاتا ہے، اور تمام حاجی ۹/ ذی الحجہ کو زوال کے بعد قیام کرتے ہیں۔

عرفات کی وجہ تسمیہ: علماء کرام نے بہت سی وجوہات لکھی ہیں جن میں سے تین وجوہات ذیل میں درج کی جاتی ہیں: **الف:** حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حج کے تمام ارکان ومناسک سکھا کر ہی میدان میں پوچھا تھا "عَرَفْتَ"؟ یعنی کیا آپ نے مناسک کی معرفت حاصل کرلی؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا تھا، اسی لفظ کی مناسبت سے اس میدان کا نام "عرفات" رکھ دیا گیا۔ **ب:** حضرت سیدنا آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اُتارے گئے اور حضرت حوّاء رضی اللہ عنہا مقام "جدہ" میں اتاری گئیں تھیں، اور دنیا میں آنے کے بعد ان دونوں حضرات کی ملاقات اور جان پہچان مقامِ "عرفات" میں ہوئی، اسی لئے اس جگہ کو "عرفات" کہا گیا۔ **ج:** یہ ایسا مقام ہے جہاں لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں، اسی مناسبت سے اسے عرفات کہا جاتا ہے۔

یَسْتَبِرُّ: صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف مضاعف ثلاثی از باب استفعال بمعنی باقی رکھنا۔ **مُزْدَلِفَه:** منیٰ اور عرفات کے درمیان ایک میدان ہے جو منیٰ سے تقریباً تین میل مشرق کی جانب ہے۔

مزدلفہ کی وجہ تسمیہ: "مُزْدَلِفَه" کی وادی کو مُزْدَلِفَه کہنے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں: جن میں سے چند درج ذیل ہیں: **الف:** "مُزْدَلِفَه" إِزْدِلَافٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے اجتماع، کیونکہ یہاں بھی حُجاج کا اجتماع ہوتا ہے۔ **ب:** یہ "تَزَلُّفٌ" بمعنی تقرب سے ماخوذ ہے چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ سے تقرب والے اعمال کئے جاتے ہیں۔ **ج:** یہ "زُلْفَه" سے ماخوذ ہے جس کا معنی رات کے ایک حصہ کے آتے ہیں، کیونکہ یہاں رات میں آمد ہوتی ہے۔

غَلَسٌ: بمعنی آخری رات کی تاریکی جمع أَغْلَاسٌ۔ **حَصَاةٌ:** بمعنی کنکری جمع حَصَيَاتٌ۔

ترجمہ: پس جب ذی الحجہ کا آٹھواں دن ہو تو فجر کی نماز مکہ میں پڑھے اور منیٰ کی طرف نکلے اور اُس میں ٹھہرے، اور یہ رات اُس میں گذارے، اور نویں دن (جو کہ عرفہ کا دن ہے) کے سورج کے طلوع ہونے کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف منتقل ہو جائے اور اُس میں ٹھہرے تکبیر و تہلیل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہوئے اور دعا مانگتے ہوئے، اور زوال کے بعد امام لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ظہر ہی کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائے، اور غروبِ آفتاب تک مقامِ عرفہ میں اپنے وقوف کو برقرار رکھے، پھر اسی راستہ سے مکہ کی طرف لوٹے اور مزدلفہ میں اترے، اور قربانی (والے دن) کی رات اُس میں گذارے، اور امام لوگوں کو مغرب اور عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھائے۔ پس جب دسویں دن کی فجر طلوع ہو (اور یہی قربانی کا دن ہے) تو امام لوگوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائے پھر امام اور لوگ بھی اس کے ساتھ ٹھہرے رہیں اور دعا مانگیں، پھر سورج نکلنے سے پہلے لوٹے، پس جب جمرۂ عقبہ تک پہنچے تو اس کو سات کنکریوں کے ساتھ مارے اور تلبیہ ختم کردے اس پہلی کنکری کے ساتھ ہی جو اس پر مارے، پھر قربانی کرے جب چاہے، پھر اپنے سر کو منڈوائے یا بال کٹوائے، پھر قربانی کے تین دنوں کے دوران مکہ کی طرف جائے تاکہ طوافِ زیارت کرے پھر منیٰ کی طرف لوٹے اور اُس میں قیام کرے۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ باتیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) منیٰ روانگی اور وہاں قیام۔ (۲) عرفات روانگی، وقوف،

پہلی بات کی وضاحت: چونکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ حج اِفراد (صرف حج) کا طریقہ بیان فرمارہے ہیں اور حج اِفراد میں سعی کے بعد حلق یا قصر نہیں ہوتا بلکہ دس ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہونے کے بعد حلق یا قصر ہوتا ہے اس لئے سعی کے بعد حلق یا قصر کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ منیٰ روانگی کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ طوافِ قدوم اور سعی کے بعد اگر آٹھویں ذی الحجہ میں ابھی دن باقی ہوں تومکہ کے قیام کو غنیمت خیال کرے احرام کی پابندیوں کا پوراخیال رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ طواف، حرم میں نماز باجماعت، اور تلاوت واذکار کا اہتمام رکھے۔

جب آٹھویں ذی الحجہ کا دن آئے جس کو "یَوْمُ التَّرْوِیَہ" بھی کہتے ہیں تومنیٰ روانگی اختیار کرے لیکن یہ بات واقف کار اور تجربہ کار لوگوں کے لئے ہے وہ آٹھویں تاریخ کی صبح کو فجر کی نماز پڑھ کر منیٰ روانہ ہوسکتے ہیں ورنہ ناواقف اور ناتجربہ کار لوگوں کے لئے مُعلِّم کے بسوں کے بغیر منیٰ کی قیام گاہ پر پہنچنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے، اور مُعلِّم کی بسیں آٹھ ذی الحجہ کی رات ہی کو روانگی شروع کردیتی ہیں اس لئے سات ذی الحجہ کی شام کو تیاری مکمل کر کے منیٰ روانہ ہوجانا چاہیئے، منیٰ میں آٹھویں تاریخ سے نویں تاریخ (عرفہ کے دن) کی صبح تک مقیم رہ کر پانچ نمازیں ادا کرنا مسنون ہے۔

فائدہ: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی نمازِ فجر سے تیرہویں تاریخ کی نمازِ عصر تک ہر فرض نماز کے بعد مرد حضرات کے لئے بلند آواز سے اور خواتین کے لئے آہستہ آواز سے ایک مرتبہ تکبیرِ تشریق: "اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" پڑھنا واجب ہے۔

دوسری بات کی وضاحت: ۹/ ذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب کے بعد عرفات روانگی مسنون ہے لیکن یہاں بھی وہی بات ہے کہ مُعلِّم کی بسیں رات ہی سے لے جانا شروع کردیتی ہیں، عرفات جاتے وقت نہایت ذوق وشوق سے تلبیہ کا ورد رکھیں، عرفہ کا جو وقوف فرض ہے وہ زوالِ آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے، اس لئے زوال سے پہلے ہی پوری تیاری کرلے تاکہ بعد میں کوئی وقت ضائع نہ ہو، زوال کے بعد جو لوگ مسجدِ نمرۃ میں امام حج کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ توظہر اور عصر دونوں نمازیں ظہر ہی کے وقت میں ادا کریں گے، مگر جو حضرات اپنے اپنے خیموں میں یا قیام گاہوں میں انفرادی یا اجتماعی نمازیں پڑھیں ان کے لئے دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھنی ضروری ہیں، یعنی ظہر کی نماز ظہر کے وقت میں، اور عصر کی نماز عصر کے وقت میں۔

غروبِ آفتاب تک عرفات میں قیام اور وقوف کرنا واجب ہے، (یہ پورا وقت دعا، ذکر، تلبیہ، تلاوت ونوافل میں گذارے، البتہ جو لوگ امام عرفات کے ساتھ دونوں نمازیں پڑھ چکے ہیں وہ اب نوافل نہیں پڑھ سکتے ہیں لیکن جو حضرات اپنے خیموں میں ہیں وہ ظہر اور عصر کے درمیان جتنے چاہیں نفل پڑھ سکتے ہیں)

تیسری بات کی وضاحت: عرفات سے واپسی اور مزدلفہ کو روانگی: سورج غروب ہونے کے بعد عرفات سے مزدلفہ کو روانگی ہوگی، اب مزدلفہ پہنچ کر رات کو قیام کرنا سنت ہے۔ غروب ہونے اور رات آجانے کے باوجود عازمین حج عرفات میں یا راستہ میں مغرب کی نماز ادا نہیں کریں گے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر ہی مغرب اور عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں ادا کریں گے خواہ امام حج کے ساتھ پڑھیں یا اکیلے۔ (اگر کسی نے مغرب یا عشاء مزدلفہ پہنچنے سے پہلے پڑھ لی تو مزدلفہ پہنچ کر دوبارہ پڑھنی ہوں گی۔)

فائدہ: مزدلفہ کی یہ رات بہت ہی برکت والی ہے، بعض علماء نے اسے شبِ قدر سے بھی افضل بتایا ہے، اس لئے رات میں تھکاوٹ کے باوجود عبادت کرنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، حنفیہ کے نزدیک وقوفِ مزدلفہ کا واجب وقت ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک کے درمیان ہے اس لئے دس تاریخ کی صبح کی نماز اوّل وقت میں یعنی طلوعِ فجر ہوتے ہی اندھیری میں پڑھ کر مزدلفہ کا وقوف کرے کیونکہ آپ ﷺ نے بھی یہ نماز اندھیری میں ادا کی تھی۔ اور اِلحاح وزاری کے ساتھ قبلہ رُخ ہو کر دعا میں مشغول رہے کیونکہ یہ جگہ دعاؤں کے قبول ہونے کا مقام ہے۔

چوتھی بات کی وضاحت: مزدلفہ سے واپسی اور منیٰ روانگی۔ جب اچھی طرح روشنی پھیل جائے تو طلوعِ آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے مزدلفہ سے روانہ ہو جائے تکبیر وتہلیل وتلبیہ پڑھتے ہوئے اس لئے کہ آپ ﷺ بھی طلوعِ آفتاب سے پہلے روانہ ہوئے تھے۔

فائدہ: مستحب ہے کہ مزدلفہ سے روانہ ہوتے وقت شیطان کی رمی کے لئے چنے کے دانے کے بقدر کنکریاں جمع کرلے اور انہیں پانی سے دھو کر پاک کرلے، لوگوں کا عام معمول یہ ہے کہ سبھی جمرات کی رمی کے لئے کنکریاں مزدلفہ سے اُٹھا کر لے جاتے ہیں، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہ بہتر ہے تاکہ بار بار چُننے کی زحمت نہ ہو، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ کم از کم ۷ کنکریاں بڑے شیطان کو مارنے کے لئے مزدلفہ سے اُٹھانا مستحب ہے باقی کہیں سے بھی (راستہ، یا حدودِ منیٰ سے) اٹھائی جاسکتی ہیں البتہ جمرات کے قریب سے نہ لی جائیں۔

پانچویں بات کی وضاحت: منیٰ پہنچ کر سب سے پہلا عمل جمرۂ عقبہ (یعنی آخری اور بڑے شیطان) کو سات کنکریاں مارنا ہے، رمی شروع کرتے ہی تلبیہ پڑھنے کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔

فائدہ: رمی کرتے وقت تکبیر کے یہ کلمات پڑھے جائیں: "بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، رَغْمًا لِلشَّيْطَانِ وَرِضًى لِلرَّحْمٰنِ" (میں رمی کرتا ہوں اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے، شیطان کو ذلیل کرنے اور رحمٰن کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے) اور پھر یہ دعا مانگے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا" (اے اللہ! اس حج کو حجِ مقبول بنا دیجئے، اور گناہوں کو معاف فرما دیجئے)

فائدہ: رمی دائیں ہاتھ سے کرنا مسنون ہے۔

چھٹی اور ساتویں بات کی وضاحت: پھر اگر قربانی کرنا چاہتا ہے تو پہلے قربانی کرے پھر حلق یا قصر کرا کر احرام کھول دے اور اگر قربانی نہیں کرنا چاہتا تو رمی کے بعد ہی حلق یا قصر کرا کر احرام کھول دے۔

فائدہ: یہ قربانی کا اختیار اس لئے ہے کہ یہ حجِ افراد کا طریقہ بیان ہو رہا ہے اور حجِ افراد میں قربانی لازم نہیں ہے۔ جبکہ "حجِ تمتع، اور حجِ قران" میں قربانی واجب ہے۔ وہاں اختیار نہیں ہے۔

آٹھویں بات کی وضاحت: حلق یا قصر کے بعد طوافِ زیارت کے لئے مکہ معظمہ جائے یہ طوافِ حج کا دوسرا رکن اور فرض ہے پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا وقت بتایا ہے کہ قربانی کے تین دن ۱۰ سے ۱۲ ذی الحجہ تک دن یا رات میں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ: جو عورت ناپاکی کی حالت میں ہو وہ اُس وقت طواف نہ کرے کیونکہ طواف مسجدِ حرام میں ہوتا ہے اور ناپاک عورت مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی، پاک ہونے کے بعد طوافِ زیارت کرے اور اس تاخیر کی وجہ سے عورت پر کوئی جرمانہ لازم نہ ہو گا۔

فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْيَوْمِ الْحَادِيْ عَشَرَ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ. يَبْتَدِئُ بِالْجَمْرَةِ الْأُولَى الَّتِيْ تَلِيْ مَسْجِدَ الْخَيْفِ فَيَرْمِيهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ عِنْدَ رَمْيِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَقِفُ عِنْدَهَا وَيَدْعُوْ. ثُمَّ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الْوُسْطَى وَيَقِفُ عِنْدَهَا. ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَلَايَقِفُ عِنْدَهَا. فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّانِيْ عَشَرَ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِالْأَمْسِ. وَفِيْ أَيَّامِ الرَّمْيِ يَبِيْتُ بِمِنًى. ثُمَّ يَسِيْرُ إِلَى مَكَّةَ وَيَنْزِلُ بِالْمُحَصَّبِ سَاعَةً ثُمَّ يَدْخُلُ مَكَّةَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ بِلَا رَمَلٍ وَسَعْيٍ. وَهٰذَا الطَّوَافُ يُسَمّٰى طَوَافَ الْوَدَاعِ وَيُسَمّٰى طَوَافَ الصَّدْرِ أَيْضًا وَيُصَلِّيْ بَعْدَ الطَّوَافِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَأْتِيْ زَمْزَمَ فَيَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا قَائِمًا ثُمَّ يَأْتِي الْمُلْتَزَمَ وَيَتَضَرَّعُ إِلَى اللّٰهِ وَيَدْعُوْ بِمَا شَاءَ. وَإِذَا أَرَادَ الْعَوْدَ إِلَى أَهْلِهٖ يَنْبَغِيْ لَهٗ أَنْ يَنْصَرِفَ بَاكِيًا مُتَحَسِّرًا عَلَى فِرَاقِ الْبَيْتِ۔

حلِ لغات: **مَسْجِدِ خَيْف**؛ منیٰ کی بڑی مسجد کا نام ہے جو منیٰ کے شمال میں پہاڑ سے متصل ہے کہا جاتا ہے کہ اس میں ستر پیغمبر مدفون ہیں۔ (ارشادالساری فضائل حج، رفیق حج) **مُحَصَّبْ**؛ منیٰ سے مکہ جاتے ہوئے ایک وادی پڑتی ہے جس کا نام ''مُحَصَّب'' ہے رسول اللہ ﷺ نے منیٰ سے مکہ جاتے ہوئے اس مقام پر توقُّف فرمایا تھا، چونکہ یہ نشیبی پتھریلا علاقہ ہے، اس لئے اس کو ''وادی اَبْطَح'' بھی کہتے ہیں، آج کل مکہ اور منیٰ دونوں مل کر ایک شہر بن گئے ہیں اس لئے اس علاقہ کا پتہ نہیں چلتا البتہ کہا جاتا ہے کہ ''مسجدِ اجابہ'' کے نام سے جو مسجد مکہ اور منیٰ کے درمیان ہے وہی وادی مُحَصَّب کا علاقہ ہے۔ **مُلْتَزَم**؛ ''میم'' پر پیش ''ت'' اور ''ز'' پر زبر بمعنی ایسی جگہ جس سے چمٹا جائے۔ حجرِ اسود اور کعبۃ اللہ کے دروازہ تک کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں یہ اُن مقامات میں سے ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ہے اور یہ قبولیتِ دعا کا مقام ہے۔ **بَاكِيًا**؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل ناقص یائی از باب ضرب بمعنی رونا۔

ترجمہ: پس جب گیارہویں دن کا سورج ڈھل جائے تو تینوں جمروں کی رمی کرے، جمرۂ اولیٰ سے شروع کرے جو مسجدِ خیف سے ملا ہوا ہے چنانچہ اس کو سات کنکریاں مارے ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہے، پھر اُس کے پاس ٹھہرے اور دعا مانگے، پھر درمیانی جمرہ کی رمی کرے اور اس کے پاس ٹھہرے، پھر آخری جمرہ کی رمی کرے اور اس کے پاس نہ ٹھہرے، پس جب بارہویں دن کا سورج ڈھل جائے تو تینوں جمروں کی رمی کرے جیسا کہ کل گذشتہ کی تھی اور کنکری مارنے کے دنوں میں منیٰ میں رات گذارے، پھر مکہ کی طرف چلے اور وادی مُحَصَّب میں کچھ دیر ٹھہرے، پھر مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے بغیر رَمَل اور سعی کے، اور اس طواف کا نام ''طوافِ وَدَاع'' رکھا جاتا ہے اور ''طوافِ صدر'' بھی نام رکھا جاتا ہے۔ اور طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھے، پھر زمزم کے پاس آئے اور اس کا پانی کھڑے ہو کر پیئے، پھر مُلتزم کے پاس آئے، اور اللہ کے سامنے گڑگڑائے، اور دُعا مانگے جو چاہے، اور جب اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ بیت اللہ کی جُدائی پر روتے ہوئے افسوس کرتے ہوئے لوٹے۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ باتیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) رمی جمار کا وقت، (۲) رمی جمار کا طریقہ، (۳) مکہ واپسی، (۴) طوافِ وداع، (۵) وطن واپسی۔

پہلی بات کی وضاحت: ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو زوالِ آفتاب کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے ہر شیطان کو سات سات کنکریاں مارے کنکری کا جمرہ پر لگنا ضروری نہیں ہے اگر جمرہ کے قریب بھی گر گئی تو بھی جائز ہے اور قریب کی حد دیوار کا وہ احاطہ ہے جو ہر جمرہ کے گرد بنایا گیا ہے جو کنکری دیوار کے احاطہ میں نہ گرے وہ معتبر نہیں ہے اس کی جگہ دوسری مارے۔ ان دو دنوں میں زوالِ آفتاب سے پہلے رمی جائز اور معتبر نہیں ہے۔

دوسری بات کی وضاحت: کنکری کو اپنے دائیں انگوٹھے کی پشت پر رکھ کر شہادت کی انگلی کے تعاون سے پھینک دے۔ ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہے جمرۂ اُولیٰ یعنی پہلے شیطان اور جمرۂ وُسطیٰ یعنی دوسرے شیطان کو کنکری مارنے کے بعد قبلہ رُو ہو کر دُعا مانگنا مسنون ہے۔ کم از کم اتنی دیر ٹھہر کر دعا مانگنا مسنون ہے کہ جتنی دیر میں بیس آیتیں پڑھی جا سکیں۔ جمرۂ عقبہ یعنی آخری اور بڑے شیطان کو مارنے کے بعد ٹھہر کر دعا مانگنے کا حکم نہیں ہے البتہ چلتے چلتے دعا مانگ سکتے ہیں۔

رمی کا دن منیٰ میں گذارے یہ دن خاص طور پر ذکرِ خداوندی کے دن ہیں "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ" سے مراد یہی رمی کے دن ہیں، ۱۲/ ذی الحجہ کو غروبِ آفتاب سے پہلے منیٰ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہو جائے، اور اگر کوئی عذر ہو یا خواتین وغیرہ ساتھ ہوں تو غروبِ آفتاب کے بعد بھی روانہ ہو سکتے ہیں لیکن اگر ۱۳/ ذی الحجہ کی صبح صادق تک منیٰ میں رُک گئے تو ۱۳/ تاریخ کی رمی بھی واجب ہو جائے گی بغیر رمی کے اگر چلا گیا تو دَم واجب ہو گا۔ البتہ ۱۳/ تاریخ کی رمی میں یہ سہولت ہے کہ وہ زوالِ آفتاب سے پہلے بھی جائز ہے۔

تیسری بات کی وضاحت: اب منیٰ سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ واپس آئے راستہ میں "مقامِ مُحَصَّب" میں تھوڑی دیر ٹھہرنا سنت ہے مگر آج کل موٹروں کی سواری عموماً اختیار میں نہیں ہوتی اس لئے راستہ میں ٹھہرنا سخت مشکل ہوتا ہے، اس لئے مجبوری سے اگر یہاں ٹھہرنے کا موقع نہ ملے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: مُحَصَّبْ؛ مکہ اور منیٰ کے درمیان ایک پتھریلا علاقہ ہے یہ مقام بنسبت مکہ کے منیٰ سے قریب تر ہے، اس جگہ کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو قریش کے تمام خاندان اس "خَیفِ مُحَصَّب" میں جمع ہوئے سب نے اس بات پر قسمیں کھائیں کہ خاندانِ رسالت یعنی بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔

چوتھی بات کی وضاحت: اب حج کے کاموں میں سے صرف ایک طوافِ وَداع باقی ہے، جو حضرات وطن واپس جانا چاہتے ہیں اور وہ میقات سے باہر رہتے ہیں اُن پر جانے سے پہلے یہ طواف واجب ہے اگر بلا عذر چھوڑ دیا تو دَم واجب ہو گا اور اگر کسی عذر کی وجہ سے چھوڑ دیا جیسے حیض والی کسی عورت کو واپسی کے وقت حیض آجائے تو وہ بلا طواف وطن لوٹ سکتی ہے۔ اور اس میں حج کی تینوں قسمیں اِفراد، تمتّع، قِران برابر ہیں یعنی یہ طواف ہر قسم کا حج کرنے والے پر واجب ہے، اس میں نہ رمل ہے اور نہ اس کے بعد صفا و مروہ کی سعی ہے، اس کے بعد طواف کے دو رکعت مقامِ ابراہیم یا اس کے قریب پڑھ کر زمزم خوب پیئے۔

فائدہ: زمزم پیتے وقت اکابر جیسے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ دعا منقول ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْاَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ"۔ ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم، اور کشادہ روزی اور ہر طرح کے مرض سے شفا کا طلبگار ہوں۔ (فتح القدیر، فتاویٰ قاضیخان، وغیرہ)

آبِ زمزم کھڑے ہو کر پینے کی اجازت ہے لیکن ضروری نہیں ہے بیٹھ کر بھی پی سکتے ہیں، پھر مُلتزم (حجرِ اسود سے بابِ کعبہ تک کا حصہ) پر آئے اور اگر جگہ خالی ہو اور کسی کو روکے بغیر ممکن ہو تو اس جگہ بیت اللہ شریف سے چمٹ کر یعنی دیوار پر اپنا سینہ اور چہرہ رکھ کر جو چاہے اور جس زبان میں چاہے دعا مانگے یہ دعا کی قبولیت کا اہم مقام ہے۔

فائدہ: مُلتزم اور رُکنِ یمانی کے علاوہ بیت اللہ شریف کی دیوار کے دوسرے حصوں سے چمٹنا ثابت نہیں ہے۔

پانچویں بات کی وضاحت: مکہ معظمہ میں جتنا بھی قیام نصیب ہو اس کو غنیمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ طواف، اور عمروں کا اہتمام رکھنا چاہیئے کیونکہ زندگی میں یہ مواقع بار بار نصیب نہیں ہوتے، بیت اللہ کو بقصدِ تعظیم دیکھنا، تلاوت اور ذکر اللہ کا خوب اہتمام کرنا چاہیئے، اور واپسی کے وقت انتہائی حُزن و ملال کا اظہار کرے اور بیت اللہ کی جدائی پر گریہ وزاری کے ساتھ واپس ہو یہاں تک کہ مسجدِ حرام سے نکلے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بار بار باادب اور مقبول حاضری کی سعادت سے ہر مسلمان کو نوازے۔ آمِيْن يَارَبَّ الْعَالَمِيْن۔ (ہدایہ، در مختار مع رد المحتار، طحطاوی مع المراقی)

اَلْقِرَانُ۔ اَلْقِرَانُ مَعْنَاهُ فِي اللُّغَةِ: اَلْجَمْعُ بَيْنَ شَيْئَيْنِ۔ وَمَعْنَاهُ فِي الشَّرْعِ: أَنْ يُحْرِمَ مِنَ الْمِيْقَاتِ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مَعًا۔ اَلْقِرَانُ أَفْضَلُ عِنْدَنَا مِنَ التَّمَتُّعِ۔ وَالتَّمَتُّعُ أَفْضَلُ مِنَ الْإِفْرَادِ۔ يُسَنُّ لِلْقَارِنِ أَنْ يَتَلَفَّظَ بِقَوْلِهِ: ﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُرِيْدُ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ فَيَسِّرْهُمَا لِيْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّيْ﴾ ثُمَّ يُلَبِّيْ۔ فَإِذَا دَخَلَ الْقَارِنُ مَكَّةَ بَدَأَ بِطَوَافِ الْعُمْرَةِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ يَرْمُلُ فِي الْأَشْوَاطِ الثَّلَاثَةِ الْأُوْلٰى فَقَطْ. ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لِلطَّوَافِ. ثُمَّ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. وَيُهَرْوِلُ بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْأَخْضَرَيْنِ. وَيُكْمِلُ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ. وَهٰذِهِ أَفْعَالُ الْعُمْرَةِ. ثُمَّ يَبْدَأُ بِأَعْمَالِ الْحَجِّ فَيَطُوْفُ طَوَافَ الْقُدُوْمِ لِلْحَجِّ ثُمَّ يُتِمُّ أَعْمَالَ الْحَجِّ كَمَا تَقَدَّمَ تَفْصِيْلُهُ۔

حلِ لغات: **اَلْقِرَانُ**: اسم مصدر ہے **قَرَنَ يَقْرُنُ** باب نصر سے بمعنی ملانا، یہاں مراد حج کی وہ قسم ہے جس میں عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے۔

ترجمہ: قِران کا لغوی معنی: دو چیزوں کو جمع کرنا۔ اور قِران کا شرعی معنی: یہ ہے کہ میقات سے عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھے۔ قِران ہمارے نزدیک اِفراد سے بہتر ہے۔ اور تمتّع اِفراد سے بہتر ہے۔ حج قِران کرنے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ اپنی زبان سے یہ الفاظ کہے: ”اے اللہ! میں عمرہ اور حج کرنے کا ارادہ کرتا ہوں پس تو ان دونوں کو میرے لئے آسان فرما اور ان دونوں کو مجھ سے قبول فرما“ پھر تلبیہ کہے، پس جب حج قِران کرنے والا مکہ میں داخل ہو تو پہلے عمرہ کا سات چکر لگاتے ہوئے طواف کرے صرف پہلے تین چکروں میں رمل کرتے ہوئے، پھر طواف کی دو رکعت نماز پڑھے، پھر صفا و مروہ میں چلے اور دو سبز نشانوں کے درمیان دوڑے اور سات چکر پورے کرے اور یہ عمرہ کے کام ہیں، پھر حج کے کام شروع کرے چنانچہ حج کے لئے طوافِ قدوم کرے پھر حج کے کام اسی طریقہ سے پورے کرے جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

تشریح: حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) حج اِفراد، (۲) حج قِران، (۳) حج تمتّع۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ حج مُفرد یعنی حج اِفراد کے طریقہ اور احکام کے بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب حج مُرکّب یعنی حج قِران اور تمتّع کو بیان فرماتے ہیں لیکن ہمارے احناف کے نزدیک چونکہ حج قِران افضل ہے اس لئے پہلے قِران کے احکام بیان کرتے ہیں اس کے بعد تمتّع کے احکام ذکر کریں گے۔ چنانچہ مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تین باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) حج قِران کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ، (۲) حج قِران کا حکم، (۳) حج قِران کا طریقہ۔

پہلی بات کی وضاحت: یہ ہے کہ اگر آفاقی شخص حج کے مہینوں (شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ کے دس دن) میں میقات سے عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھے پھر مکہ آکر عمرہ کرے اور عمرہ کے بعد احرام نہ کھولے (حلق یا قصر نہ کرائے) بلکہ احرام ہی کی حالت میں رہے یہاں تک کہ ایامِ حج (۸/۹/۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ) میں اسی احرام کے ساتھ حج کرلے تو ایسے حج کو حج "قِران" اور حاجی کو "قارِن" کہتے ہیں، کیونکہ قِران کا معنیٰ ہے ملانا چونکہ قارِن بھی عمرہ اور حج کو اپنے احرام میں ملا دیتا ہے اس لئے ایسے حج کو "حج قِران" کہتے ہیں۔

دوسری بات کی وضاحت: حج قِران کا حکم یہ ہے کہ ہمارے یعنی احناف کے نزدیک حج کی تینوں قسموں میں سے قِران افضل ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھو" نیز یہ روزہ اور اعتکاف یا میدانِ جہاد میں لشکر کی حفاظت اور تہجد کو جمع کرنے کی طرح ہے۔ نیز یہ مشکل بھی ہے اور مشکل عمل کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

فائدہ: متاخرین احناف نے تمتع کو قِران سے افضل قرار دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ حج قِران میں احرام کی مدت تمتع کے مقابلہ میں لمبی ہوتی ہے جس میں احرام کی پابندیوں کی رعایت کرنا عام لوگوں کے لئے مشکل ہے اس لئے تمتع بہتر ہے تاکہ حج کوتاہیوں سے محفوظ رہے۔ (ردالمحتار)

تیسری بات: ترجمہ ہی سے واضح ہے۔

فَإِذَا رَمىٰ يَوْمَ النَّحْرِ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَجَبَ عَلَيْهِ ذَبْحُ شَاةٍ. أَوْسُبْعُ بَدَنَةٍ۔ فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا لِلذَّبْحِ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ. وَسَبْعَةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ أَفْعَالِ الْحَجِّ. وَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ صَامَ بِمَكَّةَ بَعْدَ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ. وَإِنْ شَاءَ صَامَ بَعْدَ عَوْدِهٖ إِلىٰ أَهْلِهٖ۔

حلِّ لغات: بَدَنَةٌ: بڑے جُثہ والا جانور، وہ گائے یا اونٹ جسکی قربانی مکہ میں حج کے موقع پر کی جائے، جمع بُدْنٌ، بَدَنَاتٌ۔

ترجمہ: پس جب قربانی کے دن جمرۂ عقبہ پر کنکریاں پھینک دے تو اس پر بکری کا ذبح کرنا یا ایک بڑے جانور (گائے یا اونٹ) کا ساتواں حصہ واجب ہے۔ پس اگر (حاجی) قربانی کرنے کے لئے کوئی جانور نہ پائے تو تین دن روزہ رکھے قربانی کے دن سے پہلے اور سات دن روزہ رکھے حج کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد، اور اُس کو اختیار ہے اگر چاہے تو ایامِ تشریق کے بعد مکہ ہی میں روزے رکھے اور اگر چاہے تو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کے بعد روزے رکھے۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ تیسری بات (یعنی حج قِران کا طریقہ) کو مکمل فرماتے ہیں چونکہ حج قِران میں شکریہ کے طور پر قربانی (دمِ شکر) واجب ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج دو عبادتوں کو بجالانے کی سعادت سے نوازا ہے اس لئے دس ذی

الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر قربانی کرنی ہو گی جس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔ قربانی میں پالتو چوپایوں مثلاً بھیڑ، بکری، گائے (بھینس) اونٹ کو ہی ذبح کیا جائے گا اور ان مذکورہ جانوروں میں سے افضل اونٹ کی قربانی ہے پھر گائے بھینس کی پھر بکری، بھیڑ کی۔ جنگلی اور شکار والے جانوروں کی قربانی درست نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے جنگلی جانور مثلاً ہرن وغیرہ گھر میں پال کر مانوس کرایا ہو تو بھی اس کی قربانی درست نہ ہو گی۔

فائدہ: قربانی میں بکری ایک سال، گائے بھینس دو سال، اور اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے ایک دن بھی کم نہ ہو۔

أَوْ سُبُعُ بَدَنَةٍ؛ بڑے جانور میں زیادہ سے زیادہ سات حصے مقرر ہو سکتے ہیں، اور کسی شریک کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہونا چاہیے۔

فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ؛ اگر قارن میں ناداری اور غربت کی وجہ سے قربانی کی استطاعت نہ ہو تو اس پر دس روزے لازم ہوں گے تین روزے ایام حج میں یوم النحر سے پہلے پہلے یوم عرفہ (نو ذی الحجہ) تک اور سات روزے ایام حج کے بعد مکہ میں یا گھر لوٹنے کے بعد لیکن اگر یہ تین روزے عرفہ کے دن تک نہ رکھ سکا تو اب قربانی کرنا ہی ضروری ہے روزوں سے دم قران کی تلافی نہیں ہو گی۔ (در مختار مع رد المحتار۔ طحطاوی)

اَلتَّمَتُّعُ۔ هُوَ أَنْ يُّحْرِمَ بِالْعُمْرَةِ فَقَطْ مِنَ الْمِيقَاتِ فَيَقُوْلُ بَعْدَ صَلَاةِ رَكْعَتَيِ الْإِحْرَامِ: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهَا لِيْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ" ثُمَّ يَأْتِيْ بِالتَّلْبِيَةِ. فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ لِلْعُمْرَةِ وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ بِأَوَّلِ طَوَافِهٖ وَيَرْمُلُ فِي الْأَشْوَاطِ الثَّلَاثَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ ثُمَّ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ وَيُحَلِّقُ رَأْسَهٗ. أَوْ يُقَصِّرُ وَيَكُوْنُ حَلَالًا مِنَ الْإِحْرَامِ. هٰذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ قَدْ سَاقَ هَدْيًا۔ أَمَّا إِذَا كَانَ قَدْ سَاقَ هَدْيًا فَإِنَّهٗ لَا يَكُوْنُ حَلَالًا مِنْ عُمْرَتِهٖ۔ فَإِذَا جَاءَ الْيَوْمُ الثَّامِنُ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ مِنَ الْحَرَمِ وَأَتٰى بِأَفْعَالِ الْحَجِّ۔

حل لغات: اَلتَّمَتُّعُ؛ اسم مصدر ہے باب تفعّل کا بمعنی فائدہ اُٹھانا، یہاں مراد حج کی وہ قسم ہے جس میں حج کے مہینوں میں میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر پہلے عمرہ کیا جاتا ہے پھر ایام حج میں حج کا احرام باندھ کر حج کیا جاتا ہے۔ سَاقَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف اجوف واوی از باب نصر بمعنی جانور کو پیچھے سے ہانکنا۔ یہاں مراد ہے حاجی کا حرم کی طرف ہدی (قربانی) کا جانور ساتھ لے کر جانا۔

ترجمہ: تمتُّع وہ یہ ہے کہ (حاجی) میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے چنانچہ احرام کی دو رکعت نماز کے بعد کہے "اے اللہ! میں عمرہ کرنے کا ارادہ کرتا ہوں پس تو اسے میرے لئے آسان کر دے، اور اس کو میری طرف سے قبول فرما لے" پھر تلبیہ کہے۔ پس جب مکہ میں داخل ہو تو عمرہ کے لئے طواف کرے اور اپنے طواف کی ابتداء ہی میں تلبیہ کہنا بند کر دے، اور پہلے تین چکروں میں کندھے ہلا کر ذرا تیز چلے، پھر طواف کی دو رکعت نماز پڑھے، پھر صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے، اور اپنے سر کو منڈوائے یا بال کٹوائے اور احرام سے نکل جائے، یہ اُس وقت ہے کہ جب اس نے قربانی کا جانور نہ ہانکا ہو، بہر حال جب اس نے قربانی کا جانور ہانکا ہو تو وہ اپنے عمرہ سے حلال نہ ہو گا۔ پس جب ذی الحجہ کا آٹھواں دن ہو جائے تو مسجدِ حرام سے حج کا احرام باندھے اور حج کے ارکان کو ادا کرے۔

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حج کی تیسری اور آخری قسم حج تمتُّع کو بیان فرمایا ہے جس میں دو باتیں بیان فرمائی ہیں:
(۱) حج تمتُّع کی تعریف، (۲) حج تمتُّع کی دو قسمیں اور انکی تعریف۔ اور طریقۂ حج۔

پہلی بات کی وضاحت: اگر حاجی حج کے مہینوں (شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ کے دس دن) میں میقات سے صرف عمرہ کی نیت کر کے عمرہ کا احرام باندھے اور پھر مکہ آکر عمرہ کر کے حلال ہو جائے یعنی سر منڈا کر احرام کھول دے، اور پھر ایامِ حج میں آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے ہی حج کا احرام باندھ کر حج کر لے تو ایسے حج کو ''حجِ تمتُّع'' اور حج کرنے والے کو ''مُتَمَتِّع'' کہتے ہیں۔ اس حج کو تمتُّع اس لئے کہتے ہیں کہ تمتُّع کا معنی ہے فائدہ حاصل کرنا اور نفع اُٹھانا، چونکہ یہ حاجی بھی ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دو عبادتوں کا فائدہ اٹھاتا ہے اس لئے اس کو ''حجِ تمتُّع'' کہتے ہیں۔

دوسری بات کی وضاحت: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے متمتع کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: (۱) ایک وہ جو حرم کی طرف ہدی کا جانور ہنکا کر لے جاتا ہے، (۲) دوسری قسم وہ ہے جو ہدی کا جانور ساتھ نہ لے کر جائے۔ پہلی صورت افضل ہے کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا اتباع ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر چلے تھے۔ (مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ)

نیز ہدی کا جانور ساتھ لے کر چلنے میں خیر کی تیاری اور واجب ادا کرنے میں جلدی ہے اور یہ دونوں باتیں پسندیدہ ہیں۔ اس لئے ہدی کا جانور ساتھ لے کر جانا نہ لے جانے سے افضل ہے۔

ان دونوں صورتوں میں طواف اور سعی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، طواف اور سعی دونوں ہی کریں گے فرق صرف اتنا ہے کہ ہدی کا جانور ساتھ نہ لے کر جانے والا طواف اور سعی کے بعد (حلق یا قصر کے ذریعہ) حلال ہو جائے گا، پھر آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر ارکانِ حج ادا کرے گا۔ اور ہدی کا جانور ساتھ لے کر جانے والا طواف اور عمرہ کر کے (حلق یا قصر کے ذریعہ) حلال نہ ہو گا اس لئے کہ ہدی کا جانور ساتھ لے کر جانا حلال ہونے سے مانع ہے، بلکہ مُحرِم رہے گا پھر جب آٹھویں ذی الحجہ کا دن ہو تو پھر حرم سے حج کا بھی احرام باندھے گا اور قربانی کے دن حلق یا قصر کے ذریعہ دونوں احراموں سے حلال ہو جائے گا۔

فائدہ: مسجدِ حرام سے پورا حرم مراد ہے خاص کر مسجدِ حرام ہی سے احرام باندھنا شرط نہیں بلکہ حرم سے احرام باندھنا شرط ہے البتہ مسجد حرام سے احرام باندھنا افضل ہے۔ (ہدایہ، در مختار مع رد المحتار، قاموس الفقہ وغیرہ)

فَإِذَا رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ لَزِمَهٗ ذَبْحُ شَاةٍ، أَوْ سُبُعُ بَدَنَةٍ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ ذَبْحَ شَاةٍ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ، وَسَبْعَةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ أَفْعَالِ الْحَجِّ، فَإِنْ لَمْ يَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتّٰى جَاءَ يَوْمُ النَّحْرِ تَعَيَّنَ عَلَيْهِ ذَبْحُ شَاةٍ أَوْ سُبُعُ بَدَنَةٍ وَلَا يَصِحُّ عَنْهُ صَوْمٌ وَلَا صَدَقَةٌ۔

ترجمہ: پس جب قربانی کے دن بڑے شیطان پر کنکری مارے تو اس پر ایک بکری کی قربانی واجب ہے یا گائے، اونٹ کا ساتواں حصہ (واجب ہے) پس اگر وہ بکری کی قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو قربانی کے دن سے پہلے تین دن روزے رکھے اور سات دن حج کے

کاموں سے فارغ ہونے کے بعد، پس اگر اُس نے تین دن روزے نہیں رکھے یہاں تک کہ قربانی کا دن آگیا تو اُس پر بکری کی قربانی یا اونٹ، گائے کا ساتواں حصہ متعیَّن ہو گیا اس کی طرف سے نہ روزہ درست ہے اور نہ صدقہ۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت میں دوسری بات کا تتمہ ہے جو ترجمہ ہی سے واضح ہے کہ چونکہ متمتع پر دمِ شکر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج دو عبادتوں کی توفیق عطا فرمائی تو وہ قربانی کے دن بکری یا بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قربانی دے گا اُس تفصیل کے مطابق جو قارِن کے بیان میں گذر گئی۔

فائدہ: مکی اور حِلّی کے لئے قِران اور تمتُّع ممنوع ہیں مکی یعنی حدودِ حرم میں اور حِلّی یعنی حدودِ حِلّ میں رہنے والے کے لئے حج کے مہینوں میں حج اور عمرہ کو جمع کرنا یعنی تمتع یا قِران کرنا ممنوع ہے اگر انہوں نے ایسا کیا تو جائز تو ہو جائے گا لیکن وہ گنہگار ہوں گے اور دَمِ جنایت یعنی جرمانہ کے طور پر دَم لازم آئے گا۔ ان کے لئے صرف حجِ اِفراد ہے۔ (ہدایہ، در مختار مع رد المحتار)

فائدہ: حجِ قِران، تمتُّع اور افراد میں فرق: (۱) پہلا فرق: حجِ افراد میں احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت ہوتی ہے، حجِ تمتع میں صرف عمرہ کی نیت ہوتی ہے اور حج کا احرام دوبارہ ایامِ حج میں باندھا جاتا ہے۔ اور حجِ قِران میں احرام باندھتے وقت عمرہ اور حج دونوں کی نیت ہوتی ہے۔ (۲) دوسرا فرق: مُفرِد پہلے طوافِ قدوم کرتا ہے جبکہ قارِن اور متمتع سب سے پہلے عمرہ کا طواف کرتے ہیں۔ طوافِ قدوم سنت ہے جبکہ طوافِ عمرہ فرض ہے۔ (۳) تیسرا فرق: مُفرِد پر قربانی واجب نہیں ہے بلکہ اس کے لئے مسنون ہے جبکہ قارِن اور متمتع پر قربانی واجب ہے۔ (۴) قارِن اور متمتع پر واجب ہے کہ درجِ ذیل ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے افعالِ حج انجام دیں۔ پہلے رمی کرنا۔ پھر قربانی کرنا۔ پھر حلق یا قصر کرنا۔ جبکہ مُفرِد رمی کے بعد بھی حلق یا قصر کر سکتا ہے اس لئے کہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (۵) پانچواں فرق: فضیلت کے اعتبار سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حجِ قِران سب سے افضل ہے پھر تمتُّع اور پھر اِفراد۔ (۶) چھٹا فرق: اِفراد کرنے والوں کے لئے حج کی سعی طوافِ زیارت کے بعد افضل ہے اور قِران کرنے والوں کے لئے حج کی سعی طوافِ قدوم کے بعد کرنا افضل ہے۔ (شرح زبدہ مع معلم الحجاج)

فائدہ: حج کی تینوں قسمیں ایک اجمالی نظر میں۔

حجِ افراد کے افعال

نمبر شمار	افعال	حکم
۱	حج کا احرام	شرط
۲	طوافِ قدوم	سنت
۳	قیامِ منیٰ (از ظہرِ ۸/ذی الحجہ تا فجرِ ۹/ذی الحجہ)	سنت
۴	وقوفِ عرفہ (۹/ذی الحجہ)	رکن
۵	وقوفِ مزدلفہ (۱۰/ذی الحجہ)	واجب
۶	آخری جمرہ کی رمی (۱۰/ذی الحجہ)	واجب
۷	سر منڈانا یا کتروانا	واجب
۸	طوافِ زیارت (۱۰/تا ۱۲/ذی الحجہ)	رکن
۹	رمل واضطباع	سنت
۱۰	سعی	واجب
۱۱	تینوں جمرات کی رمی (۱۱/۱۲/ذی الحجہ)	واجب
۱۲	منیٰ میں شب گذاری (۱۱/۱۲/ذی الحجہ)	سنت
۱۳	طوافِ وداع بوقتِ واپسی	واجب

تنبیہ: حج افراد کرنے والے کے لئے طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنا افضل ہے لیکن اگر وہ چاہے تو طوافِ قدوم کے بعد بھی سعی کر سکتا ہے، ایسی صورت میں وہ طوافِ قدوم میں اضطباع اور رَمل کرے گا اور طوافِ زیارت میں نہیں کرے گا، کیونکہ رَمل اور اضطباع صرف اسی طواف میں مسنون ہیں جس کے بعد سعی کا ارادہ ہو۔ نیز حجِ اِفراد میں قربانی واجب نہیں ہے بلکہ مسنون ہے لہٰذا اگر چاہے تو نفلی قربانی کر سکتا ہے۔

حجِ قِران کے افعال

نمبر شمار	افعال	حکم
۱	حج و عمرہ کا احرام	شرط
۲	طوافِ عمرہ (کم از کم ۴ چکر)	رکن
۳	رَمَل واضطباع	سنت
۴	عمرہ کی سعی	واجب
۵	طوافِ قدوم بمع رَمَل واضطباع	سنت
۶	حج کی سعی	واجب
۷	قیامِ منیٰ (از ظہرِ ۸/ذی الحجہ تا فجرِ ۹/ذی الحجہ)	سنت
۸	وقوفِ عرفہ (۹/ذی الحجہ)	رکن
۹	وقوفِ مزدلفہ (۱۰/ذی الحجہ)	واجب
۱۰	آخری جمرہ کی رمی (۱۰ تا ۱۲/ذی الحجہ)	واجب
۱۱	قربانی (۱۰ تا ۱۲/ذی الحجہ)	واجب
۱۲	سر منڈانا یا کتروانا	واجب
۱۳	طوافِ زیارت (۱۰ تا ۱۲/ذی الحجہ)	رکن
۱۴	تینوں جمرات کی رمی (۱۱۔۱۲/ذی الحجہ)	واجب
۱۵	منیٰ میں شب گذاری (۱۱۔۱۲/ذی الحجہ)	سنت
۱۶	طوافِ وداع (بوقتِ واپسی)	واجب

تنبیہ: قارن کے لئے حج کی سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کرنا افضل ہے، لیکن اگر وہ چاہے تو طوافِ زیارت کے بعد بھی سعی کر سکتا ہے ایسی صورت میں طوافِ زیارت میں رَمَل واضطباع کرے گا بشرطیکہ طوافِ زیارت سر منڈانے سے پہلے کرے اگر سنت کے مطابق حلال ہونے (حلق یا قصر) کے بعد طوافِ زیارت کرے تو پھر صرف رَمَل کرے گا اضطباع کا حکم نہیں ہے۔

حجِ تمتّع کے افعال

نمبر شمار	افعال	حکم
۱	عمرہ کا احرام	شرط
۲	عمرہ کا طواف	رکن
۳	رَمَل واضطباع	سنت
۴	عمرہ کی سعی	واجب
۵	سر منڈانا یا کتروانا	واجب
۶	حج کا احرام باندھنا	شرط
۷	قیامِ منیٰ (از ظہرِ ۸/ذی الحجہ تا فجرِ ۹/ذی الحجہ)	سنت
۸	وقوفِ عرفہ (۹/ذی الحجہ)	رکن
۹	وقوفِ مزدلفہ (۱۰/ذی الحجہ)	واجب
۱۰	آخری جمرہ کی رمی (۱۰/ذی الحجہ)	واجب
۱۱	قربانی	واجب
۱۲	سر منڈانا یا کتروانا	واجب
۱۳	طوافِ زیارت	رکن
۱۴	حج کی سعی	واجب
۱۵	تینوں جمرات کی رمی (۱۱۔۱۲/ذی الحجہ	واجب
۱۶	مِنیٰ میں شب گذاری (۱۱۔۱۲ ذی الحجہ)	سنت
۱۷	طوافِ وَداع (بوقتِ واپسی)	واجب

تنبیہ: تمتع کرنے والا طوافِ زیارت کے بعد سعی کرے گا اور یہی افضل ہے، لیکن اگر وہ پہلے سعی کرنا چاہے تو حج کا احرام باندھنے کے بعد ایک نفلی طواف کرکے حج کی سعی کر سکتا ہے، اس نفلی طواف میں رَمَل واضطباع کرے گا، پھر بعد میں طوافِ زیارت میں رَمَل واضطباع نہیں کرے گا۔

فائدہ: تمتع کرنے والوں کے لئے طوافِ قدوم سنت نہیں ہے، کیونکہ وہ اہلِ مکہ کے حکم میں ہیں، اس لئے اُوپر تنبیہ میں نفلی طواف کا تذکرہ کیا۔

اَلْعُمْرَةُ۔ اَلْعُمْرَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ مَرَّةً فِي الْعُمْرِ، إِذَا وُجِدَتْ شُرُوْطُ وُجُوْبِ الْأَدَاءِ لِلْحَجِّ۔ تَصِحُّ الْعُمْرَةُ فِي جَمِيْعِ السَّنَةِ۔ يُكْرَهُ الْإِحْرَامُ لِلْعُمْرَةِ يَوْمَ عَرَفَةَ وَيَوْمَ النَّحْرِ، وَأَيَّامَ التَّشْرِيْقِ۔ أَفْعَالُ الْعُمْرَةِ أَرْبَعَةٌ: ١۔ اَلْإِحْرَامُ۔ ٢۔اَلطَّوَافُ۔ ٣۔اَلسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ ٤۔اَلْحَلْقُ أَوِ التَّقْصِيْرُ۔ فَمَنْ أَرَادَ الْعُمْرَةَ فَلْيَذْهَبْ إِلَى الْحِلِّ إِذَا كَانَ بِمَكَّةَ سَوَاءٌ كَانَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، أَوْ كَانَ قَدْ أَقَامَ بِهَا وَلْيُحْرِمْ لِلْعُمْرَةِ۔ أَمَّا مَنْ بَعُدَ عَنْ مَكَّةَ وَلَمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ بَعْدُ، فَهُوَ يُحْرِمُ مِنَ الْمِيْقَاتِ إِذَا قَصَدَ دُخُوْلَ مَكَّةَ ثُمَّ يَطُوْفُ وَيَسْعٰى لِلْعُمْرَةِ ثُمَّ يُحَلِّقُ رَأْسَهُ، أَوْ يُقَصِّرُهُ وَقَدْ حَلَّ مِنَ الْعُمْرَةِ۔

حلِّ لغات: **اَلْعُمْرَةُ؛** بمعنی کسی آباد مکان کا ارادہ کرنا، جمع **عُمَرٌ، عُمُرَاتٌ**۔

ترجمہ: پوری عمر میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا سنتِ مؤکدہ ہے، جب حج کی ادائیگی کے واجب ہونے کی شرطیں پائی جائیں۔ عمرہ پورے سال میں کرنا درست ہے۔ عمرہ کا احرام عرفہ کے دن، اور قربانی کے دن، اور ایامِ تشریق میں باندھنا مکروہ ہے۔ عمرہ کے کام چار ہیں: (۱) احرام باندھنا۔ (۲) طواف کرنا۔ (۳) صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا۔ (۴) سر منڈانا یا بال چھوٹے کرانا۔ پس جو شخص عمرہ کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ وہ مقامِ "حِلّ" جائے خواہ وہ مکہ والوں میں سے ہو یا وہ مکہ میں ٹھہرا ہوا ہو، اور اس کو چاہیئے کہ احرام باندھ لے۔ بہر حال جو مکہ سے دور ہو اور ابھی تک وہ مکہ میں داخل نہ ہوا ہو تو وہ میقات سے احرام باندھے گا جب وہ مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے، پھر وہ طواف کرے اور سعی کرے عمرہ کے لئے، پھر وہ اپنا سر منڈائے یا بال کتروائے اور تحقیق وہ عمرہ سے حلال ہو چکا۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ حج کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے عمرہ کے احکام بیان فرماتے ہیں، بیت اللہ کے ساتھ دو بڑی عبادتوں کا تعلق ہے، (۱) ایک حج جس میں اکثر افعال صرف ماہِ ذی الحجہ کے پانچ دن (۱۲/۱۱/۱۰/۹/۸) میں ادا کئے جاسکتے ہیں، دوسرے ایام میں نہیں ہوسکتے۔ (۲) دوسری عمرہ جو حج کے پانچ دنوں کے علاوہ سال کے ہر مہینہ اور ہر وقت میں ہوسکتا ہے۔

عمرہ کی اہمیت اور اسکے فضائل: احادیث میں حج کی طرح عمرہ کی بھی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے، (مسلم، بخاری) خصوصی طور پر رمضان المبارک کے عمرہ کو خصوصی درجہ و مقام حاصل ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔ (ابن حبان، ابوداؤد) ایک روایت میں ارشاد فرمایا: افضل ترین عمل مقبول حج و عمرہ ہے۔ (احمد، طبرانی)

عمرہ کا لغوی معنی: کسی آباد جگہ کی زیارت کرنا۔

عمرہ کی شرعی تعریف: شریعت کی اصطلاح میں عمرہ کا اطلاق خاص افعال (احرام، طواف، سعی، حلق یا قصر) کے ساتھ بیت اللہ شریف کی زیارت پر ہوتا ہے۔

عمرہ کی شرعی حیثیت: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے **اَلْعُمْرَةُ سُنَّةٌ** سے عمرہ کی شرعی حیثیت اور اس کا حکم بیان فرمایا ہے کہ شریعت میں عمرہ کی حیثیت سنت ہونے کی ہے فرض یا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ عمرہ کی مشروعیت پر تمام امت کا اتفاق ہے عمرہ اپنی اصل کے اعتبار سے

صاحبِ استطاعت شخص پر زندگی میں ایک مرتبہ سنتِ مؤکّدہ ہے۔ صاحبِ استطاعت سے مراد وہ شخص ہے جس میں وہ تمام شرائط پائی جائیں جو حج کے فرض ہونے کے لئے ضروری ہیں۔

تَصِحُّ الْعُمْرَةُ الخ: سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عمرہ کا وقت بیان کیا ہے کہ عمرہ کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے بلکہ پورے سال میں جب چاہیں عمرہ ادا کر سکتے ہیں، صرف حج کے پانچ ایام (۸/ ذی الحجہ سے ۱۲/ ذی الحجہ کی شام تک ۵/ دن) میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

فائدہ: اگر کسی شخص نے ایامِ مکروہہ میں عمرہ کا احرام باندھا تو اس پر لازم ہے کہ احرام کھول دے اور ایک دَم (قربانی) دے اور بعد میں عمرہ کی قضاء کرے۔ لیکن اگر احرام نہیں کھولا اور ان پانچ دنوں میں عمرہ کر لیا تو عمرہ کراہت کے ساتھ معتبر ہوگا لیکن جرمانہ میں ایک دَم واجب ہوگا۔ (کتاب المسائل بحوالہ بحر عمیق، غنیۃ)

عمرہ کے چار کام ہیں: جن میں سے دو فرض ہیں اور دو واجب ہیں۔ فرض: (۱) احرام، (جو کہ شرط ہے) (۲) طواف، (جو کہ رکن ہے)۔ واجب: (۱) سعی، (۲) حلق یا قصر۔ اور دو ہی سنتیں ہیں: (۱) رَمَل، (۲) اضطباع۔

ارکان: (۱) احرام، (۲) طواف۔

واجبات: (۱) سعی، (۲) حلق یا قصر۔

فَمَنْ أَرَادَ الْعُمْرَةَ الخ: سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عمرہ کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) مکی۔ (۲) آفاقی۔ اور دونوں قسموں کے احرام باندھنے کے احکام الگ الگ ہیں۔ مکی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو مکہ میں یا مکہ سے باہر حدودِ حرم کے اندر اندر موجود ہو خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو، خواہ عارضی طور پر مقیم ہو۔ آفاقی (غیر ملکی) سے مراد وہ شخص ہے جو حدودِ حرم سے باہر ہو، ابھی تک مکہ یعنی حدودِ حرم میں داخل نہ ہوا ہو۔

پہلی قسم یعنی مکی کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ عمرہ کرنا چاہتا ہو تو وہ حدودِ حرم سے باہر حِلّ کے کسی بھی مقام سے عمرہ کا احرام باندھ سکتا ہے، البتہ حِلّ کے علاقۂ تنعیم (یعنی مسجدِ عائشہ) سے احرام باندھنا افضل ہے۔ حِلّ سے مراد حدودِ حرم سے باہر میقات تک کا علاقہ ہے۔

فائدہ: اور اگر یہی مکی حج کرنا چاہتا ہے تو حج کے لئے حرم ہی سے احرام باندھے گا جیسا کہ اس سے پہلے وضاحت ہو چکی ہے۔

دوسری قسم آفاقی یعنی غیر ملکی کا حکم یہ ہے کہ وہ میقات سے احرام باندھے گا۔

ثُمَّ يَطُوْفُ الخ: سے عمرہ ادا کرنے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ دونوں قسموں (مکی، آفاقی) کے عمرہ کے باقی اعمال ایک ہی جیسے ہیں، جسکی تفصیل یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف اس طرح کریں گے کہ اضطباع کر کے پہلے تین چکروں میں رَمَل کریں گے، پھر طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کے پاس یا مسجدِ حرام میں کہیں بھی دو رکعت "دوگانۂ طواف" ادا کریں گے، پھر زمزم کے پاس جا کر خوب شکم سیر ہو کر زمزم پئیں، اس کے بعد صفا و مروہ کی سعی کریں، سعی سے فارغ ہو کر حلق یا قصر کرائیں اس کے بعد احرام کُھل جائے گا اور عمرہ مکمل ہو جائے گا۔

تنبیہ: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عمرہ کرنے والوں کی دو قسمیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) مکی، (۲) آفاقی۔ جبکہ ایک (۳) تیسری قسم بھی ہے اور وہ ہے حِلّی جو حدودِ حرم سے باہر اور میقات کے اندر رہتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ وہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے اپنے گھر یعنی حِلّ ہی سے احرام باندھیں گے۔ (درمختار، ہدایہ وغیرہ)

فائدہ: عمرہ میں احرام باندھنے کے وقت سے تلبیہ شروع ہوگا اور طواف شروع کرتے ہی تلبیہ موقوف کر دیا جائے گا۔

فائدہ: عمرہ میں طوافِ قدوم یا طوافِ وداع نہیں ہے جیسا کہ حج میں ہوتا ہے، بلکہ عمرہ کے افعال میں صرف ایک ہی طواف داخل ہے۔ (غنیۃ الناسک) لہٰذا اگر کسی عمرہ کرنے والے شخص نے وطن واپسی کے وقت طواف کیا تو اس کا تعلق عمرہ کے اعمال سے نہیں ہوگا بلکہ یہ ایک مستقل عمل ہوگا۔

فائدہ: عمرہ کے افعال ایک نظر میں۔

نمبر شمار	افعال	حکم
۱	احرام باندھنا	شرط
۲	طواف	رکن
۳	رَمَل	سنت
۴	اضطباع	سنت
۵	سعی	واجب
۶	سر منڈانا یا کتروانا	واجب

فائدہ: حج اور عمرہ کے احکام میں فرق: عمرہ میں اور حج میں احرام، حرم وغیرہ کی پابندیاں یکساں ہوتی ہیں، لیکن بنیادی طور پر چند امور میں عمرہ کا حکم حج سے مختلف ہے، جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

نمبر شمار	عمرہ	حج
۱	عمرہ فرض نہیں ہے،	جبکہ حج شرائط پائے جانے پر فرض ہو جاتا ہے۔
۲	عمرہ کا کوئی وقت متعیَّن نہیں ہے،	جبکہ حج کا وقت متعیَّن ہے۔
۳	عمرہ کبھی فوت نہیں ہوتا،	جبکہ حج وقت گذرنے پر فوت ہو جاتا ہے۔
۴	عمرہ میں وقوفِ عرفات، مزدلفہ، منیٰ، رمی جمرات کسی بات کا حکم نہیں ہے،	جبکہ حج میں یہ ساری چیزیں مناسک میں داخل ہیں۔
۵	عمرہ میں طوافِ قدوم نہیں ہوتا، بلکہ مکہ معظمہ پہنچتے ہی عمرہ کا طواف کیا جاتا ہے۔	جبکہ حج میں طوافِ قدوم ہوتا ہے۔
۶	عمرہ میں واپسی پر طوافِ وَداع نہیں ہے،	جبکہ حج میں وطن واپسی پر طوافِ وَداع ہے۔
۷	عمرہ اگر فاسد ہو جائے تو بدنہ واجب نہیں ہے،	جبکہ حج میں بعض صورتوں میں بدنہ واجب ہے۔
۸	عمرہ میں اگر طوافِ عمرہ جنابت کی حالت میں کیا تو صرف بکری کی قربانی واجب ہے۔	جبکہ حج میں اگر طوافِ زیارت بحالتِ جنابت کیا تو بدنہ کی قربانی واجب ہے۔
۹	اہلِ مکہ کے لئے عمرہ کا میقات حِلّ ہے	جبکہ اہلِ مکہ کے لئے حج کا میقات حرم ہے۔
۱۰	عمرہ کا طواف شروع کرتے ہی تلبیہ بند،	جبکہ حج میں تلبیہ قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی تک جاری رہے گا۔
۱۱	عمرہ میں جنایت کی صورت میں صدقہ کسی حال میں کافی نہیں،	جبکہ حج میں بعض صورتوں میں صدقہ بھی کافی ہو جاتا ہے۔

اَلْجِنَايَاتُ وَجَزَاؤُهَا۔ اَلْجِنَايَةُ: هِيَ إِرْتِكَابُ مَا نُهِيَ عَنْ فِعْلِهِ۔ وَالْجِنَايَةُ تَنْقَسِمُ إِلٰى قِسْمَيْنِ: ١۔ جِنَايَةٌ عَلَى الْحَرَمِ۔ ٢۔ جِنَايَةٌ عَلَى الْإِحْرَامِ۔ **اَلْجِنَايَةُ عَلَى الْحَرَمِ۔** اَلْجِنَايَةُ عَلَى الْحَرَمِ: هُوَ أَنْ يَّتَعَرَّضَ أَحَدٌ بِصَيْدِ الْحَرَمِ بِالْقَتْلِ، أَوِ الْإِشَارَةِ إِلَيْهِ، أَوِ الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ، أَوْ يَتَعَرَّضَ أَحَدٌ بِشَجَرَةِ الْحَرَمِ، أَوْ حَشِيْشِهٖ بِالْقَطْعِ، أَوِ الْقَلْعِ فَهُوَ جِنَايَةٌ عَلَى الْحَرَمِ سَوَاءٌ إِرْتَكَبَهٗ مُحْرِمٌ، أَوِ ارْتَكَبَهٗ حَلَالٌ وَعَلٰى كُلٍّ مِّنْهُمَا جَزَاءٌ۔

حلِ لغات: اَلْجِنَايَةُ: مصدر ہے باب ضرب کا ناقص یائی سے بمعنی گناہ کرنا۔ جمع جِنَايَاتٌ۔ قَلْعٌ: مصدر ہے باب فتح کا بمعنی اکھاڑنا۔

ترجمہ: جرائم اور ان کی سزا۔ "جِنَایَۃ" یہ اُس کام کا ارتکاب ہے جس سے روکا گیا ہے۔ اور جنایت دو قسموں کی طرف منقسم ہوتی ہے۔ (۱) سرزمینِ حرم میں جرم کا ارتکاب کرنا۔ (۲) حالتِ احرام میں جرم کا ارتکاب کرنا۔ حرمِ مقدس میں جرم کا ارتکاب کرنا۔ سرزمینِ حرم کے حق میں جرم کا ارتکاب: وہ یہ ہے کہ کوئی شخص حرم کے شکار کے درپے ہو جائے قتل کرنے کی صورت میں یا اس کی طرف اشارہ کرنے کی صورت میں یا اس پر رہنمائی کرنے کی صورت میں یا کوئی شخص حرم کے درخت کے یا اس کی گھاس کے درپے ہو کاٹنے یا اُکھاڑنے کی صورت میں تو یہ حرم کے حق میں جرم کا ارتکاب ہے برابر ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کوئی مُحْرِم شخص کرے یا کوئی غیر مُحْرِم، بہر کیف اِن دونوں میں سے ہر ایک پر جرمانہ ہے۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ مُحْرِمِیْن کی اقسام اور احکام سے فراغت کے بعد اب اُن عوارض کا ذکر کرتے ہیں جو احرام کو عارض ہوتے ہیں۔

"جِنَایَۃٌ" کی لغوی تحقیق: جنایت کے اصل معنی درخت سے پھل توڑنے کے ہیں، پھر غلطی کے ارتکاب کے لئے بولا جانے لگا۔

"جِنَایَۃٌ" کی شرعی اصطلاحی تحقیق: جنایت یوں تو اپنے مفہوم کے اعتبار سے تمام گناہوں کو شامل ہے جو دنیا اور آخرت میں سزا کا سبب بنتے ہیں، مگر فقہاءِ کرام کے یہاں جنایت کا لفظ دو موقعوں پر استعمال ہوتا ہے: (۱) ایک قتل یا انسانی جسم کو جزوی نقصان پہنچانے پر۔ (۲) دوسرے اُن کاموں پر جن کا ارتکاب "حرم شریف"، یا "احرام" کی حرمت وتقدّس کی وجہ سے حرام ہو یہاں اِنہی کا ذکر مقصود ہے۔

پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حدودِ حرم سے متعلق جرائم اور ان کی سزا کا ذکر پہلے کیا، اس لئے کہ یہ جرائم عام ہیں جو مُحْرِم، غیر مُحْرِم سب کے لئے ممنوع ہیں جبکہ احرام کے جرائم صرف مُحْرِم کے لئے ممنوع ہیں غیر مُحْرِم یعنی حلال کے لئے نہیں۔

حرم محترم: کعبہ شریفہ کے ارد گرد کا ایک مخصوص رقبہ (جو تقریباً ۵۵/ مربع کلومیٹر پر مشتمل) ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کو "حرم" کہتے ہیں جو زمانۂ قدیم سے مامون ومحفوظ قرار دیا گیا ہے گویا کہ یہ بین الاقوامی علاقۂ امن ہے جہاں انسان تو انسان، جانور، خودرو گھاس، درخت کو بھی امن وامان حاصل ہے۔ "وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا"۔

حدودِ حرم سے متعلق دو کام ممنوع ہیں: (۱) حرم کے وحشی جانوروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا اور چھیڑ چھاڑ سے مراد اس وحشی جانور کو شکار کرنا، زخمی کرنا اس کے ہاتھ یا پاؤں توڑنا، پر کاٹنا، انڈا توڑنا، دودھ نکالنا یہ سب منع ہیں اور ان کاموں پر جزاء واجب ہوتی ہے، نیز شکار کی طرف مارنے کے لئے دوسرے آدمی کو اشارہ کرنا، یا اس کی جگہ بتانا یا مارنے کا حکم دینا یا کسی بھی طریقہ سے شکار مارنے میں تعاون کرنا یہ سب کام منع ہیں۔ (۲) حرمِ مقدّس کے خودرو درخت، پیڑ پودوں، کو فقہی تفصیلات کے مطابق کاٹنا یا اُکھیڑنا۔ چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں قسم کے جرائم سے متعلق چند مسائل ذکر کئے ہیں:

إِذَا اصْطَادَ حَلَالٌ صَيْدَ الْحَرَمِ الْبَرِّيِّ الْوَحْشِيِّ، وَذَبَحَهٗ لَمْ يَجُزْ أَكْلُهٗ. وَيُعْتَبَرُ مَيْتَةً سَوَاءٌ إِصْطَادَهٗ مُحْرِمٌ، أَوِ اصْطَادَهٗ حَلَالٌ۔ إِذَا اصْطَادَ حَلَالٌ صَيْدَ الْحَرَمِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِيْمَةُ يَتَصَدَّقُ بِهَا عَلَى الْفُقَرَاءِ. وَلَا يَنُوْبُ الصَّوْمُ عَنِ الْقِيْمَةِ۔ إِذَا قَطَعَ شَجَرَةَ الْحَرَمِ. أَوْ حَشِيْشَهٗ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِيْمَةُ سَوَاءٌ كَانَ مُحْرِمًا أَوْ كَانَ حَلَالًا۔ أَمَّا إِذَا قَطَعَ حَشِيْشَ الْحَرَمِ لِنَصْبِ الْخَيْمَةِ. أَوْ حَفْرِ الْكَانُوْنِ فَإِنَّهٗ جَائِزٌ. لِأَنَّ الْإِحْتِرَازَ مِنْهُ لَا يُمْكِنُ۔

حلِّ لغات: اِصْطَادَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف اجوف یائی از باب افتعال، اصل میں تھا اِصْتَيَدَ بروزنِ اِجْتَنَبَ، پھر باب افتعال کی تا کو طا سے بدل دیا فا کلمہ کی جگہ صاد کے واقع ہونے کی وجہ سے تو اِصْطَيَدَ بن گیا پھر یا متحرک ما قبل مفتوح تو یا کو الف سے بدل دیا اِصْطَادَ بن گیا بمعنی شکار کرنا۔ اَلْبَرِّيّ؛ بمعنی خشکی والا۔ اَلْوَحْشِي؛ جنگلی۔ لَايَنُوْبُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع منفی معلوم اجوف واوی از باب نصر بمعنی قائم مقام نہیں ہوگا۔ اَلْكَانُوْن؛ بمعنی انگیٹھی جمع كَوَانِيْن۔

ترجمہ: جب کوئی شخص حرم کے خشکی والے جنگلی شکار کو شکار کرے، اور اس کو ذبح کر دے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے اور اس کو مردار سمجھا جائے گا برابر ہے کہ اُس کو کسی مُحْرِم نے شکار کیا ہو یا غیر مُحْرِم نے۔ جب کوئی غیر مُحْرِم حرم کے شکار کو شکار کرے تو اس پر قیمت واجب ہوگی جس کو وہ محتاجوں پر صدقہ کرے گا، اور روزہ رکھنا قیمت کے قائم مقام نہیں بنے گا۔ اور جب (کوئی) حرم کے درخت کو، یا اس کی گھاس کو کاٹے تو اس پر قیمت واجب ہوگی، خواہ وہ مُحْرِم ہو یا غیر مُحْرِم ہو۔ بہر حال جب حرم کی گھاس کو خیمہ لگانے کے لئے یا چولھا گاڑنے کے لئے کاٹے تو یقیناً یہ جائز ہے، اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے خواہ مُحْرِم ہو یا غیر مُحْرِم حدودِ حرم میں شکار کیا یا شکار کو ذبح کیا بشرطیکہ وہ شکار خشکی کا ہو دریائی نہ ہو جیسے مچھلی تو یہ شکار حرام اور مردار ہے اس کا کھانا کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر اس شکار کی قیمت لازم ہے جس کو غرباء پر صدقہ کرے گا۔ صدقہ کی تفصیل یہ ہے کہ اس قیمت سے غلہ خرید کر فی مسکین نصف صاع گندم (ایک کلو چھ سو بانوے گرام) صدقہ کر دے، البتہ مُحْرِم اور حلال شخص کے درمیان اس قدر فرق ضرور ہے کہ مُحْرِم کو یہ بھی اختیار ہے کہ بجائے صدقہ کے ہر نصف صاع کھانے کے بدلہ ایک روزہ رکھ لے یعنی اگر غلہ بیس صدقات کے برابر ہے تو بیس روزے رکھے لیکن حلال یعنی غیر مُحْرِم کے لئے صدقہ کرنا ہی ضروری ہے۔ روزہ رکھنے کا اس کو اختیار نہیں ہے۔ (مراقی الفلاح)

فائدہ: صید وہ جانور ہے جو اپنی اصلی خلقت (پیدائش) کے اعتبار سے وحشی (یعنی لوگوں سے متنفر ہو اور بھاگتا ہو) ہو اور اپنے پاؤں یا پروں کے ذریعہ اپنی حفاظت کرتا ہو (جیسے فاختہ، چڑیا، کوّا، کبوتر)، پھر صید کی دو قسمیں ہیں: (۱) برّی۔ (۲) بحری۔ پھر برّی (خشکی والا) وہ ہے جس کی پیدائش اور افزائش خشکی میں ہو جیسے ہرن وغیرہ۔ اور بحری (پانی والا) وہ ہے جسکی پیدائش اور افزائش پانی میں ہو جیسے مچھلی۔ پھر بحری شکار تو مُحْرِم، غیر مُحْرِم دونوں کے لئے حلال ہے اور خشکی کا شکار اگر حرم کا ہے تو دونوں کے لئے حرام ہے اور اگر حرم سے باہر کا ہے تو مُحْرِم کے لئے حرام ہے اور غیر مُحْرِم کے لئے حلال ہے۔

فائدہ: حدودِ حرم میں اگر کوئی حلال (غیر مُحْرِم) شخص شکار کی رہنمائی کرے یعنی کسی شکاری کو یہ بتادے کہ شکار فلاں جگہ موجود ہے اور خود شکار نہ کرے تو اس پر کوئی جزاء واجب نہیں ہے، البتہ استغفار ضروری ہے۔ (کتاب المسائل بحوالہ غنیۃ المناسک، تاتار خانیہ، بدائع صنائع، در مختار مع رد المحتار)

اِذَا قَطَعَ شَجَرَةَ الْحَرَمِ الخ: حرم کے درخت اور گھاس کی چار قسمیں ہیں: جن میں سے تین قسم کا کاٹنا، اور ان سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے اور ایک قسم کا کاٹنا اور اس سے فائدہ اُٹھانا مثلاً جانور کو چرانا جائز نہیں ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہی چوتھی اور آخری قسم ذکر کی ہے پہلی تین قسمیں ذکر نہیں فرمائی ہیں۔ پہلی تین قسمیں: جن کا کاٹنا اور جزا دیئے بغیر فائدہ اُٹھانا جائز ہے، (۱) ہر وہ درخت اور گھاس وغیرہ جس کو لوگ

خود قصداً محنت کر کے اُگاتے ہوں جیسے غلہ جات (گندم، چاول، وغیرہ) کی کھیتی یا پھلدار درخت تو ان کو کاٹنے میں شرعاً کوئی تاوان نہیں ہے۔ کیونکہ بالاجماع ایسے درخت اور گھاس امن کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک لوگ حرم میں کھیتی باڑی کرتے اور اس کو کاٹتے آرہے ہیں اور اس بات پر کسی نے کوئی انکار نہیں کیا۔

(۲) ہر وہ درخت اور پودہ جس کو کسی شخص نے خود قصداً اُگایا ہو اگرچہ عام طور پر اس درخت کو اُگانے کا رواج نہ ہو جیسے پیلو (کیکر) کا درخت تو اس کو کاٹنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) ہر وہ درخت جو خودبخود اُگے جبکہ وہ ان درختوں میں سے ہو جس کو لوگ اُگاتے ہوں جیسے کہیں کوئی پھلدار درخت اُگ آیا۔ تو اس کو کاٹنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) چوتھی قسم جس کو کاٹنا اور جزاء دیئے بغیر اُس سے فائدہ اُٹھانا جائز نہیں ہے یہ ہر وہ درخت اور گھاس ہے جو خودرَو ہو یعنی خودبخود اُگے اور عام طور پر اُس کو اُگانے کا رواج بھی نہیں ہے جیسے کہیں پر کیکر کا درخت خود اُگا ہو یا نونیا گھاس تو اگر کسی نے اس قسم کے درخت یا گھاس کو کاٹا تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

أَمَّا إِذَا قَطَعَ الخ: چلنے پھرنے یا کسی دوسری ضرورت سے گھاس اُکھڑ جائے مثلاً خیمہ لگانے کے لئے یا چولھا بنانے کے لئے یا سواری کے پیر کے نیچے گھاس روندی گئی اور اُکھڑ گئی تو اس میں کوئی جزاء لازم نہیں آتی اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

فائدہ: حرم کا خشک درخت کاٹنا، یا سوکھی ہوئی گھاس کاٹنا، یا اُکھڑا ہوا درخت اور گھاس سے فائدہ اُٹھانا، اسی طرح إِذْخِرْ (ایک قسم کی خوشبودار گھاس ہے) گھاس کو کاٹنا جائز ہے۔ (در مختار مع رد المحتار، کتاب المسائل بحوالہ غنیۃ الناسک، تاتارخانیہ وغیرہ)

اَلْجِنَايَةُ عَلَى الْإِحْرَامِ۔ اَلْجِنَايَةُ عَلَى الْإِحْرَامِ: هِيَ أَنْ يَرْتَكِبَ الْمُحْرِمُ حَالَ إِحْرَامِهٖ مَحْظُورًا مِنْ مَحْظُورَاتِ الْحَجِّ، أَوْ تَرَكَ وَاجِبًا مِنْ وَاجِبَاتِهٖ۔ اَلْجِنَايَةُ عَلَى الْإِحْرَامِ تَنْقَسِمُ إِلٰى سِتَّةِ أَقْسَامٍ: اَلْأَوَّلُ: اَلْجِنَايَةُ الَّتِيْ يَفْسُدُ الْحَجُّ بِارْتِكَابِهَا وَلَايَنْجَبِرُ بَدَمٍ، أَوْ صَوْمٍ، أَوْ صَدَقَةٍ وَهِيَ الْجِمَاعُ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ۔ فَمَنْ جَامَعَ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَسَدَ حَجُّهٗ، وَوَجَبَ عَلَيْهِ ذَبْحُ شَاةٍ، كَمَاوَجَبَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ مِنْ عَامٍ مُقْبِلٍ۔

حل لغات: لَايَنْجَبِرُ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع منفی معلوم صحیح از باب انفعال بمعنی کمی پوری نہیں ہوگی۔ مُقْبِلٌ: صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از باب افعال بمعنی آئندہ۔

ترجمہ: احرام کی حالت میں جرم کا ارتکاب۔ احرام کے حق میں جرم کا ارتکاب وہ یہ ہے کہ مُحْرِم اپنے احرام باندھنے کی حالت میں حج کے ممنوعات میں سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب کرے یا حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو چھوڑدے۔ احرام کی حالت میں ارتکابِ جرم چھ قسموں کی طرف منقسم ہوتا ہے: پہلا وہ جرم جس کے ارتکاب سے حج خراب ہوجاتا ہے اور یہ کمی نہ کسی دم سے پوری ہوتی ہے اور نہ روزہ سے اور نہ ہی کسی صدقہ سے اور وہ مقامِ عرفات میں وقوف کرنے سے پہلے ہمبستری کرنا ہے۔ چنانچہ جو شخص مقامِ عرفات میں وقوف سے پہلے

ہمبستری کر لے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا، اور اس پر ایک بکری کو ذبح کرنا لازم ہو جائے گا جیسا کہ اس پر آنے والے سال میں (حج کی) قضا لازم ہے۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ جنایات کی پہلی قسم (حدودِ حرم سے متعلق جنایات) کے بیان سے فارغ ہو کر اب جنایات کی دوسری قسم (احرام سے متعلق جنایات) کو بیان فرماتے ہیں: چنانچہ جنایاتِ احرام کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: (۱) احرام کی پابندیوں کی خلاف ورزی۔ (۲) واجباتِ حج میں سے کسی واجب کو ترک کر دینا، یا اس میں کوتاہی کرنا۔

اَلْجِنَايَةُ عَلَى الْإِحْرَامِ تَنْقَسِمُ الخ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ جنایاتِ احرام اور ان کی جزاؤں سے متعلق چھ قسمیں بیان فرماتے ہیں۔

فائدہ: اِن قسموں کے بیان سے پہلے بطورِ ضابطہ چند ہدایات ذہن نشین کر لی جائیں۔

ہدایت نمبر (۱): جنایاتِ احرام سے مراد اُن بارہ پابندیوں میں سے کسی پابندی کی خلاف ورزی کرنا ہے جن کا تفصیلی ذکر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے "مَحْظُوْرَاتُ الْحَجّ" کے عنوان سے صفحہ ۲۲۲ پر فرمایا ہے۔

ہدایت نمبر (۲): احرام کی پابندیوں کا معاملہ عام عبادات سے مختلف ہے، اس میں بھول، چُوک، خطا، عذر، بلا عذر، ہوش، بے ہوشی، جانے، اَنجانے ہر حال میں جزاء (کفارہ) لازم ہو گی۔ یعنی احرام کی پابندیوں کی خلاف ورزی خواہ ناواقفیت کی وجہ سے ہو یا خطا اور بُھول سے یا کسی کی زبردستی سے یا اپنی خوشی سے ہو، خواہ جاگتے ہوئے ہو، یا سوتے ہوئے ہو، بے ہوشی اور نشہ میں ہو، یا تنگدستی اور مجبوری سے ہو، خود کرنے سے ہو یا دوسرے سے کرانے سے ہو ہر حال میں مُحْرِم پر جزاء واجب ہو گی اور اس تفصیل میں مرد اور عورت کا حال برابر ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ عذر اور بلا عذر میں دو فرق ہیں: (۱) ایک فرق یہ ہے کہ بھول چُوک یا عذر کی وجہ سے خلاف ورزی کرنے کی صورت میں صرف جزاء لازم ہوتی ہے گناہ نہیں ہوتا اور بغیر عذر کے جان بوجھ کر خلاف ورزی کرنے کی صورت میں جزاء بھی لازم ہوتی ہے اور گناہ بھی جس سے استغفار کی ضرورت ہو گی۔ (۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ بلا عذر جان بوجھ کر خلاف ورزی کرنے کی صورت میں وہی جزاء واجب ہو گی جو مقرر کی گئی ہے اس جزاء کے بدلہ میں روزہ یا صدقہ کرنا کسی حال میں کافی نہ ہو گا جبکہ عذر کی بنیاد پر خلاف ورزی کرنے کی صورت میں بعض صورتوں میں مقرر جزاء کے بدلہ میں روزہ رکھنے یا صدقہ دینے کا بھی اختیار دیا جاتا ہے۔

ہدایت نمبر (۳): جنایات کے باب میں جو جزائیں مقرر کی گئیں ہیں اُن کا تعارف۔ (۱) دَم: اس سے مراد ایک بکرا/ بکری یا ایک بھیڑ/ دنبہ یا بڑے جانور (گائے، بیل، اونٹ) کا ساتواں حصہ قربانی کرنا ہے اور ان میں وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو قربانی کے جانور میں ضروری ہیں۔ (۲) بَدَنَہ: اس سے مراد بڑا جانور ہے یعنی پورا اونٹ، پوری گائے، بیل، بھینس۔ (۳) صَدَقَہ: جہاں یہ لفظ مطلق لکھا ہوا ہو کوئی خاص مقدار ساتھ نہ لکھی ہو تو اِس سے ایک صدقۃ الفطر کی مقدار مراد ہوتی ہے۔ یعنی ایک صاع جَو، کھجور، کشمش وغیرہ۔ یا آدھا صاع گندم، اور صاع کی مقدار تین کلو ڈیڑھ سو گرام جَو، کھجور، کشمش یا اس کی قیمت اور نصف صاع کی مقدار ڈیڑھ کلو پچھتر گرام احتیاطاً پورے دو کلو گندم یا اسکی قیمت۔ اور جہاں لفظِ صدقہ کے ساتھ اس کی کوئی خاص مقدار بھی لکھی ہو وہاں وُہی مقدار واجب ہو گی مثلاً جہاں لکھا ہوا ہو کہ چھ

مسکینوں کو صدقہ دے تو مطلب یہ ہو گا کہ ہر مسکین کو ایک صدقۃ الفطر کی مقدار دے اگر ایک مسکین کو دو یا زیادہ صدقے دے تو وہ ایک ہی صدقہ شمار ہو گا۔

کچھ صدقہ: بعض دفعہ مطلق صدقہ کے بجائے کہا جاتا ہے کہ "کچھ صدقہ" کر دے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مٹھی بھر غلہ یا اس کی قیمت یا ایک روٹی یا ایک ریال نقد دینا بھی کافی ہے۔ جزاء/کفارہ/فدیہ۔ ان الفاظ کا اطلاق حسبِ موقع دَم اور صدقہ دونوں پر ہوتا ہے۔

ھدایت نمبر(۴): دَم اور بدنہ کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، اگر حدودِ حرم سے باہر ذبح کیا تو کفارہ ادا نہ ہو گا۔ البتہ صدقہ جب واجب ہو تو وہ کہیں بھی دیا جا سکتا ہے اس میں حدودِ حرم کی قید نہیں لیکن فقراءِ حرم کو دینا افضل ضرور ہے۔

ھدایت نمبر(۵): جزاء واجب ہونے کے لئے مُحرِم کا مسلمان اور بالغ ہونا شرط ہے لہٰذا کافر اور نابالغ پر اور نابالغ کے ولی پر کوئی جزاء واجب نہیں ہوتی ہے۔

اَلْأَوَّلُ الخ: جنایاتِ احرام کی جزاء کے اعتبار سے چھ قسموں میں سے پہلی قسم وہ جرم ہے جس سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور وہ ہے وقوفِ عرفہ سے پہلے بیوی سے ہمبستری کرنا، چاہے بھول کر کرے یا قصداً، انزال ہو یا نہ ہو۔ چونکہ یہ جُرم سنگین ہے تو اس کی سزا بھی سنگین اور سخت ہے، یہ فساد اور نقصان نہ دَم دینے سے ختم ہو سکتا ہے نہ روزے اور صدقہ سے۔ جزاء اس جرم کی یہ ہے کہ فی الحال اس پر بطورِ کفارہ دَم (بکری کی قربانی) واجب ہے اس لئے کہ ابھی حج کے دونوں فرض (وقوفِ عرفہ، طوافِ زیارت) باقی ہیں کہ اس نے جنایت کر دی، اور آئندہ سال یا اس کے بعد اس پر حج کی قضاء بھی لازم ہے۔

أَلثَّانِيْ: أَلْجِنَايَةُ الَّتِيْ تَجِبُ بِاِرْتِكَابِهَا بَدَنَةٌ وَهِيَ أَمْرَانِ: ١- أَلْجِمَاعُ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ قَبْلَ الْحَلْقِ۔ ٢- أَنْ يَّطُوْفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ وَهُوَ جُنُبٌ۔ فَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ قَبْلَ الْحَلْقِ وَجَبَ عَلَيْهِ ذَبْحُ نَاقَةٍ، أَوْ ذَبْحُ بَقَرَةٍ۔ كَذَا مَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا وَجَبَ عَلَيْهِ ذَبْحُ نَاقَةٍ، أَوْ ذَبْحُ بَقَرَةٍ۔ أَلثَّالِثُ: أَلْجِنَايَةُ الَّتِيْ يَجِبُ بِاِرْتِكَابِهَا دَمٌ۔ شَاةٌ أَوْ سُبْعُ بَدَنَةٍ۔ وَهِيَ أُمُوْرٌ عَدِيْدَةٌ۔ ١- إِذَا ارْتَكَبَ دَاعِيَةً مِنْ دَوَاعِي الْجِمَاعِ كَالْقُبْلَةِ وَاللَّمْسِ بِشَهْوَةٍ۔ ٢- إِذَا لَبِسَ الرَّجُلُ ثَوْبًا مَخِيْطًا لِغَيْرِ عُذْرٍ۔ وَالْمَرْأَةُ تَلْبَسُ مَا تَشَاءُ إِلَّا أَنَّهَا لَا تَسْتُرُ وَجْهَهَا بِسَاتِرٍ مُلَاصِقٍ وَجْهَهَا۔ ٣- إِذَا أَزَالَ شَعْرَ رَأْسِهِ، أَوْ شَعْرَ لِحْيَتِهِ لِغَيْرِ عُذْرٍ۔ ٤- إِذَا سَتَرَ الْمُحْرِمُ وَجْهَهُ يَوْمًا كَامِلًا۔ ٥- إِذَا طَيَّبَ الْمُحْرِمُ عُضْوًا كَامِلًا مِنَ الْأَعْضَاءِ الْكَبِيْرَةِ بِدُوْنِ عُذْرٍ كَالْفَخِذِ، وَالسَّاقِ، وَالذِّرَاعِ، وَالْوَجْهِ، وَالرَّأْسِ بِأَيِّ نَوْعٍ مِنْ أَنْوَاعِ الطِّيْبِ۔ وَكَذَا إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا مُطَيَّبًا يَوْمًا كَامِلًا۔ ٦- إِذَا قَصَّ أَظْفَارَ يَدٍ وَاحِدَةٍ، أَوْ قَصَّ أَظْفَارَ رِجْلٍ وَاحِدَةٍ۔ ٧- إِذَا تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ۔

حلِ لغات: مُلَاصِقٍ؛ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل صحیح از باب مفاعلہ بمعنی چپکنے والا۔ طَيَّبَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل ماضی معروف اجوف یائی از باب تفعیل بمعنی خوشبو لگانا۔ فَخِذٌ؛ بمعنی ران جمع أَفْخَاذٌ۔ سَاقٌ؛ بمعنی پنڈلی جمع سُوْقٌ۔ ذِرَاعٌ؛ بیچ کی انگلی سے کہنی تک کا درمیانی حصہ، بازو۔ جمع أَذْرُعٌ۔ قَصَّ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف مضاعف ثلاثی از باب نصر بمعنی کاٹنا۔

ترجمہ: دوسرا: وہ جرم ہے جس کے ارتکاب کرنے سے بڑا جانور (اونٹنی یا گائے کی قربانی کرنا) واجب ہو جاتا ہے اور یہ جرم دو کام ہیں: (۱) مقامِ عرفات میں وقوف کے بعد سر منڈانے سے پہلے ہمبستری کرنا۔ (۲) طوافِ زیارت حالتِ جنابت میں کرنا۔ چنانچہ جو شخص مقامِ عرفہ میں وقوف کرنے کے بعد سر منڈانے سے پہلے ہمبستری کرے تو اس پر ایک اونٹنی یا ایک گائے کا ذبح کرنا واجب ہے۔ اسی طرح جو شخص طوافِ زیارت جُنبی ہونے کی حالت میں کرے تو اس پر (بھی) ایک اونٹنی یا ایک گائے کی قربانی کرنا واجب ہوگا۔ تیسرا: وہ جرم ہے جس کے ارتکاب کرنے سے قربانی یعنی بکری یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ واجب ہو جاتا ہے، اور یہ جرم چند کام ہیں: (۱) جب (مُحْرِم) ہمبستری کے اسباب میں سے کسی سبب کا ارتکاب کرے، جیسا کہ بوسہ لینا، یا شہوت کے ساتھ چُھونا۔ (۲) جب مرد بغیر کسی عذر کے سِلا ہوا کپڑا پہن لے۔ اور عورت جو لباس چاہے پہن سکتی ہے مگر یہ کہ وہ اپنے چہرے کو کسی ایسے پردے سے نہ چھپائے جو اس کے چہرے سے چپکنے والا ہو۔ (۳) جب اپنے سر کے بالوں کو یا اپنی داڑھی کے بالوں کو بغیر کسی عذر کے دور کرے۔ (۴) جب مُحْرِم مکمل ایک دن اپنے چہرے کو ڈھانپ کر رکھے۔ (۵) جب مُحْرِم اپنے بڑے اعضاء میں سے کسی پورے عضو کو بغیر کسی مجبوری کے خوشبو لگائے، جیسا کہ ران، اور پنڈلی، اور بازو، اور چہرہ اور سر کو خوشبو کی قسموں میں سے کسی بھی قسم کی خوشبو لگائے۔ اور اسی طرح جب پورا ایک دن خوشبو لگایا ہوا کپڑا پہن رکھے۔ (۶) جب اپنے ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے، یا اپنے ایک پاؤں کے ناخن کاٹے۔ (۷) جب طوافِ وَداع کو چھوڑ دے۔

تشریح: جنایتِ احرام کی چھ قسموں میں سے پہلی قسم اور اسکی جزاء کو بیان کرنے کے بعد اب مصنف رحمۃ اللہ علیہ دوسری اور تیسری قسم کو مع ان کی جزا کے بیان فرماتے ہیں، جنکی تفصیل درج ذیل ہے۔

دوسری قسم کا جرم وہ ہے جسکی وجہ سے بدَنہ یعنی کامل گائے یا کامل اونٹ واجب ہوتا ہے اور وہ دو کام ہیں: (۱) ایک وقوفِ عرفہ کے بعد اور حلق یا قصر (یعنی سر منڈا کر یا بال کٹوا کر حلال ہونے) سے پہلے بیوی سے ہمبستری کرنا تاہم اس کا حج فاسد ہونے سے بچ جائے گا اس لئے کہ حج کا ایک اہم رکن وقوفِ عرفہ ادا کر چکا ہے اور ایک ہی رکن باقی ہے اس لئے شریعت نے پہلے جرم کی بنسبت سزا بھی ہلکی تجویز کر لی۔

فائدہ: اس کے بعد پھر جتنی مرتبہ ہمبستری کرے گا تو ہر مرتبہ پر ایک بکری لازم ہوتی رہے گی، خواہ کتنا ہی عرصہ گذر جائے۔

فائدہ: اگر کسی مرد یا عورت نے وقوفِ عرفہ کے بعد حلق یا قصر کرا کر احرام کھول دیا اس کے بعد طوافِ زیارت سے پہلے پہلے ہمبستری کی تو اب راجح قول کے مطابق ایک بکری کی قربانی لازم ہوگی بدنہ کی نہیں۔ دوسرے قول میں بدنہ واجب ہوگا احتیاط اسی میں ہے۔

(۲) دوسرا کام جس میں بدنہ واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حدثِ اکبر یعنی جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں طوافِ زیارت کرے۔ طوافِ زیارت سے مراد پورا طواف یا اکثر چکر ہیں (یعنی چار یا چار سے زیادہ) تاہم یہ طواف شرعاً معتبر ہوگا اور اس کو پاکی کی حالت میں لوٹانا ضروری ہوگا، اگر کفارہ دینے (بدنہ ذبح کرنے) سے پہلے اور بارہ ذی الحجہ کا دن ختم ہونے سے پہلے لوٹا لیا تو بدنہ معاف ہو جائے گا۔ اور اگر بارہ ذی الحجہ کے بعد لوٹایا تو تاخیر کی وجہ سے ایک دم (بکری کی قربانی) واجب ہوگا۔

فائدہ: اگر طوافِ زیارت کے چار سے کم یعنی تین یا دو یا ایک چکر جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں کئے تو ایک بکری کی قربانی واجب ہے، پھر اگر پاک ہونے کے بعد بارہ ذی الحجہ کا دن ختم ہونے (غروبِ آفتاب) سے پہلے پہلے لوٹا لیا تو بکری کی قربانی معاف ہو جائے گی لیکن طواف کے چکروں میں فصل آنے کی وجہ سے ہر چکر کے عوض ایک صدقۂ فطر لازم ہوگا۔

اَلثَّالِثُ: سے جنایاتِ احرام کی چھ قسموں میں سے تیسری قسم کو بیان فرماتے ہیں، تیسری قسم جرم کی وہ ہے جس کا ارتکاب کرنے پر دم (پوری بکری، پورا دنبہ، یا گائے، اونٹ کا ساتواں حصہ) واجب ہوتا ہے اس جرم کی چند صورتیں ہیں، جن میں سے سات صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) ہمبستری تو نہ کرے البتہ کوئی مُحْرِم شخص ایسا کام کرے جو ہمبستری کا سبب بن سکتا ہو مثلاً بیوی سے بوس وکنار کرے، یا شہوت سے ہاتھ لگائے، تو ایسی صورتوں میں چاہے انزال ہو یا نہ ہو اس پر دم واجب ہوگا اور دم کا مطلب مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے خود ''شَاةٌ أَوْ سُبْعُ بَدَنَةٍ'' لکھکر بیان فرمایا ہے۔ ایسی صورت میں حج فاسد نہ ہوگا۔

فائدہ: مُحْرِم کو احتلام ہوا یا کسی شہوت انگیز چیز کو محض دیکھنے یا اس کا خیال کرنے سے انزال ہو گیا تو حسبِ دستور غسل واجب ہوگا کوئی جزا وغیرہ لازم نہیں ہوگی۔

(۲) اگر مُحْرِم مرد نے سِلا ہوا کپڑا بغیر کسی مجبوری کے ایک دن یا ایک رات (یعنی ۱۲/ گھنٹے) پہنا تو ایک دم واجب ہوگا۔ اس لئے کہ اُس نے کامل طریقے سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے تو جزا بھی کامل ہے۔

کس طرح کا کپڑا استعمال کرنا موجبِ جنایت ہے؟ ہر وہ کپڑا جس میں دو باتیں ہوں: ایک جو بدن کے کسی عضو کے برابر اس طرح سِلا ہوا یا بُنا ہوا ہو کہ وہ بدن یا اُس عضو کا احاطہ کرے اور دوسری اس کپڑے کو معمول کے مطابق استعمال کیا جائے تو ایسا کپڑا مُحْرِم مرد کے لئے استعمال کرنا منع اور باعثِ جنایت وجزاء ہے۔ (جیسے کرتا، پائجامہ، بنیان، انڈرویئر، نیکر، ٹوپی، واسکٹ، جراب، دستانے وغیرہ) لہٰذا اگر کسی نے دو چادریں سلوا کر ایک کر دیں تو اس کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ پہلی بات نہیں ہے کیونکہ یہ سلائی بدن کی ہیئت پر پہننے کے لئے نہیں ہوئی۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ احرام کی چادریں بالکل سلی ہوئی نہ ہوں۔ اور اگر کسی مُحْرِم نے کُرتے کو چادر کے طور پر لپیٹا یا شلوار کو چادر کے طور پر اپنے اوپر لپیٹ لیا تو کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ دوسری بات نہیں پائی گئی کیونکہ عادت کے مطابق نہیں پہنا گیا۔

فائدہ: اگر ایک دن سے زیادہ پہنا تو بھی ایک ہی دم ہے۔

فائدہ: اگر کسی مُحْرِم نے حالتِ احرام میں بدن کی ہیئت پر سِلا ہوا کپڑا بھول کر پہن لیا یا اُس کو زبردستی پہنایا گیا ہر حال میں جزا لازم ہے۔

وَالْمَرْأَةُ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سلے ہوئے کپڑے کے استعمال میں عورت کا حکم مرد سے الگ ہے عورت پر سلے ہوئے کپڑے کی کوئی پابندی نہیں ہے بلکہ اس پر سارا جسم چھپانا لازم ہے اور سارا جسم بغیر سلے ہوئے کپڑے کے چھپانا مشکل ہے۔ البتہ عورت کا احرام چونکہ چہرہ سے متعلق ہے اس لئے چہرے کو کپڑے سے اس طریقہ سے ڈھانکے کہ کپڑا چہرے سے الگ رہے، چہرے سے چپکے نہیں۔

(۳) سر اور داڑھی کے بال اسی طرح بغل، زیرِ ناف اور گردن کے سب بال حلال ہونے کے وقت سے پہلے بغیر کسی شرعی مجبوری کے منڈوانا یا کتروانا یا کسی چیز سے دور کرنا جیسے بال صفا پاؤڈر یا اکھاڑنا قصداً ہو یا بھول کر ہر حال میں کامل جنایت ہے اس پر کامل جزا یعنی دم واجب ہو گا۔

تنبیہ: چوتھائی سر یا چوتھائی داڑھی بھی ایک کامل عضو کے حکم میں ہے۔

(۴) محرم مرد اگر اپنا سر یا چہرہ یا ان دونوں کا چوتھائی اور عورت صرف چہرہ یا چہرے کی چوتھائی کو مکمل ایک دن یا مکمل ایک رات (۱۲/گھنٹے) کسی ایسی چیز سے ڈھانکے رکھے جس سے عموماً سر، یا چہرہ ڈھانکنے کا کام لیا جاتا ہے مثلاً سر کو ٹوپی، یا پگڑی، رومال وغیرہ سے ڈھانکا یا چہرہ کو کسی کپڑے یا چادر سے ڈھانکا تو چونکہ جنایت کامل ہو گئی اس لئے دم لازم ہو گا، چاہے خود ڈھانکا ہو یا کسی دوسرے نے ڈھانک دیا ہو، جان بوجھ کر ڈھانکا ہو یا بھول کر بے خبری کی حالت میں، کسی مجبوری سے ڈھانکا ہو یا بغیر کسی مجبوری کے البتہ اگر اپنے سر یا چہرہ کو کسی ایسی چیز سے ڈھانکا ہو جس سے عموماً ڈھانکنے کا کام نہیں لیا جاتا، مثلاً چھتری، لکڑی، پیتل، شیشہ، گتہ، شاپنگ بیگ وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، چاہے اس ڈھانکنے سے سردی یا گرمی سے بچاؤ ہی مقصود کیوں نہ ہو۔

فائدہ: احرام میں چہرہ پر ماسک لگانا۔ آج کل جراثیم سے بچنے کے فیشن میں بحالتِ احرام چہرے پر "ماسک" پہننا مردوں اور عورتوں سب کے لئے ممنوع ہے، اور جزاء کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر "ماسک" اتنا چوڑا ہے کہ اُس سے چوتھائی چہرہ ڈھک جاتا ہے، اور "ماسک" مسلسل بارہ گھنٹے لگائے رکھا تو دم واجب ہے، اور اگر "ماسک" کی چوڑائی چوتھائی چہرہ سے کم ہو یا اسے بارہ گھنٹے سے کم لگایا تو صدقۂ فطر واجب ہو گا۔

(۵) جن صورتوں میں "دم" واجب ہوتا ہے ان میں سے پانچویں صورت یہ ہے کہ مُحرِم اپنے بدن کے کسی عضو پر خوشبو لگائے یا خوشبودار کپڑا پورا ایک دن یا رات پہنے، خوشبو لگانے سے متعلق چند اصولی باتیں پیشِ نظر رکھنی چاہئیں، واضح رہے کہ جو چیزیں بدن پر لگائی جاتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں:

(۱) خالص خوشبو جیسے مُشک وعنبر، گلاب، عُود، زعفران وغیرہ اِن کا استعمال ہر طرح سے مُوجِبِ جزاء ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان چیزوں کو بطورِ دَوا استعمال کیا تب بھی جزاء لازم ہو گی۔

(۲) وہ اشیاء جو نہ تو خود خوشبو ہیں اور نہ ہی اُن سے خوشبو بنائی جاتی ہے جیسے چربی، اور چکنائی وغیرہ ان کے استعمال میں کوئی جزاء لازم نہیں ہے۔

(۳) وہ اشیاء جو خود تو خوشبو نہیں؛ لیکن اُن سے خوشبو بنائی جاتی ہے، جیسے زیتون اور تل کا تیل وغیرہ تو ان میں نیت کا اعتبار ہے اگر خوشبو کی نیت سے استعمال کیا تو جزاء لازم ہو گی اور اگر دَوا یا غذا کی نیت سے استعمال کیا تو جزاء لازم نہ ہو گی۔

اب کتاب کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مُحرِم نے ایک کامل بڑے عضو (جیسے سر، چہرہ، داڑھی، پنڈلی، اور ران وغیرہ) پر خوشبو لگائی تو اس پر ایک دم لازم ہو گا اگرچہ خوشبو لگا کر فوراً دھو ڈالے تب بھی دم معاف نہیں ہو گا۔

فائدہ: یہ مذکور حکم تب ہے کہ خوشبو تھوڑی مقدار میں ہو اور اگر خوشبو زیادہ مقدار میں ہے تو پھر چھوٹے بڑے عضو کا اور عضوِ کامل اور ناقص کا کوئی فرق نہیں ہے ہر حال میں دم لازم ہو گا۔

فائدہ: خوشبو کا تھوڑا ہونا یا زیادہ ہونا عرف کے تابع ہے۔ عرفِ عام میں جس مقدار کو زیادہ سمجھا جائے وہ زیادہ ہے اور جس مقدار کو تھوڑا سمجھا جائے وہ تھوڑی ہے۔ اور اگر اس طرح سے بھی معلوم نہ ہو تو پھر اس شخص کی رائے کا اعتبار ہوگا جس نے خوشبو لگائی ہے۔

فائدہ: خوشبودار تیل، صابن، کریم، واسلین، شیمپوان سب کا استعمال مُحرِم کے لئے ممنوع ہے، اور جزاء لازم ہوتی ہے۔

وَكَذَا إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا الخ: اگر مُحرِم نے کپڑوں میں خوشبو لگائی یا خوشبو لگا ہوا کپڑا اوڑھ لیا اور خوشبو مقدار میں زیادہ یا کم تھی لیکن ایک بالشت مربع (یعنی طول وعرض میں ایک بالشت) سے زیادہ لگی ہوئی تھی اور وہ کپڑا پورا ایک دن یا رات (۱۲/گھنٹے) استعمال کیا تو دم لازم ہوگا۔

فائدہ: خوشبو مثلاً زعفران وغیرہ میں رنگے ہوئے کپڑے کا بھی یہی حکم ہے۔

فائدہ: خوشبودار پھل اور پھول حالتِ احرام میں قصداً سونگنا مکروہ ضرور ہے لیکن اس کی وجہ سے کوئی جزاء (دم وغیرہ) لازم نہیں ہوتی۔

فائدہ: مہندی خوشبو میں شامل ہے لہٰذا اگر مُحرِم مرد یا عورت نے ہتھیلی میں یا مُحرِم مرد نے داڑھی میں یا سر میں لگائی تو دم واجب ہوگا۔

(۶) ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے پانچ ناخن ایک ہی مجلس میں کاٹنے پر دم واجب ہوگا۔

فائدہ: یہی حکم اُس وقت بھی ہے کہ جب ایک ہی مجلس میں اپنے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے ناخن کاٹے۔ اور اگر ایک مجلس میں ایک ہاتھ اور دوسری مجلس میں دوسرے ہاتھ کے ناخن کاٹے تو دو دم واجب ہوں گے، اور اگر تیسری مجلس میں ایک پاؤں اور چوتھی مجلس میں دوسرے پاؤں کے ناخن کاٹ لئے تو سب ہاتھ پاؤں کے بیس ناخنوں پر چار دم لازم ہوں گے اس لئے کہ ہر عضو جُدا ہے اور مجلس بھی الگ الگ ہے۔

(۷) اگر کوئی حاجی طوافِ صدر (طوافِ وَدَاع) کو ترک کر کے وطن واپس لوٹ گیا تو جب تک وہ میقات کی حد سے باہر نہ نکلے اُس پر واجب ہے کہ لوٹ آئے اور طوافِ وَدَاع کرے، اور اگر میقات کی حد سے باہر نکل گیا ہے تو اب اس کو اختیار ہے چاہے تو واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے حدودِ حرم میں "دمِ جنایت" بھیج کر قربانی کر دے اور چاہے تو عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ واپس چلا جائے اور پہلے عمرہ کے ارکان ادا کرے پھر طوافِ وَدَاع کرے (لیکن بہتر یہی ہے کہ خود واپس ہونے کے بجائے دم بھیج کر قربانی کر دے اس لئے کہ اس میں اس کے لئے آسانی ہے اور فقراء کا فائدہ ہے)۔ (در مختار مع رد المحتار، کتاب المسائل بحوالہ غنیہ، طحطاوی)

تنبیہ: جن ممنوعاتِ احرام کے ارتکاب کی وجہ سے مُفرِد اور متمتع پر ایک جزاء لازم ہوتی ہے تو قارِن پر دو جزاء لازم ہوں گی، اس لئے کہ وہ دو احرام باندھے ہوئے ہے۔ (طحطاوی، تنویر الابصار، در مختار مع رد المحتار، وغیرہ)

اَلرَّابِعُ: اَلْجِنَايَةُ الَّتِيْ تَجِبُ بِارْتِكَابِهَا صَدَقَةٌ قَدْرُهَا نِصْفُ صَاعٍ مِنَ الْقَمْحِ، أَوْ قِيْمَتُهُ. وَهِيَ أُمُوْرٌ عَدِيْدَةٌ كَذَالِكَ: ١۔ إِذَا حَلَقَ الْمُحْرِمُ أَقَلَّ مِنْ رُبْعِ الرَّأْسِ، أَوْ أَقَلَّ مِنْ رُبْعِ اللِّحْيَةِ۔ ٢۔ إِذَا قَصَّ ظُفْرًا، أَوْ ظُفْرَيْنِ. فَلِكُلِّ ظُفْرٍ نِصْفُ صَاعٍ۔ ٣۔ إِذَا طَيَّبَ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ۔ ٤۔ إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا مَخِيْطًا، أَوْ ثَوْبًا مُطَيَّبًا أَقَلَّ مِنْ يَوْمٍ۔ ٥۔ إِذَا سَتَرَ رَأْسَهُ، أَوْ وَجْهَهُ أَقَلَّ مِنْ يَوْمٍ۔ ٦۔ إِذَا طَافَ طَوَافَ الْقُدُوْمِ وَهُوَ مُحْدِثٌ حَدَثًا أَصْغَرَ۔ وَكَذَا إِذَا طَافَ طَوَافَ الصَّدْرِ وَهُوَ مُحْدِثٌ حَدَثًا أَصْغَرَ۔ ٧۔ إِذَا تَرَكَ رَمْيَ حَصَاةٍ مِنْ إِحْدَى الْجِمَارِ

الثَّلَاثِ۔ اَلْخَامِسُ: اَلْجِنَايَةُ الَّتِيْ تَجِبُ بِارْتِكَابِهَا صَدَقَةٌ قَدْرُهَا أَقَلُّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ۔ وَهِيَ: إِذَا قَتَلَ قُمَّلَةً أَوْ قَتَلَ جَرَادَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ۔ وَإِذَا قَتَلَ قُمَّلَتَيْنِ، أَوْ جَرَادَتَيْنِ، أَوْ قَتَلَ ثَلَاثَةً مِنْهُمَا تَصَدَّقَ بِكَفٍّ مِنَ الطَّعَامِ، وَإِذَا زَادَ عَلَى ذَالِكَ تَصَدَّقَ بِنِصْفِ صَاعٍ مِنَ الْقَمْحِ۔

حل لغات: قُمَّلَةٌ: بمعنی جوں، کھٹمل، جَرَادَةٌ: بمعنی ٹڈی۔

ترجمہ: چوتھا: وہ جرم ہے جس کا ارتکاب کرنے سے ایسا صدقہ واجب ہوتا ہے جسکی مقدار آدھا صاع گندم یا اسکی قیمت ہے اور یہ جرم بھی اِسی طرح چند کام ہیں: (۱) جب (مُحْرِم) چوتھائی سر سے کم سر منڈوالے، یا چوتھائی داڑھی سے کم داڑھی کٹوالے۔ (۲) جب ایک ناخن کاٹ لے یا دو ناخن کاٹ لے۔ تو ہر ناخن کے بدلہ میں آدھا صاع (گندم) ہے۔ (۳) جب ایک عضو سے کم کو خوشبو لگائے۔ (۴) جب سِلا ہوا کپڑا یا خوشبو لگا ہوا کپڑا ایک دن سے کم پہنے۔ (۵) جب اپنے سر کو یا اپنے چہرہ کو ایک دن سے کم ڈھانپے۔ (۶) جب طوافِ قدوم کرے اس حال میں کہ وہ ناپاک ہو چھوٹی ناپاکی کے ساتھ، اور اسی طرح جب وہ طوافِ وَدَاع کرے اس حال میں کہ وہ ناپاک ہو چھوٹی ناپاکی کے ساتھ۔ (۷) جب تین جمرات میں سے کسی ایک جمرہ کو کنکری مارنا چھوڑ دے۔ پانچواں: وہ جرم ہے جس کا ارتکاب کرنے سے ایسا صدقہ واجب ہوتا ہے جسکی مقدار آدھے صاع سے کم ہے۔ اور وہ (یہ ہے کہ): جب ایک جُوں کو مارڈالے یا ایک ٹِڈی کو مارڈالے تو جو کچھ چاہے صدقہ کر دے۔ اور جب دو جوئیں یا دو ٹڈیوں کو مارڈالے، یا ان دونوں (قسموں) میں سے تین کو مارڈالے تو غلہ کی ایک مٹھی صدقہ کر دے، اور جب اس سے زیادہ (کو قتل) کرے تو آدھا صاع گیہوں صدقہ کرے۔

تشریح: جنایاتِ احرام کی چھ قسموں میں سے چوتھی قسم کو بیان فرماتے ہیں، اور یہ چوتھی قسم وہ جرائم ہیں جن کی وجہ سے صدقۂ فطر کی مقدار واجب ہوتی ہے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان جرائم کی بھی سات صورتیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) جب مُحْرِم شخص اپنے سر کے چوتھائی یا داڑھی کی چوتھائی سے کم بال منڈوالے اسی طرح بغل، زیرِ ناف، گردن کے بعض حصہ کے بال منڈوالے تو ان تمام صورتوں میں صدقہ واجب ہوگا صدقہ سے مراد صدقۂ فطر کی مقدار ہے یعنی آدھا صاع گندم (پورے دو کلو) یا اتنی گندم کی قیمت جو ایک ہی مسکین کو دی جاسکتی ہے، ایک سے زیادہ مسکینوں میں تقسیم کرنے سے یہ صدقہ ادا نہ ہوگا۔

فائدہ: اگر ایسے عضو کے بال منڈا لیئے جس عضو کے بال عموماً قصداً منڈائے نہیں جاتے، مثلاً سینہ یا بازو یا پنڈلی کے بال مونڈ دیئے خواہ سارے مونڈے یا بعض بہر حال صدقہ واجب ہوگا، نیز مُحْرِم شخص اگر مونچھیں منڈوائے یا کتروائے تو اس پر بھی صدقہ ہی واجب ہوگا۔

فائدہ: اگر سر یا داڑھی وغیرہ سے تین بال توڑ دیئے تو ہر بال کے بدلہ میں "کچھ صدقہ" یعنی ایک مٹھی گندم یا روٹی کا ایک ٹکڑا یا نقد ایک ریال دیا جائے گا اور تین بال سے زیادہ میں صدقۂ فطر واجب ہوگا۔

فائدہ: اگر مُحْرِم کے اپنے فعل کے بغیر ہی خود بخود بال گر جائیں جیسا کہ بال جھڑنے کا مریض ہے تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہے۔ البتہ اگر مُحْرِم کے کسی ایسے فعل سے بال گر جائیں جس کا اس کو حکم ہے جیسے وضو یا غسل کرتے ہوئے کچھ بال خود بخود ٹوٹ کر گر گئے تو ہر تین بالوں کے بدلہ میں ایک مٹھی غلہ صدقہ کر دے۔

(۲) اگر کسی مُحْرِم نے ایک یا دو ناخُن، مراد یہ ہے کہ پورے ایک ہاتھ یا پورے ایک پاؤں سے کم کم یعنی پانچ سے کم ناخُن کاٹ لئے تو اس پر ہر ناخُن کے بدلہ میں صدقۂ فطر کے بقدر صدقہ واجب ہو گا۔

فائدہ: اگر کسی مُحْرِم نے دونوں ہاتھ اور پاؤں کے چار چار یعنی کل سولہ ناخُن کاٹ لئے تو اس پر ہر ہر ناخُن کے بدلہ ایک ایک صدقہ صدقۂ فطر کی مقدار واجب ہو گا یعنی سولہ ناخنوں کے سولہ صدقے واجب ہوں گے۔

(۳) کامل عضو سے کم حصہ پر یا کسی چھوٹے عضو مثلاً کان، آنکھ، مونچھ اور انگلی وغیرہ پر تھوڑی سی خوشبو لگائے تو بھی اس پر صدقۂ فطر کی مقدار میں صدقہ واجب ہو گا۔

فائدہ: اگر مُحْرِم نے بدن کے متفرق اعضاء پر خوشبو لگائی تو سب کو جمع کر کے اندازہ لگایا جائے گا، اگر سب مل کر ایک بڑے عضو کے برابر ہو جائے تو دم لازم ہو گا، اور اگر ایک عضو کامل کی مقدار کے برابر نہ ہو تو صدقہ واجب ہو گا۔

(۴) اگر مُحْرِم نے سِلا ہوا یا خوشبودار کپڑا ایک دن یا ایک رات (۱۲/ گھنٹے) سے کم پہنا ہے تو صدقہ ادا کرنا واجب ہو گا۔

فائدہ: اگر تھوڑی دیر یعنی ایک گھنٹہ سے بھی کم پہنا ہے تو پھر پورا صدقہ نہیں بلکہ کچھ صدقہ یعنی ایک مٹھی غلہ وغیرہ صدقہ کرنا واجب ہے۔

(۵) جب مُحْرِم اپنے سر یا چہرہ کو ایک دن یا ایک رات (۱۲/ گھنٹے) سے کم ڈھانپے تو صدقہ واجب ہے۔

فائدہ: مُحْرِم کے لئے اپنے دونوں کان، گُدّی، اور ٹھوڑی کے نیچے داڑھی کو ڈھانکنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۶) اگر طوافِ قدوم یا طوافِ صدر یا کوئی بھی نفلی طواف پورا یا اکثر چکر (۴ یا اس سے زیادہ) بے وضو کئے تو اس طواف کا باوضو لوٹانا مستحب ہے اور اگر نہیں لوٹایا تو ہر چکر (جس کو بے وضو کیا ہو) کے بدلہ میں ایک صدقۂ فطر کے بقدر صدقہ لازم ہو گا اُس نقصان کو پورا کرنے کے لئے جو بغیر طہارت کے طواف میں آیا ہے۔

فائدہ: اگر طوافِ قدوم سرے سے چھوڑ دیا تو یہ اگرچہ مکروہ ضرور ہے، لیکن اس سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوتی، لیکن اگر شروع کر دیا تو پھر پورا کرنا ضروری ہے ورنہ اکثر چکر چھوڑ دینے سے دم لازم آئے گا اور تھوڑے چکر چھوڑنے کی صورت میں صدقہ لازم ہو گا۔

فائدہ: جو حکم طوافِ قدوم کا ہے وہی حکم طوافِ تحیۃ اور نفلی طواف کا بھی ہے۔

(۷) اگر مُحْرِم نے کسی دن تین جمروں میں سے کسی ایک جمرہ کی رمی کو ترک کر دیا اور باقی دونوں جمروں کی رمی کی تو اس پر صدقہ لازم ہو گا یعنی ایک جمرہ کی سات کنکریوں میں سے ہر کنکری کے عوض ایک صدقہ لازم ہو گا کیونکہ تینوں جمروں کی رمی اس دن میں ایک ہی عمل شمار ہوتا ہے اور ایک جمرہ کی رمی نصف سے کم ہے اور اعمالِ حج میں سے کسی عمل کے نصف سے کم کو چھوڑنے کی صورت میں صدقہ لازم ہوتا ہے۔

فائدہ: یہ مذکورہ بالا حکم اس وقت ہے کہ جب عید کے دن کے علاوہ باقی دنوں کے ایک جمرہ کی رمی چھوڑے، لیکن اگر یوم النحر (عید کے دن) جمرۂ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو اس پر دم واجب ہو گا اس لئے کہ عید کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی پورا عمل ہے اور پورے عمل کو چھوڑنے کی صورت میں دم لازم ہوتا ہے۔ (ہدایہ، در مختار مع رد المحتار، کتاب المسائل بحوالہ غنیۃ، البحر الرائق وغیرہ)

اَلْخَامِسُ الخ: جنایاتِ احرام میں سے پانچواں وہ جرم ہے جس کے ارتکاب سے کچھ صدقہ واجب ہوتا ہے جس کی مقدار صدقۃ الفطر کی مقدار سے کم ہوتی ہے خواہ ایک مٹھی گندم ہو یا کچھ کھجور یا نقد ریال ہوں اور اسکی چند صورتیں ہیں جن میں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو صورتیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) اگر کوئی حالتِ احرام میں اپنے سر یا اپنے بدن یا اپنے کپڑے کی جُوں مار ڈالے یا جُدا کر دے یا پکڑ کر دھوپ میں ڈالے تا کہ مر جائے یا کپڑا دھوپ میں ڈال دے تا کہ جوئیں مر جائیں یا ایک ٹڈی کو مار ڈالے تو ایک جُوں یا ایک ٹڈی کے عوض جو کچھ چاہے تھوڑا بہت صدقہ کر دے مثلاً روٹی کا کوئی ٹکڑا یا کچھ کھجوریں (۲) لیکن اگر دو تین جوئیں یا ٹڈیاں مار ڈالیں تو پھر ایک مٹھی گندم کسی مسکین کو دیدے۔ اور اگر تین سے زیادہ جوئیں یا ٹڈیاں مار ڈالیں تو پھر صدقۂ فطر کی مقدار صدقہ واجب ہوگا (یعنی دو کلو گندم یا اسکی قیمت کسی مسکین کو دینا پڑے گا) اس لئے کہ جُوں جسم کے اُس میل کچیل سے پیدا ہوتی ہے جو آدمی کے بدن پر ہے اور میل کچیل کو صاف کرنے میں صدقہ واجب ہوتا ہے۔ اور ٹڈی چونکہ خشکی کا شکار ہے جس کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایک کھجور بہتر ہے ایک ٹڈی سے۔

فائدہ: اگر مُحرِم دوسرے شخص کے جسم یا کپڑے میں موجود جُوں کو مار ڈالے یا زمین سے پکڑ کر مار ڈالے تو اس میں کوئی جزاء لازم نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ مُحرِم پر پابندی صرف اپنے بدن اور کپڑے کی جُوں کو ہٹانے اور مارنے کی ہے۔ (ہدایہ، در مختار مع رد المحتار، زبدۃ وغیرہ)

اَلسَّادِسُ: اَلْجِنَايَةُ الَّتِيْ تَجِبُ بِارْتِكَابِهَا الْقِيْمَةُ وَهِيَ: قَتْلُ صَيْدِ الْبَرِّ الْوَحْشِيِّ۔ إِذَا اصْطَادَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا مِنْ حَيَوَانِ الْبَرِّ الْوَحْشِيِّ، أَوْ ذَبَحَهُ، أَوْ أَشَارَ إِلَيْهِ، أَوْ دَلَّ الصَّيَّادَ عَلَى مَكَانِ الصَّيْدِ وَجَبَتْ عَلَيْهِ الْقِيْمَةُ، سَوَاءٌ كَانَ الصَّيْدُ مَأْكُوْلًا، أَوْ غَيْرَ مَأْكُوْلٍ۔ يُقَوِّمُ الصَّيْدَ عَدْلَانِ فِي الْمَكَانِ الَّذِيْ اصْطَادَ فِيْهِ، أَوْ فِيْ مَكَانٍ قَرِيْبٍ مِنْهُ۔ فَإِنْ بَلَغَتْ قِيْمَةُ الصَّيْدِ ثَمَنَ هَدْيٍ فَالْمُحْرِمُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ اشْتَرَىٰ هَدْيًا وَذَبَحَهُ فِي الْحَرَمِ، وَإِنْ شَاءَ إِشْتَرَىٰ طَعَامًا تَصَدَّقَ بِهِ عَلَى الْفُقَرَاءِ، لِكُلِّ فَقِيْرٍ نِصْفُ صَاعٍ، وَإِنْ شَاءَ صَامَ بَدَلَ كُلِّ نِصْفِ صَاعٍ يَوْمًا۔ وَإِنْ لَمْ تَبْلُغْ قِيْمَةُ الصَّيْدِ ثَمَنَ هَدْيٍ فَلَهُ الْخِيَارُ إِنْ شَاءَ اشْتَرَىٰ طَعَامًا وَتَصَدَّقَ بِهِ۔ وَإِنْ شَاءَ صَامَ بَدَلَ كُلِّ نِصْفِ صَاعٍ يَوْمًا كَامِلًا۔ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِيْ قَتْلِ الْهَوَامِّ الْمُؤْذِيَةِ كَالزُّنْبُوْرِ وَالْعَقْرَبِ، وَالذُّبَابِ، وَالنَّمْلِ، وَالْفَرَاشِ، وَكَذَا لَا شَيْءَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِيْ قَتْلِ الْحَيَّةِ، وَالْفَارَةِ، وَالْغُرَابِ، وَالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ۔

حلِّ لغات: صَيَّادٌ؛ بمعنی شکاری۔ اجوف یائی سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یُقَوِّمُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف اجوف واوی از باب تفعیل بمعنی قیمت لگانا۔ هَدْیٌ؛ بمعنی قربانی کا جانور جو حدودِ حرم میں ذبح کیا جائے۔ اَلْهَوَامُّ؛ جمع ہے هَامَّةٌ کی بمعنی ہر زہریلا کیڑا جیسے سانپ وغیرہ۔ اور کبھی غیر زہریلے کیڑے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اَلْمُؤْذِيَةُ؛ صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل مہموز الفاء ناقص یائی از باب افعال بمعنی تکلیف دینے والے۔ زُنْبُوْرٌ؛ بمعنی بھڑ۔ عَقْرَبٌ؛ بمعنی بچھو جمع عَقَارِبُ۔ ذُبَابٌ؛ مکھی جمع أَذِبَّةٌ۔ نَمْلٌ؛ بمعنی چیونٹی۔ جمع نِمَالٌ۔ فَرَاشٌ؛ بمعنی پروانہ، تتلی۔ اَلْفَارَةُ؛ بمعنی چوہیا۔ اَلْغُرَابُ؛ بمعنی کوا۔ اَلْكَلْبُ الْعَقُوْرُ؛ کاٹ کھانے والا کتا، باؤلا کتا۔

ترجمہ: چھٹا: وہ جُرم ہے جس کے ارتکاب سے قیمت واجب ہوتی ہے، اور وہ (جرم) خشکی والے جنگلی شکار کو مار ڈالنا ہے۔ جب مُحْرِم خشکی والے جنگلی جانور میں سے کسی شکار کو پکڑ لے، یا اس کو ذبح کر دے، یا اُس کی طرف اشارہ کرے، یا شکار کی جگہ پر شکاری کی رہنمائی کرے تو اس (مُحْرِم) پر قیمت واجب ہو جاتی ہے، خواہ شکار کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ دو عادل شخص شکار کی قیمت لگائیں گے اُس جگہ میں جہاں اُس نے شکار کیا ہے یا اُس کے قریب کسی جگہ میں۔ پس اگر شکار کی قیمت قربانی کے جانور کی قیمت کو پہنچ جائے تو مُحْرِم کو اختیار ہے اگر چاہے تو قربانی کا جانور خرید لے اور اُس کو حرم میں ذبح کر دے، اور اگر چاہے تو غلّہ خرید کر اس کو محتاجوں پر صدقہ کر دے۔ ہر محتاج کے لئے آدھا صاع (گندم) ہو گا، اور اگر چاہے تو ہر آدھے صاع کے عوض ایک دن کا روزہ رکھے۔ اور اگر شکار کی قیمت قربانی کے جانور کی قیمت کو نہ پہنچے تو اُس کو اختیار ہے اگر چاہے تو غلّہ خرید لے اور اس کو صدقہ کر دے اور اگر چاہے تو ہر آدھے صاع کے عوض پورے دن کا روزہ رکھے۔ اور مُحْرِم پر کوئی بدلہ نہیں ہے تکلیف دِہ کیڑے مکوڑوں کو مار ڈالنے میں جیسے کہ بِھڑ، اور بچھو، اور مکھی، اور چیونٹی، اور پروانہ اور اسی طرح مُحْرِم پر کچھ نہیں سانپ کو اور چوہیا، اور کوّے اور کاٹ کھانے والے کُتّے کو مارنے میں۔

تشریح: جنایات کی جزاء کے اعتبار سے چھ قسموں میں سے چھٹی اور آخری قسم کو مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ چھٹی قسم کا جرم وہ ہے جس کا ارتکاب کرنے سے قیمت لازم ہوتی ہے اور وہ خشکی کے پیدائشی طور پر جنگلی اور وحشی (انسانوں سے دور بھاگنے والے) جانوروں کو مار ڈالنا ہے یا اگر گھر میں پال کر مانوس بنا لئے گئے ہیں یا زندہ پکڑ لئے گئے ہیں تو ذبح کر ڈالنا ہے۔ خواہ اُن کا گوشت کھایا جاتا ہو (جیسے ہرن، نیل گائے، جنگلی تیتر وغیرہ) یا اُن کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو (جیسے لومڑی، گیدڑ وغیرہ) خواہ حدودِ حرم میں ہو یا حدودِ حرم سے باہر ہو، قصداً (اپنی احرام کی حالت کو یاد رکھتے ہوئے) ہو یا بھول کر ہر حال میں جزاء لازم ہے، پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جنایات میں تین الفاظ ذکر فرمائے ہیں:

صَيْدُ الْبَرِّ الْوَحْشِيِّ: ایک صید (شکار)، دوسرا بَرِّی (خشکی والا)، تیسرا وَحْشِیّ (جنگلی، انسانوں سے وحشت کھانے والا غیر مانوس) مذکورہ تینوں الفاظ کی وضاحت اور ان کی غرض اس سے پہلے "جِنَايَةٌ عَلَى الْحَرَمِ" کے تحت گذر چکی ہے۔

أَوْ دَلَّ الخ: اسی طرح مُحْرِم شکار کو خود قتل کرنے کے بجائے اگر کسی شکاری کو اس جانور کا پتہ بتا دے کہ شکار فلاں جگہ ہے یا اشارہ کے ذریعہ رہنمائی کر دے خواہ قصداً ہو یا بھول کر تو پھر بھی یہی حکم ہے کہ مُحْرِم پر قیمت لازم ہو گی۔ قتل کرنے کی صورت میں تو قیمت اس لئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ الآية" (تم شکار کو مت قتل کرو در آں حالیکہ تم مُحْرِم ہو) اور رہنمائی یا اشارہ کرنے کی صورت میں اس لئے قیمت لازم ہے کہ رہنمائی کرنا ممنوعاتِ احرام میں سے ہے تو اس ممنوع اور حرام کام پر اقدام کرنا یقیناً باعثِ جزاء ہے۔

يُقَوِّمُ الصَّيْدَ الخ: یہاں سے قیمت کا معیار بتانا چاہتے ہیں کہ جس شکاری جانور کو قتل کیا ہے اس کی کتنی قیمت واجب ہو گی؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ جہاں وہ جانور شکار کیا گیا ہے وہاں کے یا اگر وہ جنگل ہے تو اُس جگہ کے قریبی علاقہ کے دو معتبر آدمیوں کے ذریعہ اس کی قیمت لگائی جائے، قیمت لگانے کا مطلب: دو تجربہ کار معتبر آدمی جن کو جانوروں کی قیمتوں میں بصیرت حاصل ہو اور جانوروں کی قیمتوں کی اُونچ نیچ

سے اچھی طرح واقف ہوں وہ اس کی قیمت کا فیصلہ کریں گے کہ زندہ ہونے کی حالت میں یہ جانور کتنے میں فروخت ہو سکتا ہے تو جتنی قیمت وہ بتائیں گے وہی قیمت لازم ہوگی۔

فائدہ: عادل سے مراد یہاں قیمت لگانے کے باب میں ایسا شخص ہے جس کو شکار کی قیمتوں میں اچھی بصیرت اور واقفیت حاصل ہو وہ عادل مراد نہیں ہے جو شہادت کے باب میں معتبر ہے اور نیک کے معنی میں ہے۔

فَإِنْ بَلَغَتْ الخ: پھر اگر وہ قیمت اتنی ہو کہ اس سے ایک یا ایک سے زائد قربانی کا جانور خرید اجاسکتا ہو تو شکار کرنے والے مُحرِم کو درج ذیل تین باتوں کا اختیار ہے جس پر چاہے عمل کرلے:

(۱) اگر چاہے تو اتنی قیمت کا قربانی کا جانور خرید کر حدودِ حرم میں ذبح کرلے اور پھر قربانی کا گوشت صرف غریبوں میں تقسیم کردے۔

(۲) اگر چاہے تو اتنی قیمت سے کھانا خرید کر محتاجوں کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھلائے یا گندم خرید کر محتاجوں میں تقسیم کردے یا گندم کی قیمت محتاجوں میں تقسیم کردے لیکن ضروری ہے کہ گندم یا گندم کی قیمت تقسیم کرنے کی صورت میں کسی بھی غریب کے حصہ میں ایک صدقۂ فطر کی مقدار (پونے دو سیر گندم یا اسکی قیمت) سے کم یا زیادہ نہ آئے۔ مثال: اُس جانور کی جو قیمت لگی ہے اس سے ۳۵ کلو گندم خریدی جاسکتی ہے، تو ہر فقیر کو صدقۂ فطر (پونے دو سیر) کے حساب سے اگر پونے دو سیر گندم دی جائے تو کل ۲۰/ بیس فقیروں پر یہ گندم تقسیم ہوگی۔

(۳) اگر چاہے تو روزے رکھے اور روزوں کی تعداد کا اندازہ اس طرح لگایا جائے کہ جانور کی قیمت سے جتنی گندم ملتی ہے اس گندم میں سے ہر صدقۃ الفطر کی مقدار (پونے دو سیر) کے بدلہ میں ایک روزہ رکھے۔ مثال: جانور کی قیمت سے ۳۵/ پینتیس کلو گندم آئی، ہر فقیر کو ایک صدقۃ الفطر کی مقدار دی جائے تو کل بیس صدقے بن جائیں گے اور ہر صدقہ کے بدلہ ایک روزہ ہے تو کل بیس روزے رکھ لے اور اگر آخر میں آدھے صاع سے کم غلّہ بچ گیا مثلاً رُبع صاع رہ گیا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو وہی رُبع صاع صدقہ کردے اور چاہے تو اس رُبع صاع کے بدلہ میں ایک کامل دن کا روزہ رکھے، کیونکہ روزہ ایک دن سے کم کا مشروع نہیں ہے۔

وَإِنْ لَّمْ تَبْلُغْ الخ: اور اگر شکار کی قیمت اتنی ہے کہ اس سے قربانی کا کوئی جانور نہیں خرید اجاسکتا مثلاً چڑیا کا شکار کیا تو اس کو درج ذیل دو باتوں کا اختیار ہے: (۱) اگر چاہے تو اس قیمت سے گندم وغیرہ خرید کر فقراء پر تقسیم کردے اوپر درج کردہ تفصیل کے مطابق۔ (۲) اور اگر چاہے تو روزے رکھے اوپر درج شدہ تفصیل کے مطابق۔

فائدہ: شکاری کو جو تین اختیار ملتے ہیں اُن میں یہ تفصیل ہے کہ جنایت میں جو جانور ذبح کیا جائے گا، اُس کا حدودِ حرم میں ذبح ہونا ضروری ہے لیکن غریبوں کو کھانا کھلانے اور روزہ رکھنے میں حرم کی قید نہیں ہے چنانچہ اختیار ہے چاہے تو حرم کے غریبوں میں کھانا یا اس کی قیمت تقسیم کرے اور چاہے تو حرم سے باہر کے غرباء میں کرے۔ اسی طرح روزے چاہے تو حرم میں رکھے چاہے حرم سے باہر کسی جگہ یا گھر آکر رکھے، نیز ان روزوں کو مسلسل رکھنا بھی ضروری نہیں ہے چاہے تو مسلسل رکھے اور چاہے تو وقفہ وقفہ سے متفرق طور پر رکھے۔

شکار کو زخمی کرنا: اگر مُحرِم نے شکار کو زخمی کیا یا اس کا کوئی عضو توڑ دیا، تو اس کی وجہ سے اُس کی قیمت میں جو کمی ہوگی اس کا تاوان مُحرِم کو دینا ہوگا۔ قیمت کی کمی کا اندازہ عادل سے معلوم کیا جائے گا۔ (در مختار مع رد المحتار، غنیہ، ہدایہ وغیرہ)

وَلَاشَیْئَ اَلخ: یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ جنایت کی وہ صورت ذکر کرتے ہیں جس میں کوئی جزاء نہیں ہے: مُحرِم اگر ایسا جانور قتل کردے جو عام طور پر تکلیف پہنچانے میں اور حملہ کرنے میں پہل کرتے ہیں تو اس صورت میں کچھ لازم نہیں ہوتا۔ جیسے: (۱) بھڑ۔ (۲) بچھو۔ (۳) مکھی۔ (۴) چیونٹی۔ (۵) پروانہ۔ (۶) سانپ۔ (۷) چوہیا۔ (۸) کوا۔ (۹) باؤلا کتا۔ (کاٹنے والا) اسی طرح گھریلو بلی، پسو، مچھر، چیچڑی، چھپکلی، نیولا۔ اور تمام حشرات الارض (زمین کے کیڑے مکوڑے) اور زہریلے جانوروں کو حدودِ حرم میں یا حالتِ احرام میں مارنے میں کوئی جزاء لازم نہیں ہے کیونکہ نہ تو یہ شکار ہیں اور نہ ہی بدن سے پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن جو جانور ایذاء نہ دے اسے مارنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ: حملہ آور درندوں کو مارنے کا حکم: وہ جانور جو درندے کہلاتے ہیں: مثلاً شیر، چیتا، ہاتھی، بندر وغیرہ اگر یہ حملہ آور ہوں تو بالاتفاق انہیں مارنے میں کوئی جزاء لازم نہیں لیکن اگر وہ حملہ آور نہ ہوں تو پھر ان کو مارنے میں ظاہر الروایۃ کے مطابق جزاء لازم ہوگی۔

(در مختار مع رد المحتار، الجوہرۃ النیرۃ)

أَلْهَدْیُ۔ أَلْهَدْیُ مَایُهْدٰی مِنَ النَّعَمِ لِلْحَرَمِ۔ وَیَکُوْنُ الْهَدْیُ مِنَ الْغَنَمِ، وَالْبَقَرِ، وَالْإِبِلِ۔ تَصِحُّ الشَّاةُ عَنِ الْوَاحِدِ۔ وَتَصِحُّ النَّاقَةُ، وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةِ أَشْخَاصٍ بِشَرْطِ أَنْ لَایَکُوْنَ نَصِیْبُ وَاحِدٍ مِنْهُمْ أَقَلَّ مِنَ السُّبْعِ۔ وَیُشْتَرَطُ فِی الْهَدْیِ مَایُشْتَرَطُ فِی الْأُضْحِیَّةِ مِنْ کَوْنِهٖ سَلِیْمًا مِنَ الْعُیُوْبِ۔ لَایَجُوْزُ مِنَ الْغَنَمِ إِلَّا مَاأَکْمَلَ سَنَةً کَامِلَةً وَدَخَلَ فِی السَّنَةِ الثَّانِیَةِ۔ وَیُسْتَثْنٰی مِنْ ذَالِکَ الضَّأْنُ إِذَا زَادَ عَنْ نِصْفِ سَنَةٍ وَکَانَ سَمِیْنًا بِحَیْثُ لَایُمَیَّزُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ مَاأَکْمَلَ سَنَةً لِسِمَنِهٖ فَإِنَّهٗ یَجُوْزُ۔ وَلَایَجُوْزُ مِنَ الْبَقَرِ إِلَّا مَاأَکْمَلَ سَنَتَیْنِ وَدَخَلَ فِی الثَّالِثَةِ۔ وَلَایَجُوْزُ مِنَ الْإِبِلِ إِلَّا مَاأَکْمَلَ خَمْسَ سَنَوَاتٍ وَدَخَلَ فِی السَّادِسَةِ۔

حلِّ لغات: سَلِیْمًا: صیغہ واحد مذکر بحث صفتِ مشبہ صحیح از باب سمع بمعنی بری ہونا، محفوظ ہونا۔ ضَأْنٌ: بمعنی بھیڑ، دنبہ۔ سَمِیْنًا: صیغہ واحد مذکر بحث صفتِ مشبہ صحیح از باب سمع بمعنی موٹا۔ جمع سِمَانٌ۔

ترجمہ: قربانی کا وہ جانور جو حرم میں بھیجا جائے۔ ہَدْی: وہ چوپایہ ہے جو حرم کے لئے بھیجا جائے۔ اور ہدی (کا جانور) بکری، اور گائے، اور اونٹ ہے۔ بکری ایک آدمی کی طرف سے درست ہے۔ اور اونٹنی، اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے درست ہیں اس شرط کے ساتھ کہ ان میں سے کسی ایک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔ اور ہدی کے جانور میں اُن تمام باتوں کی شرط لگائی جاتی ہے جن باتوں کی قربانی کے جانور میں شرط لگائی جاتی ہے یعنی عیوب سے سالم ہونا۔ بکری میں سے وہی بکری جائز ہے جس نے ایک سال مکمل کرلیا ہو اور دوسرے سال میں شروع ہوچکی ہو۔ اور اس (حکم) سے بھیڑ، دنبہ خارج ہے جب وہ آدھے سال سے بڑھ جائے اور اتنا موٹا ہو کہ اُس کے درمیان اور اُس بھیڑ، دنبہ کے درمیان جو ایک سال مکمل کرچکا ہو فرق نہ کیا جاسکتا ہو اس کے موٹاپے کی وجہ سے تو یہ (چھ ماہ والا) بھی جائز ہے۔ اور گائے میں سے وہی جائز ہے جس نے دو سال مکمل کرلئے ہوں اور تیسرے سال میں شروع ہو۔ اور اونٹ میں سے وہی جائز ہے جس نے پانچ سال مکمل کرلئے ہوں اور چھٹے سال میں لگ گئی ہو۔

تشریح: اس سے پہلے حج کے تفصیلی بیان میں ہدی کا ذکر کئی مرتبہ آیا تو اب مصنف رحمۃ اللہ علیہ ہدی اور ہدی کے متعلق احکام بیان فرماتے ہیں، نیز حج قران، تمتع، جنایات وغیرہ ہدی کے اسباب ہیں اور ہدی مسبب ہے اور مسبب سبب کے بعد ہوتا ہے اس لئے اب آخر میں ہدی کے احکام کو بیان فرماتے ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) ہدی کی تعریف۔ (۲) ہدی کی قسمیں۔ (۳) کونسا جانور کتنے آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ (۴) ہدی کی شرطیں۔ (۵) ہدی کے جانور کی عمریں۔

اَلْهَدْيُ الخ: سے پہلی بات بیان فرماتے ہیں کہ عربی لغت میں "ہدی" ایسی چیز کو کہتے ہیں جو کسی کے پاس بھیجی جائے۔ اور اس لفظِ "ہدی" کا اطلاق شریعت یعنی قرآن وسنت کی اصطلاح میں اُس چوپایہ جانور پر ہوتا ہے جس کو اللہ کی عبادت یعنی قربانی کے لئے حدودِ حرم میں بھیج دیا جائے۔ خواہ بطورِ نفل حرم میں ذبح کیا جائے جیسے مُفرِد کا قربانی کرنا، یا بطورِ وجوب ذبح کیا جائے، پھر وجوب دو وجہوں سے ہو سکتا ہے: (۱) شکر کے طور پر جیسے حج تمتع اور قران میں۔ (۲) سزا کے طور پر جیسے حرم یا احرام میں کسی پابندی کی خلاف ورزی پر۔

وَيَكُوْنُ الخ: سے دوسری بات بیان فرماتے ہیں کہ قربانی میں پالتو چوپایوں مثلاً بکری، بھیڑ، اونٹ، گائے (اور بھینس وغیرہ) کو ہی ذبح کیا جائے گا پھر "ہدی" کی تین قسمیں ہیں: سب سے ادنیٰ درجہ بکری، بھیڑ، دنبہ کا ہے (اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ بھی ہدی کا ادنیٰ درجہ شمار ہوگا) درمیانی درجہ گائے (بیل بھینس) کا ہے اور سب سے اعلیٰ اور افضل اونٹ کی قربانی ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک بطورِ ہدی ان تین قسم کے جانوروں کو لے جانے کا معمول ہے، نیز بذریعۂ ذبح اللہ کا تقرّب حاصل کرنا مقصود ہے اور اس بات میں یہ تینوں قسمیں برابر ہیں صرف ادنیٰ اور اعلیٰ کا فرق ہے۔

فائدہ: جنگلی جانوروں اور شکار والے جانوروں کی قربانی درست نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے جنگلی جانور مثلاً ہرن وغیرہ گھر میں پال کر مانوس کر لی تو بھی اُس کی قربانی درست نہیں ہے۔

وَتَصِحُّ النَّاقَةُ الخ: سے تیسری بات بیان فرماتے ہیں کہ بکری کی کوئی بھی قسم ہو ایک حصۂ قربانی سے زائد کی طرف سے کافی نہیں ہو سکتی خواہ اس کی ساخت یا وزن کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو یہی حکم بکرے، بھیڑ، دنبے کا بھی ہے یعنی ان چاروں میں شرکت جائز نہیں صرف ایک آدمی کی طرف سے قربانی ہوگی۔ اور بڑا جانور اونٹ، گائے، بھینس میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہو کر قربانی کر سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ کسی حصہ دار کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہونا چاہیئے۔ اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی، نہ اُسکی جس کا پورا حصہ ہے اور نہ اس کی جس کا ساتویں سے کم ہے۔ اسی طرح اگر آٹھ آدمی شریک ہو گئے تو بھی کسی کی قربانی درست نہیں ہے اس لئے کہ ہر ایک کا حصہ ساتویں سے کم ہے۔

وَيُشْتَرَطُ الخ: سے چوتھی بات بیان فرماتے ہیں کہ ہَدی چونکہ قربانی ہی کا دوسرا نام ہے اس لئے ہدی کے جانوروں کی عمروں، اوصاف، قسموں کی وہی شرائط ہیں جو قربانی کے جانور کی ہیں اور قربانی کے جانور کی شرط یہ ہے کہ وہ ہر اُس عیب سے خالی ہو جو قربانی کے لئے رکاوٹ بنتا ہے۔

فائدہ: اُن عیوب کی تفصیل آگے ''كِتَابُ الْأُضْحِيَّة'' میں اِن شاء اللہ آجائے گی۔

لَايَجُوْزُ مِنَ الْغَنَمِ الخ: سے پانچویں بات بیان فرماتے ہیں، قربانی کے جانوروں کی عمریں: (۱) بکرا / بکری: ایک سال مکمل ہو کر دوسرا سال شروع ہوچکا ہو ایک دن بھی کم نہ ہو۔ البتہ دنبہ یا بھیڑ اگرچہ مہینہ سے زائد عمر کے ہوں اور فربہ اور صحت مند اتنے ہوں کہ سال بھر کا معلوم ہوتے ہوں اور پورے سال والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دیا جائے تو کچھ فرق معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں چھ مہینے کے بھیڑ اور دنبے کی بھی قربانی درست ہے۔

(۲) گائے، بیل، بھینس، بھینسا: دو سال کے مکمل ہو کر تیسرا سال شروع ہوچکا ہو۔

(۳) اونٹ: پانچ سال کا مکمل ہو کر چھٹا سال شروع ہوچکا ہو۔

فائدہ: ان مذکورہ بالا تینوں قسموں کے جانوروں میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ایک مکمل ہو کر دوسرا، دو مکمل ہو کر تیسرا، پانچ مکمل ہو کر چھٹا شروع ہو گیا ہو یہ بات از راہِ تاکید فرمائی کہ ایک / دو / پانچ سال یقینی طور پر مکمل ہو جائیں۔

يُذْبَحُ هَدْيُ التَّطَوُّعِ، وَالْقِرَانِ، وَالتَّمَتُّعِ بَعْدَ رَمْيِ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فِيْ أَيَّامِ النَّحْرِ۔ وَلَايَتَقَيَّدُ ذَبْحُ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا بِزَمَانٍ۔ وَكُلُّ هَدْيٍ مِنَ الْهَدَايَا يُذْبَحُ فِي الْحَرَمِ۔ وَيُسَنُّ ذَبْحُ الْهَدَايَا فِيْ مِنًى فِيْ أَيَّامِ النَّحْرِ۔ يُسْتَحَبُّ لِرَبِّ الْهَدْيِ أَنْ يَّأْكُلَ مِنَ الْهَدْيِ إِذَا كَانَ لِلتَّطَوُّعِ، أَوِ الْقِرَانِ، أَوِ التَّمَتُّعِ۔ وَكَذَالِكَ يَجُوْزُ لِغَنِيٍّ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْقِرَانِ وَالتَّمَتُّعِ۔ أَمَّا إِذَا هَلَكَ هَدْيُ التَّطَوُّعِ فِي الطَّرِيْقِ فَلَايَأْكُلُ مِنْهُ رَبُّ الْهَدْيِ، وَلَاغَنِيٌّ أٰخَرُ، بَلْ وَجَبَ تَرْكُهٗ مَذْبُوْحًا بَعْدَ أَنْ يُّلَطِّخَ قِلَادَتَهٗ بِدَمِهٖ۔ لَايَجُوْزُ الْأَكْلُ مِنْ هَدْيِ النَّذْرِ، لَالِرَبِّ الْهَدْيِ وَلَا لِغَنِيٍّ اٰخَرَ، لِأَنَّهٗ صَدَقَةٌ فَهُوَ حَقٌّ لِلْفُقَرَاءِ۔ وَلَايَجُوْزُ الْأَكْلُ مِنْ هَدْيِ الْجِنَايَاتِ، لَالِرَبِّ الْهَدْيِ وَلَالِغَنِيٍّ اٰخَرَ، وَهُوَ مَاوَجَبَ جَبْرًا لِلنَّقْصِ الَّذِيْ وَقَعَ فِي الْحَجِّ۔

حلِّ لغات: يُلَطِّخَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف صحیح از باب تفعیل بمعنی آلودہ کرے۔ قِلَادَةٌ؛ بمعنی ہار جمع قَلَائِدُ۔ جَبْرًا؛ مصدر ہے باب نصر کا بمعنی کمی کو پورا کرنا۔

ترجمہ: نفل اور قران اور تمتع کی قربانی کا جانور جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد قربانی کے دنوں میں ذبح کیا جائے گا۔ اور باقی ہدی کے جانوروں کو ذبح کرنا کسی زمانہ کیساتھ خاص نہیں ہے۔ اور ہدی کے جانوروں میں سے ہر جانور حرم میں ذبح کیا جائے گا۔ اور قربانی کے دنوں میں قربانی کے جانوروں کو منیٰ میں ذبح کرنا مسنون ہے۔ قربانی والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ قربانی (گوشت) میں سے کھائے جبکہ وہ (قربانی) نفل یا قران یا تمتع کی بنیاد پر ہو۔ اور اسی طرح مالدار کے لئے جائز ہے کہ وہ نفل اور قران اور تمتع کی قربانی (کے گوشت) میں سے کھائے۔ بہر حال جب نفلی قربانی کا جانور راستہ میں مر جائے تو جانور کا مالک اس (کے گوشت) میں سے نہیں کھائے گا اور نہ ہی کوئی دوسرا مالدار، بلکہ اس جانور کو ذبح کر کے چھوڑنا ضروری ہے اس کے گلے کے پٹے کو اس کے خون میں آلودہ کرنے کے بعد۔ نذر کے جانور (کے گوشت) میں سے کھانا جائز نہیں ہے، نہ ہی جانور کے مالک کے لئے اور نہ ہی کسی اور مالدار آدمی کے لئے، اس لئے کہ وہ صدقہ ہے پس وہ محتاجوں کا حق ہے۔ اور جنایات

کی قربانی میں سے کھانا جائز نہیں ہے، نہ جانور کے مالک کے لئے اور نہ ہی کسی دوسرے مالدار کے لئے، اور وہ (جنایات کا ہدی) وہ جانور ہے جو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے واجب ہوا ہو جو کمی حج میں واقع ہوئی ہو۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تین باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) قربانی کا وقت۔ (۲) قربانی کی جگہ۔ (۳) کونسی قربانی کا گوشت کس کے لئے کھانا جائز ہے اور کس کے لئے نہیں؟

يُذْبَحُ الخ: سے پہلی بات بیان فرماتے ہیں کہ ہَدایا میں سے صرف (۱) نفلی قربانی، (۲) حج قران میں دمِ شکر، (۳) اور حج تمتع میں دمِ شکر، ان تین ہَدایا کو جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کو کنکریاں مارنے کے بعد قربانی کے تین دن (۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ) کے اندر اندر ذبح کرنا ضروری ہے۔ ان تین قربانیوں کا وقت ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کے درمیان تک محدود ہے اس سے پہلے معتبر نہیں ہے۔ اور نہ اِس سے تاخیر جائز ہے۔ اگر کسی نے دمِ قران اور دمِ تمتع کو ان تین دنوں سے مؤخر کر دیا تو قربانی تو معتبر ہو گی مگر تاخیر کی وجہ سے دم لازم آئے گا۔ البتہ / ۱۰ تاریخ کو ذبح کرنا افضل ہے باقی ان کے علاوہ جتنے ہَدایا ہیں چاہے وہ جنایات کا ہدی ہو یا نذر کا وہ کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

وَكُلُّ هَدْيٍ الخ: سے دوسری بات بیان فرماتے ہیں کہ قربانی کہاں کی جائے؟ چنانچہ ہر ہدی یعنی حج کی قربانی (خواہ دمِ شکر ہو یا دمِ جنایت ہو) کو حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے حدودِ حرم سے باہر ذبح کرنے سے واجب ادا نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ" (ہدی کعبہ کو پہنچنے والی ہو) نیز ہدی ایسی چیز کا نام ہے جو هدیۃً و تحفۃً حرم کو بھیجا جائے۔ پھر حدودِ حرم میں بھی منیٰ کے مقام پر ذبح کرنا مسنون ہے۔

فائدہ: یہ مسنون ہونے کا حکم اس وقت ہے کہ جب قربانی کے دنوں میں ذبح کرے اور اگر تاخیر ہو گئی تو پھر بجائے منیٰ کے مکہ افضل ہے۔

فائدہ: قربانی کی چار قسمیں ہیں: (۱) جو مکان اور زمان دونوں کے ساتھ خاص ہو جیسے دمِ تمتع دمِ قران، (۲) جو مکان کے ساتھ تو خاص ہو زمانہ کے ساتھ خاص نہ ہو جیسے دمِ جنایات جو حرم کے ساتھ تو خاص ہیں مگر قربانی کے ایام کے ساتھ خاص نہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہی دو کا تذکرہ فرمایا ہے، (۳) جو زمانے کے ساتھ تو خاص ہو مگر مکان کے ساتھ نہیں جیسے اضحیہ یعنی عام قربانی جو بقرۂ عید کے موقع پر کی جاتی ہے کہ ایامِ قربانی کے ساتھ تو خاص ہے لیکن کسی جگہ کے ساتھ خاص نہیں، (۴) جو نہ مکان کے ساتھ خاص ہو اور نہ زمان کے ساتھ جیسے نذر کی قربانی۔

يُسْتَحَبُّ الخ: سے تیسری بات بیان فرماتے ہیں کہ صاحبِ ہدی کے لئے دمِ تطوّع (نفل) اور دمِ تمتع اور دمِ قران سے کھانا جائز بلکہ مستحب ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی کا گوشت بھی کھایا اور شوربا بھی پیا، اسی طرح مذکورہ بالا تین قسم کے ہدایا سے مالدار (صاحبِ نصاب) لوگ بھی کھا سکتے ہیں کیونکہ جس ہدی سے صاحبِ ہدی کے لئے کھانا جائز ہے تو اس کا کھانا غنی کے لئے بھی جائز ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ہدی حرم کو پہنچ جائے۔

أَمَّا إِذَا هَلَكَ الخ: یعنی اگر نفلی قربانی کا جانور حرم پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں مرنے کے قریب ہو گیا تو اس کو ذبح کر دے (یہ مطلب ہے ہلاک ہونے کا، یہ مطلب نہیں کہ وہ مردار ہو جائے اس لئے کہ اس کا کھانا تو کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے) اور اس کے گلے میں موجود پٹے

خون سے رنگ دے اور کچھ خون بطورِ علامت کوہان وغیرہ پر بھی لگادے، خون سے رنگنے کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ جان لیں کہ یہ ہدی کا جانور ہے پس اس کا گوشت فقراء کھائیں گے مالدار لوگ نہیں کھائیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدی کا گوشت کھانے کی اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ہدی اپنے محل (حرم) میں پہنچ جائے اور یہ نہیں پہنچ سکا، اس کو فقراء، مساکین کے علاوہ کوئی بھی نہیں کھاسکتا۔

فائدہ: اور اگر وہ ہدی واجب تھی یعنی دمِ قران یا دمِ تمتع تھا اور وہ راستہ ہی میں مرنے کے قریب ہوجائے تو اس کو ذبح کردے یا اس میں ایسا عیب پیدا ہوگیا کہ اب وہ قربانی کے لائق نہیں رہی تو اس کے بدلہ میں دوسری قربانی دینی ہوگی اور مذبوحہ یا عیب زدہ ہدی کے ساتھ جو چاہے کرے اس کو اختیار ہے۔

لَایَجُوْزُ الْاَکْلُ الخ: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان قربانیوں کا تذکرہ کیا جن کا گوشت محتاجوں، مالداروں، اور خود قربانی کرنے والے کیلئے کھانا جائز تھا، اب یہاں سے اُن قربانیوں کا تذکرہ فرماتے ہیں جن کا گوشت صرف محتاج، مساکین کھاسکتے ہیں اُنہی کا حق ہے خود قربانی کرنے والے اور دوسرا کوئی مالدار نہیں کھاسکتا اور وہ دو قسم کی قربانیاں ہیں: (۱) نذر (مَنّت مانی ہوئی) قربانی۔ (۲) دمِ جنایت (خواہ جنایتِ حرم ہو یا جنایتِ احرام ہو)

زِيَارَةُ النَّبِيِّ ﷺ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ﴾ (رواه الطبراني) وَقَالَ ﷺ: ﴿مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ﴾ (رواه الطبراني) زِيَارَةُ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ: مِنْ أَفْضَلِ الْمَنْدُوْبَاتِ فَمَنْ وَفَّقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْحَجِّ فَلْيَذْهَبْ إِلَى الْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَةِ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْحَجِّ، أَوْ قَبْلَهُ لِزِيَارَةِ النَّبِيِّ ﷺ۔ وَلْيُكْثِرْ مِنَ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَيْهِ عَقِيْبَ نِيَّتِهِ لَهَا فَإِذَا وَصَلَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَةِ فَلْيَغْتَسِلْ، وَلْيَتَطَيَّبْ، وَلْيَلْبَسْ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ تَعْظِيْمًا لِلْقُدُوْمِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ۔ وَلْيَدْخُلْ أَوَّلًا الْمَسْجِدَ النَّبَوِيَّ الشَّرِيْفَ مُتَوَاضِعًا بِالسَّكِيْنَةِ وَالْوَقَارِ، وَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ تَحِيَّةَ الْمَسْجِدِ وَلْيَدْعُ بِمَا شَاءَ ثُمَّ لِيَتَوَجَّهْ إِلَى الْقَبْرِ الشَّرِيْفِ وَلْيَقِفْ أَمَامَهُ خَاشِعًا مُلْتَزِمًا حُدُوْدَ الْأَدَبِ، وَلْيُسَلِّمْ، وَلْيُصَلِّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُبَلِّغْهُ سَلَامَ مَنْ أَوْصَاهُ بِذٰلِكَ۔

حلِ لغات: زِيَارَةٌ: مصدر ہے باب نصر کا اجوف واوی سے بمعنی ملاقات کے لئے جانا۔ جَفَا: صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف ناقص واوی از باب نصر بمعنی بدسلوکی سے پیش آنا۔ اَلْوَقَارُ: بمعنی سنجیدگی۔ لِيَقِفْ: صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل امر غائب معلوم مثال واوی از باب ضرب بمعنی چاہیئے کہ کھڑا ہو۔ لِيَقِفْ کا لام وصل کی حالت میں ساکن پڑھا اور لکھا جاتا ہے اس لئے کہ عرب کا دستور ہے کہ فَعِلٌ کے وزن پر جو کلمہ ہو اس کے عین کلمہ کو ساکن کرتے ہیں یہاں بھی وَلِيَقِفْ میں وَلِيَ، فَعِلٌ کا وزن بنتا ہے یہی حال وَلْيُسَلِّمْ، وَلْيَدْعُ، وَلْيَذْهَبْ وغیرہ کا بھی ہے۔ أَوْصَا: صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف لفیف مفروق از باب افعال بمعنی حکم دینا۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی ملاقات۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ترجمہ: "جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی"۔ (روایت کیا اس کو طبرانی نے) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: "جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی تو

اس نے مجھ سے بے وفائی کی"۔ (روایت کیا اس کو طبرانی نے) آپ ﷺ کی قبر (مبارک) کی زیارت بہترین مستحبات میں سے ہے، پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حج کی توفیق عنایت فرمائی تو اس کو چاہیئے کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد یا اس سے پہلے آپ ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جائے اور زیارت کی نیت کرنے کے بعد آپ ﷺ پر خوب درود و سلام بھیجے، پس جب (حاجی) مدینہ منورہ پہنچ جائے تو چاہیئے کہ غسل کرے اور خوشبو لگائے، اور اپنے کپڑوں میں سے بہترین لباس پہنے رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضری کی تعظیم میں۔ اور چاہیئے کہ سب سے پہلے مسجدِ نبوی شریف میں داخل ہو انکساری و عاجزی کی حالت میں اطمینان اور سنجیدگی کے ساتھ، چاہیئے کہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھے، اور جو چاہے مانگے پھر روضۂ اطہر کی طرف رُخ کرے اور چاہیئے کہ روضۂ اقدس کے سامنے کی حالت میں ادب کی پابندیوں کا پورا اہتمام کرتے ہوئے کھڑا ہو۔ اور آپ ﷺ پر سلام اور درود بھیجے پھر آپ ﷺ کو اُن لوگوں کا پہنچائے جنھوں نے اِس (حاجی) کو سلام پہنچانے کی تاکید کی ہے۔

تشریح: چونکہ حج کے بعد اس سفرِ سعادت میں سب سے افضل اور سب سے بڑی سعادت سید الانبیاء رحمۃ للعالمین ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت ہے، اور قدیم زمانہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ حُجاجِ کرام مناسکِ حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کا قصد کرتے ہیں روضۂ اقدس کی حاضری کے لئے تو اب مصنف رحمۃ اللہ علیہ کتاب کی افادیت کی تکمیل کے لئے احکامِ حج کو بیان کرنے کے بعد مدینہ منورہ، مسجدِ نبوی، روضۂ اطہر کے کچھ فضائل، آداب و مستحبات کو مختصر طور پر بیان فرماتے ہیں اس لئے کہ اکثر لوگ ان آداب و مستحبات سے بے خبر و غافل ہیں۔

فضائل: شروع میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں: پہلی حدیث روضۂ اطہر کی زیارت کرنے پر وعد اور ترغیب سے متعلق اور دوسری حدیث روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے نہ جانے پر وعید اور ترہیب سے متعلق ہے۔

زِيَارَةُ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ الخ: چونکہ روضۂ اقدس کی حاضری افضل ترین عبادت ہے، اور اعلیٰ درجہ کے مستحبات میں سے ہے بلکہ واجب کے قریب ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے احادیثِ مبارکہ میں روضۂ اقدس کی زیارت کی خوب ترغیب دی ہے اور زیارت نہ کرنے پر سخت وعید بیان فرمائی ہے چنانچہ ترغیب کی روایات میں سے چند روایتیں درج ذیل ہیں: (۱) جو شخص صرف میری زیارت کے لئے میرے پاس آئے تو میرے اوپر یہ بات ضروری ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا سفارشی بنوں گا۔ (کتاب المسائل بحوالہ خُلاصۃ الوفاء، البحر العمیق)

(۲) جس شخص نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کا شرف حاصل کیا۔

(کتاب المسائل بحوالہ خلاصۃ الوفاء، شعب الایمان، سنن کبریٰ، مراقی الفلاح، مشکوۃ)

اور وعید کی روایت تو اوپر آچکی ہے۔ نیز جمہور اہل السنت والجماعت نے روضۂ اقدس کی زیارت کو اہم ترین مقاصد میں سے فرمایا ہے۔ اور روضۂ اقدس پر حاضری کو گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا سبب قرار دیا ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فَلْيَذْهَبْ الخ کہ حج کے بعد یا اس سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیئے۔

فائدہ: حاجی مدینہ منورہ پہلے جائے یا مکہ معظمہ؟ فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ اگر حاجی کے راستہ میں مدینہ منورہ پڑتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کئے بغیر آگے نہ جائے، لیکن اگر راستہ میں مدینہ منورہ نہیں پڑتا تو اب اِس میں تھوڑی تفصیل ہے: (۱) اگر وہ فرض حج کرنے جارہا ہے تو پہلے حج کرنا افضل ہے، حج کے بعد مدینہ منورہ جاکر روضۂ رسول پر حاضری دے۔ (۲) اور اگر نفلی حج ہے تو اختیار ہے چاہے پہلے مکہ معظمہ جائے یا مدینہ منورہ۔ (رفیقِ حج، کتاب المسائل بحوالہ زبدۃ المناسک، مناسک ملا علی قاری)

فائدہ: یہاں تین مقامات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں: (۱) روضۂ اقدس، (۲) مدینہ منورہ، (۳) مسجدِ نبوی۔ روضۂ اقدس کے کچھ فضائل تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمادیئے، مدینہ منورہ کے کچھ فضائل درج ذیل ہیں:

(۱) مدینہ مرکزِ اسلام ہے۔ ”مدینہ منورہ“ قیامت کے قریب تک اسلام کا مرکز رہے گا، حتیٰ کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام مدینہ تک ہی سمٹ جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے: ایمان اسی طرح مدینہ کی طرف لوٹ آئے گا جیسا کہ سانپ اپنے سوراخ کی طرف لوٹتا ہے،

(۲) ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس شہر کا تعارف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مدینہ! اسلام کا گنبد، ایمان کا مرکز، ہجرت کی سرزمین، اور جائز اور ناجائز کے علم کا مرجع ہے۔ (طبرانی، ترغیب وترہیب)

(۳) مدینہ منورہ کی ایک شان یہ ہے کہ یہ شہر زیادہ دن تک خبیث الفطرت لوگوں کو برداشت نہیں کرتا، اور ایسے لوگ جلد یا بدیر مدینہ سے دربدر کردیئے جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس مدینہ سے جو شخص بھی اعراض کرکے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس سے بہتر شخص کو یہاں قیام کا موقع عطا فرماتے ہیں۔ اچھی طرح سن لو! مدینہ بھٹی کے مانند ہے جو جلا کر کھوٹ کو ختم کردیتی ہے، اور اُس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ شہر یہاں سے شریروں کو نکال باہر نہ کردے، جیسے کہ بھٹی لوہے کے میل کچیل کو صاف کردیتی ہے۔ (مسلم)

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص اہلِ مدینہ کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے گا اُس کو اللہ تعالیٰ آگ میں تانبے کے پگھلنے کی طرح یا پانی میں نمک کے پگھلنے کی طرح پگھلادیتے ہیں۔ (مسلم)

(۵) مدینہ منورہ میں وفات پانے کی فضیلت: مدینہ منورہ وہ مقام ہے جہاں زندگی گذارنا بھی باعثِ فضیلت ہے، اور وہاں کی موت بھی نہایت سعادت کی بات ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی بڑا بشارت آمیز ہے: ”جو شخص مدینہ منورہ میں وفات پانے پر استطاعت رکھے تو یہاں مرجائے کیونکہ میں یہاں وفات پانے والے کی سفارش کروں گا۔ (ترمذی، ترغیب وترہیب)

اس حدیث میں موت کی تمنا کی ترغیب نہیں؛ بلکہ اس اندازِ تعبیر کا مقصد یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں مستقل قیام کی شکل نکالے کہ زندگی کی آخری سانس تک اپنے محبوب علیہ السلام کے مبارک شہر میں قیام نصیب رہے اور بقولِ شاعر یہ جذبہ رکھے:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

الغرض اس مقدس شہر کے فضائل ناقابلِ بیان ہیں۔

وَلْيُكْثِرْ مِنَ الصَّلَاةِ الخ۔ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ زیارتِ مدینہ کے چند آداب بیان فرماتے ہیں، جن کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(۱) اخلاصِ نیت: مدینہ منورہ (زَادَهَا اللّٰهُ شَرَفًا) کے سفر سے مقصود روضۂ اقدس کی زیارت اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کا حصول ہونا چاہیے۔

(۲) درود شریف کی کثرت: مدینہ منورہ کے سفر کے دوران اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، زبان پر پیغمبر علیہ السلام کا نامِ نامی اور دل میں آپ کی یاد ہونی چاہیے، اور کثرت سے درود شریف کا ورد رکھنا چاہیے اور جب مدینہ منورہ کے درخت اور باغات نظر آئیں تو درود شریف کی مزید کثرت کرے، اور جب وہاں کی عمارتیں نظر آجائیں تو درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھیں: "اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ نَبِيِّكَ فَاجْعَلْهُ وِقَايَةً لِيْ مِنَ النَّارِ وَأَمَانًا مِنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ"۔ ترجمہ: "اے اللہ! یہ تیرے نبی علیہ السلام کا حرم ہے اس کو میرے لئے جہنم سے بچنے کا ذریعہ اور عذاب سے اور بُرے حساب سے امان (کا ذریعہ) بنا دیجیے۔ اور فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

فَإِذَا وَصَلَ الخ: مدینہ میں داخلہ: مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد اور قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد سامان اور رہائش کا ضروری انتظام کرے اور قدرے اطمینان حاصل ہونے کے بعد جلد از جلد روضۂ اقدس پر حاضری کی تیاری کی فکر کرے مستحب ہے کہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے شہر سے باہر غسل کر کے اچھے کپڑے جو اپنے پاس موجود ہوں وہ پہنے اگر نئے کپڑے ہوں تو زیادہ بہتر ہے، خوشبو لگائے اور اگر شہر میں داخل ہونے سے پہلے یہ کام ممکن نہ ہوں جیسا کہ آج کل تو پھر شہر میں پہنچ کر یہ کام کرے۔

وَلْيَدْخُلْ أَوَّلًا الخ: مسجدِ نبوی میں حاضری: نہایت ادب اور حضورِ قلب کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہوئے خشوع اور خضوع کے ساتھ ادب کا اظہار کرتے ہوئے اطمینان اور سنجیدگی کے ساتھ داخل ہو، جیسے ایک غلام آقا کے دربار میں حاضر ہوتے وقت کرتا ہے۔

فائدہ: مسجدِ نبوی کے بہت سے دروازے ہیں، مردوں کے لئے بہتر ہے کہ بابِ جبرئیل سے داخل ہوں لیکن آج کل عموماً باب السلام سے داخل ہوتے ہیں۔ داخل ہونے کے وقت مسجد کی دعا پڑھ لے اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے، بہتر ہے کہ ممبر کے پاس پڑھے اگر ممکن ہو ورنہ جہاں موقع ملے، پھر اللہ کا شکر ادا کرے اس حاضری کی توفیق ملنے پر اور زیارتِ مقبول کی دُعا مانگے۔

ثُمَّ لِيَتَوَجَّهُ الخ: اس کے بعد روضۂ اقدس (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی جانب نہایت سکون اور سنجیدگی کے ساتھ قدم بڑھائے اور یہ تصور کرے کہ کہاں ایک گنہگار امتی اور سیاہ کار بندہ اور کہاں رحمتِ عالَم کی بارگاہ؟ اسی طرح عاجزی اور شکر کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ بارگاہِ نبوت کی طرف چلے جب روضۂ اقدس کے سامنے پہنچے جہاں پیتل کا بڑا حلقہ بنا ہوا ہے، اُس کے سامنے قبلہ کی طرف پشت اور قبر مبارک کی طرف منہ کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے چہرۂ انور کے بالمقابل نہایت ادب کے ساتھ، نظریں جھکا کر اس طرح کھڑا ہو کہ نہ بالکل جالیوں کے پاس، نہ بلاضرورت بہت دور بلکہ درمیان میں تقریباً پانچ یا چھ فٹ کا فاصلہ ہو اور کوئی حرکت خلافِ ادب نہ کرے۔

فائدہ: جب آپ اس طرح کھڑے ہوں گے تو سامنے پیتل کی ان جالیوں میں تین سوراخ نظر آئیں گے، ایک سوراخ کے گرد ایک بڑا سفید سنہرا دائرہ موٹی پلیٹ کی سی شکل میں بنا ہوا ہے، یہ اِس بات کی علامت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور حُجرہ شریفہ کے اندر اِسی سوراخ کی سیدھ میں ہے۔ اس سوراخ سے دائیں ہٹ کر دو سوراخ اور ہیں، اُن کے گرد بھی سنہرے دائرے بنے ہوئے ہیں مگر یہ دائرے اتنے بڑے اور

موٹے نہیں جتنا پہلے سوراخ کا دائرہ ہے۔ ان دونوں میں سے پہلا سوراخ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کی سیدھ میں اور دوسرا سوراخ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کی سیدھ میں ہے۔

وَلْيُسَلِّمْ الخ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرتے وقت یہ تصور کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں اپنی دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف چہرۂ انور کئے ہوئے لیٹے ہیں، اور پھر نہایت ادب کے ساتھ درمیانی آواز میں (نہ بہت پکار کر اور نہ بہت آہستہ) سلام عرض کرے اور درود پڑھے۔

فائدہ: صلاۃ وسلام کے کچھ خاص الفاظ مقرر نہیں ہیں البتہ علماء کرام نے زائرین کی آسانی کے لئے کچھ مختصر اور کچھ طویل الفاظ لکھے ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

سلام کے مختصر الفاظ: اگر صلاۃ وسلام مختصر الفاظ میں پیش کرنا ہو تو درج ذیل کلمات مناسب ہیں:

(۱) أَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔

(۲) أَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاحَبِيْبَ اللّٰهِ۔

(۳) أَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ۔

(٤) أَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

(٥) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ۔

(٦) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدَ وُلْدِ آدَمَ۔

(٧) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ۔

(٨) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا إِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ۔

(٩) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاقَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ۔

(١٠) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ رَحْمَةً لِلْعٰلَمِيْنَ۔

(١١) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيْعَ الْمُذْنِبِيْنَ۔

سلام کے طویل کلمات: اور اگر طویل کلمات میں سلام پیش کرنا چاہے تو درج ذیل کلمات میں پیش کرے۔

(١) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ وَصَفَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِقَوْلِهٖ: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾، ﴿وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾۔

(٢) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَامَنْ سَبَّحَ الْحَصٰى فِيْ يَدَيْهِ وَحَنَّ الْجِذْعُ إِلَيْهِ۔

(٣) أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ إِنِّيْ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّكَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ، وَأَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْأُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ

وَأَقَمْتَ الْحُجَّةَ وَجَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ فَجَزَاکَ اللّٰهُ عَنَّا أَفْضَلَ مَا جَزٰی نَبِيًّا عَنْ أُمَّتِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ أَعْطِ سَيِّدَنَا عَبْدَکَ وَرَسُوْلَکَ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ إِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَادَ وَأَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ إِنَّکَ سُبْحَانَکَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ"

اورآنحضرت ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت مانگے مثلاً یوں کہے: "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَسْأَلُکَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِکَ إِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی فِيْ أَنْ أَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰی مِلَّتِکَ وَسُنَّتِکَ"۔

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شفاعت کا طلبگار ہوں اور اللہ کی طرف آپ کا وسیلہ چاہتا ہوں اس بات کے لئے کہ میں اسلام پر اور آپ کی ملّت وسنّت پر مروں"۔

فائدہ: سلام ودعا کے ان کلمات میں جس قدر چاہے اضافہ کر سکتا ہے مگر ادب اور عاجزی کے کلمات ہوں البتہ بزرگانِ دین کا طریقہ اختصار تھا اور اسی کو پسند فرماتے تھے۔

ثُمَّ لِيُبَلِّغْهُ الخ: دوسروں کی طرف سے سلام: اس کے بعد اگر کسی نے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں سلام پیش کرنے کی درخواست کی ہے تو اس کی طرف سے ان الفاظ میں سلام پیش کرے "اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يَسْتَشْفِعُ بِکَ إِلٰی رَبِّکَ"۔ ترجمہ: اے اللہ کے رسول! آپ پر فلاں کی طرف سے سلام ہو وہ بھی آپ سے شفاعت کا طلبگار ہے آپ کے رب کی طرف۔ فلاں کی جگہ سلام بھیجنے والے شخص کا نام لے۔ اور اگر بہت سے لوگوں نے سلام عرض کرنے کو کہا ہے اور سب کے نام یاد نہیں ہیں تو سب کی طرف سے اس طرح سلام عرض کرے "اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مِنْ جَمِيْعِ مَنْ أَوْصَانِيْ بِالسَّلَامِ عَلَيْکَ"۔

فائدہ: خلیفۂ اوّل حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام: نبی اکرم ﷺ پر سلام پیش کرنے کے بعد ایک ہاتھ دائیں جانب کو ہٹ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درج ذیل الفاظ میں سلام عرض کرے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا وَزِيْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِي الْغَارِ وَرَفِيْقَهٗ فِي الْأَسْفَارِ وَأَمِيْنَهٗ عَلَی الْأَسْرَارِ أَبَا بَکْرِنِ الصِّدِّيْقِ جَزَاکَ اللّٰهُ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

خلیفۂ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام: اس کے بعد مزید ایک ہاتھ دائیں طرف کو ہٹ کر امیر المومنین حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درج ذیل الفاظ میں سلام پیش کرے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ الْفَارُوْقَ الَّذِيْ أَعَزَّ اللّٰهُ بِهِ الْإِسْلَامَ إِمَامَ الْمُسْلِمِيْنَ مَرْضِيًّا حَيًّا وَمَيِّتًا. جَزَاکَ اللّٰهُ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی، کتاب الاختیار لتعلیل المختار، کتاب المسائل بحوالہ فتح القدیر، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

ثُمَّ لِيَذْهَبْ ثَانِيًا إِلَی الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ وَلْيُصَلِّ مَاشَاءَ. وَلْيَدْعُ بِمَا شَاءَ لِنَفْسِهٖ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ وَلِمَنْ أَوْصَاهُ بِذٰلِکَ. وَلْيَنْتَهِزْ إِقَامَتَهٗ بِالْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَةِ. وَلْيَجْتَهِدْ فِيْ إِحْيَاءِ اللَّيَالِيْ وَفِيْ زِيَارَتِهٖ ﷺ کُلَّمَا

وَجَدَ فُرْصَةً. وَلْيُكْثِرْ مِنَ التَّسْبِيْحِ. وَالتَّهْلِيْلِ. وَالْإِسْتِغْفَارِ. وَالتَّوْبَةِ۔ وَيُسْتَحَبُّ لَهُ الْخُرُوْجُ إِلَى الْبَقِيْعِ لِيَزُوْرَ قُبُوْرَ الصَّحَابَةِ. وَالتَّابِعِيْنَ. وَالصَّالِحِيْنَ رِضْوَانُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ۔ وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا فِي الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ مَادَامَ بِالْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَةِ. وَإِذَا أَرَادَ الرُّجُوْعَ إِلَى وَطَنِهٖ يُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يُوَدِّعَ الْمَسْجِدَ بِرَكْعَتَيْنِ. يَدْعُوْ بِمَا شَاءَ. وَيَأْتِيْ قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ. وَيُصَلِّيْ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ. ثُمَّ يَرْجِعُ بَاكِيًا عَلَى فِرَاقِهٖ ﷺ۔

حلِ لغات: وَلْيَنْتَهِزْ میں لِيَنْتَهِزْ؛ صیغہ واحد مذکر غائب فعلِ امر غائب معروف صحیح ازباب افتعال بمعنی چاہیئے کہ غنیمت جانے۔ فُرْصَةً؛ بمعنی باری جمع فُرَصٌ۔ اَلْبَقِيْعُ؛ ''جَنَّتُ الْبَقِيْعِ'' مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان ہے جس میں حضور ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور نواسہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور داماد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور دیگر دس ہزار سے زیادہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدفون ہیں، علاوہ ازیں حضور ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حلیمہ رضی اللہ عنہا سعدیہ، اور بہت سے اہلِ بیت، ازواجِ مطہرات سوائے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے کہ وہ مقامِ سرف میں مدفون ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کہ وہ مکہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں، اور بناتِ طیبات کی قبریں اِس مقدس قبرستان میں ہیں۔ مسجدِ نبوی کی توسیع کے بعد اب مسجدِ نبوی اور جنت البقیع کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہا، مسجد کی مشرقی جانب بیرونی صحن جہاں ختم ہوتا ہے وہیں سے جنت البقیع شروع ہوتا ہے۔

ترجمہ: پھر دوبارہ مسجدِ نبوی جائے اور جتنی چاہے نماز پڑھے اور جو چاہے دعا مانگے اپنے لئے اپنے ماں باپ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اُس کو دعا کی تاکید کی ہے، اور چاہیئے کہ مدینہ منورہ میں اپنے قیام کو غنیمت سمجھے، اور شب بیداری میں، اور آپ ﷺ کی زیارت میں جب کبھی موقع پائے خوب کوشش کرے۔ اور سبحان اللہ کہنے، لا اِلٰہ اِلّا اللہ کہنے، گناہوں کی معافی مانگنے، اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرے۔ اور اُس کے لئے مستحب ہے جنت البقیع کی طرف نکلنا تاکہ صحابہ، اور تابعین، اور صُلحاء کی قبروں کی زیارت کرے۔ اور اُس کے لئے مستحب ہے کہ تمام نمازیں مسجدِ نبوی میں پڑھے جب تک مدینہ منورہ میں رہے، اور جب اپنے وطن لوٹنے کا ارادہ کرے تو اُس کے لئے مستحب ہے کہ مسجدِ نبوی سے دو رکعت نماز کے ساتھ رخصت ہو، جو چاہے دعا مانگے، اور روضۂ اقدس کے پاس آئے، اور آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھے، پھر آپ ﷺ سے جدائی پر روتے ہوئے واپس ہو۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مسجدِ نبوی میں داخلہ، روضۂ اقدس پر حاضری اور درود و سلام پیش کرنے کا طریقہ بیان فرمایا اب مندرجہ بالا عبارت میں یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دن کیسے گذارے اور واپسی کس کیفیت کے ساتھ کرے؟

چنانچہ فرمایا مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے: سلام پیش کرنے کے بعد دوبارہ مسجدِ نبوی جائے دوبارہ جانے کی صورت یہ ہے کہ سلام پیش کرنے کے بعد دوبارہ بائیں طرف واپس ہو کر مواجہہ شریف کے سامنے آئے اور موقع ہو تو روضۂ اقدس کی طرف رُخ کر کے ورنہ قبلہ رُو ہو کر خوب تضرع وزاری کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کے وسیلہ سے اپنی مغفرت خصوصاً اپنے والدین، اعزہ واحباب اور عام مسلمانوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے دعا کیلئے کہا ہے دارین میں فلاح کی دعا کرے۔

وَلْيَنْتَهِزْ الخ: مدینہ طیبہ میں قیام کے زمانہ کو غنیمت سمجھ کر راتوں کو خوب جاگے اور بارگاہِ رسالت میں خوب ہدیۂ سلام پیش کرے اور وقت بالکل ضائع نہ کرے۔

وَيُسْتَحَبُّ لَهُ الخ: جنت البقیع مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان ہے جس کا کچھ مختصر تعارف حل لُغات کے ذیل میں گذر چکا ہے، عموماً اشراق کے وقت اور عصر کے بعد اس کا دروازہ کُھلتا ہے، اس لئے حسبِ موقع خصوصاً جمعہ کے دن یہاں حاضر ہو کر زیارت کرنی چاہیئے، اور اہلِ قبور کو سلام ان الفاظ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ. سَلَامٌ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ میں پیش کرکے کم از کم سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص اور سورۂ یٰسین پڑھ کر اُن کے لئے ایصالِ ثواب کرنا چاہیئے۔ نیز جمعرات کے دن جبلِ اُحد اور شُہداءِ اُحد کی بھی زیارت کرے جہاں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سمیت دیگر ستر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم آرام فرما ہیں۔

وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يُّصَلِّيَ الخ: مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں مسجدِ نبوی میں نماز باجماعت کا خوب اہتمام کرنا چاہیئے اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: ”میری اِس مسجد میں نماز کا ثواب دیگر مساجد کے مقابلہ میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، سوائے مسجدِ حرام کے۔ اور میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد (انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی تعمیر کردہ مسجدوں میں سے) آخری مسجد ہے“ (بخاری ومسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ مسجدِ نبوی میں نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: مسجدِ نبوی شریف کی عظمت: اس سے پہلے مدینہ منورہ اور روضۂ اقدس کے کچھ فضائل ذکر کردیئے گئے تھے۔ اب مسجدِ نبوی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) کے کچھ فضائل درج کئے جاتے ہیں:

(۱) مسجدِ نبوی شریف کی عظمت اور فضیلت کے لئے یہی بات کیا کم ہے کہ جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیّبہ پہنچے تو اس مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی اور برسوں اس میں نماز پڑھی ہے، اور اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور اِس کو اپنی مسجد کہا۔

(۲) **مسجدِ نبوی میں مسلسل چالیس نمازیں پڑھنے کی فضیلت:** حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا بیان ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ (درمیان میں) کوئی نماز بھی نہیں چُھوٹی تو اُس کے لئے جہنم سے اور ہر عذاب سے اور نِفاق سے برأت لکھ دی جاتی ہے“۔ نیز فرمایا: ”میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا ممبر حوضِ کوثر پر ہے“۔ (بخاری)

فائدہ: ریاض الجنۃ مسجدِ نبوی کا سب سے اہم حصہ ہے جس کا مندرجہ بالا حدیثِ مبارک میں تذکرہ ہے۔

فائدہ: مستحب ہے کہ ہفتہ کے دن مسجدِ قباء کی بھی زیارت کرے، جو فضیلت کے اعتبار سے اسلام کی چوتھے نمبر کی مسجد ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب، کتاب الاختیار لتعلیل المختار، مراقی مع طحطاوی، کتاب المسائل)

وَإِذَا أَرَادَ الرُّجُوْعَ الخ: یہاں سے مصنف رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ مدینہ منورہ سے رخصت ہونے کا طریقہ اور کیفیت بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب سرورِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مبارک شہر سے واپسی کا ارادہ ہو تو مسجدِ نبوی میں حاضر ہو کر بنیتِ واپسی اور رخصتی کے دو رکعت نفل ادا کرے، پھر روضۂ

اقدس کے سامنے حاضر ہو کر الوداعی صلاۃ و سلام عرض کرے، اور پھر رقّت و زاری کے ساتھ اللہ سے دعا کرے کہ اے اللہ میرے سفر کو آسان فرمادے اور مجھے سلامتی اور عافیت کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں پہنچادے اور دو جہاں کی آفتوں سے محفوظ فرمادے، بالخصوص یہ دعا کرے کہ اے اللہ یہاں حاضری کے وقت جو کوتاہیاں ہوئیں ہوں انہیں معاف فرمادے، اور اس حاضری کو آخری حاضری نہ بنا، بلکہ آئندہ بھی مقبول اور باآدب حاضری کی سعادت نصیب فرما۔ پھر دربارِ نبوت پر الوداعی حسرت آمیز نظر ڈالتے ہوئے اور جدائی پر افسوس کرتے ہوئے اور رو کر واپس ہو، اور زبانِ حال سے یہ کہے:

مدینہ سے با چشمِ تر جا رہا ہوں — نہیں چاہتا دل مگر جا رہا ہوں
زمانہ یہ کہتا ہے گھر جا رہا ہوں — حقیقت میں جنت بدر جا رہا ہوں

چند متفرق مسائل: (۱) اگر کسی وقت خاص مواجہہ شریف پر حاضری کا موقع نہ ملے تو روضۂ اقدس کے کسی طرف بھی کھڑے ہو کر یا مسجدِ نبوی میں کسی جگہ سے بھی سلام عرض کیا جاسکتا ہے، اگرچہ اس کی وہ فضیلت نہیں جو سامنے سے حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کی ہے۔ (۲) مسجدِ نبوی سے باہر بھی جب کبھی روضۂ اقدس کے سامنے سے گذریں تو تھوڑی دیر ٹھہر کر سلام عرض کر کے پھر آگے بڑھیں۔ (۳) عورتوں کو بھی اپنے مقرر دروازے سے داخل ہو کر روضۂ اقدس کی زیارت اور سلام عرض کرنا چاہیئے، البتہ اُن کے لئے بہتر ہے کہ رات کے وقت حاضر ہوں، اور جب زیادہ بھیڑ ہو تو کچھ فاصلہ ہی سے سلام عرض کر دیں۔ (رفیق حج)

كِتَابُ الْأُضْحِيَةِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر:۲) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ، وَإِنَّهُ لَيَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا، وَأَشْعَارِهَا، وَأَظْلَافِهَا، وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَّقَعَ بِالْأَرْضِ، فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا﴾ (رواہ الترمذی عن عائشۃ ؓ) وَقَالَ ﷺ: ﴿مَنْ كَانَ لَهٗ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا﴾ (رواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ ؓ)۔

حلّ لغات: أُضْحِيَةٌ: اس کی اصل أُضْحُوْيَةٌ تھی واؤ اور یاء دونوں ایک کلمہ میں جمع ہو گئیں اور ان میں سے پہلا ساکن ہے تو قاعدہ نمبر ۱۴ کے مطابق واؤ کو یاء سے بدل دیا گیا اور یاء کو یاء میں مدغم کر دیا گیا اس کے بعد حا کو یاء کی مناسبت کے لئے کسرہ دیا گیا تو أُضْحِيَّةٌ بن گیا بمعنی قربانی جمع أَضَاحِيُّ۔ قُرُوْنٌ: جمع ہے قَرْنٌ کی بمعنی سینگ۔ أَشْعَارٌ: جمع ہے شَعْرٌ کی بمعنی بال۔ أَظْلَافٌ: جمع ہے ظِلْفٌ کی بمعنی کُھر۔ طِيْبُوْا: صیغہ جمع مذکر مخاطب اجوف یائی از باب ضرب بمعنی خوشی سے کرو۔ لَمْ يُضَحِّ: صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی جحد بلم در فعل مستقبل معروف ناقص واوی از باب تفعیل بمعنی اس نے قربانی نہیں کی۔

ترجمہ: قربانی کی کتاب۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ترجمہ: "سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر"۔ اور رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: "قربانی کے دن میں کوئی عمل جو آدم کا بیٹا کرے اللہ تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اور یہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، اور اپنے بالوں، اور اپنے کُھروں کے ساتھ آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت کا

مقام حاصل کرلیتا ہے، لہٰذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو"۔(ترمذی)اور آپ ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: "جس کے پاس گنجائش ہو (قربانی کرنے کی) اور وہ قربانی نہ کرے، تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے"۔(ابن ماجہ)

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ دیگر عبادات (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کو بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب آخر میں قربانی کی عبادت کو بیان فرماتے ہیں۔

قربانی کا ثبوت: اسلام سے پہلے اور اسلام کے آغاز میں مختلف تقریبات میں جانوروں کی قربانی کی جاتی تھی، تاہم قربانی کی دو صورتیں ایسی ہیں جو باقی ہیں اور اُن کی مشروعیت پر اجماع ہے ایک "بقر عید" کی اور دوسری "حج" کی جو حج اور عمرہ کی دوگانہ سعادت حاصل کرنے والے حُجاجِ کرام یعنی "قارِن" اور "متمتع" کرتے ہیں۔ ان قربانیوں کا ثبوت قرآن اور احادیثِ نبویہ میں موجود ہے چنانچہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بحث کے آغاز میں قرآن وحدیث سے اس کو ثابت فرمایا ہے۔ نیز امتِ مسلمہ کا بھی قربانی کے جواز اور مشروعیت پر اجماع ہے۔

قرآنِ مجید کی جن آیات میں قربانی کا ذکر ہے اُن میں سے دو آیتیں تو بہت واضح ہیں: (۱) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔(الکوثر) یہاں تین ایسے قرائن موجود ہیں جو "نحر" کے "قربانی" کے معنی میں ہونے کو متعین کرتے ہیں: اول یہ ہے کہ قرآن میں اکثر مقامات پر نماز کے ساتھ مالی عبادات مثلاً زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، یہاں صلوٰۃ کے ساتھ "نحر" کا لفظ ہے، اگر اس کے معنی قربانی کے ہوں تو پھر قرآن کی عام ترتیب قائم رہے گی، دوسرے عربی زبان کے عُرف میں "نحر" کے لفظ سے ذہن فوراً قربانی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ تیسرے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی، آپ ﷺ نے خطبہ دیا، دوگانہ نماز ادا فرمائی، اور قربانی کی، جو گویا اس آیت کی عملی تفسیر تھی۔

(۲) قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (الانعام ۱۶۲) "نُسُک" کا لفظ قرآن میں کئی مواقع پر قربانی کے لئے استعمال ہوا ہے اگرچہ یہ لفظ اعمالِ حج کے لئے بھی استعمال ہوا ہے لیکن چونکہ آیت مکی ہے اور حج کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہ لفظ قربانی ہی کے معنی میں ہو۔

احادیث جو قربانی کی بابت وارد ہوئی ہیں، اُن کی تعداد بے شمار ہے اور حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں قربانی کے ثبوت میں صرف دو حدیثیں پیش فرمائی ہیں۔ پہلی حدیث قربانی کی فضیلت سے متعلق ہے کہ ایامِ قربانی میں قربانی سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ اور دوسری حدیث باوجود گنجائش کے قربانی نہ کرنے کی وعید سے متعلق ہے۔

قربانی کا پس منظر: یہ قربانی اس عظیم الشان اور معروف واقعہ کی یادگار ہے جس کے تصوّر اور خیال آنے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ذرا تصوّر کیجئے کہ ۸۶ سالہ بوڑھا شخص جو آرزو کے باوجود ابھی تک اولاد کی نعمت سے سرفراز نہیں ہوا تھا اور بارگاہِ خداوندی میں سراپا سوال بن کر یہ دعا کیا کرتا تھا: "رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ" (الصافات ۱۰۰) بالآخر ایک دن اس کی یہ فریاد اس کے ربِ کریم نے قبول فرمائی اور ایک حلیم، بردبار، باوقار بیٹے کی نہ صرف بشارت سنائی بلکہ ہونہار اسماعیل علیہ السلام کی صورت میں وہ بیٹا عطا کر بھی دیا، پھر اوّلاً اس معصوم جگر کے ٹکڑے کو اس کی والدہ ماجدہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ آنے کا حکم صادر ہوا، جسے اللہ کا سچا خلیل پوری خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتے ہوئے بلا تاخیر بجا لایا، پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے اور امید ہو گئی تھی

کہ ہونہار بیٹا اب اپنے بوڑھے باپ کا سہارا بنے گا عین اُسی زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں یہ حکم ربّی پہنچا کہ اب ہمیں تمہارے نورِ نظر اور لختِ جگر کی قربانی منظور ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم ربّی کو بسر و چشم قبول کر کے برملا اس کی تعمیل کا شرف حاصل کیا اور اس تعمیلِ حکم میں وہ سعادت آثار بیٹا اسماعیل علیہ السلام اپنے عظیم والد ابراہیم علیہ السلام کے شانہ بشانہ نظر آیا اور ذبیح اللہ کے لقب کا بجا طور پر حقدار بنا۔ فداکاری اور تسلیم و رضا اور اطاعت و محبت کی یہ ایسی مثال تھی کہ شاید چشمِ فلک نے یہ اس سے پہلے دیکھی ہو اور نہ اس کے بعد۔ اسلام نے اس عبرت آموز واقعہ کو امتِ مسلمہ کے لئے ایک یادگار بنادیا، نیز پرانی قوموں سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ جانوروں کے خون بہانے کو تقرب کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے مگر بتوں کے نام پر کرتے تھے اسی طرح آج تک دوسرے مذاہب میں بھی قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے بتوں کے نام پر یا مسیحا کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جنتی مینڈھے کی قربانی کرا کر عملاً اس دستور کو صحیح رُخ دے دیا، اور اسلام میں بھی یہ طریقۂ قربانی صرف مشروع ہی نہیں بلکہ مطلوب و محمود قرار پایا اور وسعت والوں پر خاص دنوں میں متعین جانوروں میں سے قربانی پیش کرنے کو واجب قرار دیا گیا۔

اَلْأُضْحِيَّةُ بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِهَا مَعَ تَخْفِيفِ الْيَاءِ وَتَشْدِيدِهَا: إِسْمٌ لِمَا يُذْبَحُ يَوْمَ الْأَضْحٰى۔ وَالْأُضْحِيَّةُ فِي الشَّرْعِ: "هِيَ ذَبْحُ حَيَوَانٍ مَخْصُوصٍ بِنِيَّةِ الْقُرْبَةِ فِي وَقْتٍ مَخْصُوصٍ"۔ اَلْأُضْحِيَّةُ وَاجِبَةٌ عِنْدَ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى۔ وَالْأُضْحِيَّةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ عِنْدَ الْإِمَامَيْنِ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رحمهما الله۔

ترجمہ: اُضحیہ ہمزہ کے ضمہ اور اسکے کسرہ کے ساتھ اور یاء کی تشدید اور اُس کی تخفیف کے ساتھ: نام ہے اُس جانور کا جو عید الاضحیٰ کے دن ذبح کیا جائے۔ اور اُضحیہ شریعت میں: وہ مخصوص جانور کو ثواب کی نیت سے مخصوص وقت میں ذبح کرنا ہے۔ قربانی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور قربانی سنّتِ مؤکدہ ہے دو اماموں ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک۔

تشریح: قرآن و حدیث سے قربانی کا ثبوت پیش کرنے کے بعد مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تین باتیں بیان فرمائی ہیں:
(۱) لفظِ اضحیہ کی لغوی تعریف و تحقیق۔ (۲) شرعی اصطلاحی تعریف۔ (۳) قربانی کا حکم۔

اَلْأُضْحِيَّةُ بِضَمِّ الْهَمْزَةِ الخ سے پہلی بات بیان فرماتے ہیں یعنی لغوی تحقیق: لغوی تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ لغتِ عرب یعنی عربی زبان میں ''أُضْحِيَة'' کا لفظ حرکات کی تھوڑی تبدیلی کے ساتھ چار طرح سے نقل کیا گیا ہے۔ أُضْحِيَةٌ (ہمزہ کے پیش اور یاء بغیر شد کے) إِضْحِيَةٌ (ہمزہ کے کسرہ اور یاء بغیر شد کے) أُضْحِيَّةٌ (ہمزہ کے پیش اور یاء کی شد کے ساتھ) إِضْحِيَّةٌ (ہمزہ کے کسرہ اور یاء کی شد کے ساتھ) معنی ان تمام صورتوں میں ایک ہی ہے یعنی وہ جانور جو اللہ کا تقرّب حاصل کرنے کے لئے قربانی کے دنوں میں ذبح یا نحر کیا جائے۔
اس کی جمع أَضَاحِيُّ آتی ہے۔ چونکہ قربانی کا جانور وقتِ ضحیٰ یعنی دن چڑھے ذبح کیا جاتا ہے اس لئے اس کو اُضحیہ کہتے ہیں۔

وَالْأُضْحِيَّةُ فِي الشَّرْعِ الخ سے دوسری بات یعنی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہیں۔ اصطلاح سے مراد شریعت کی اصطلاح اور زبان ہے کہ شریعت میں اُضحیہ مخصوص جانور کو مخصوص وقت میں تقرّب الی اللہ کی نیت سے ذبح کرنا۔

مندرجہ بالا تعریف میں تین قیدیں ملحوظ ہیں: پہلی قید ہے مخصوص جانور کو ذبح کرنا؛ اس سے معلوم ہوا کہ ہر جانور کو ذبح کرنا قربانی نہیں کہلاتا بلکہ اسی جانور کو ذبح کرنا قربانی کہلاتا ہے جس کو شریعت نے قربانی کے لئے متعین کیا ہے۔ اور اُن جانوروں کی تفصیل ان شاءاللہ آئندہ آرہی ہے۔

دوسری قید قربت کی نیت کے ساتھ ہو؛ قربت سے مراد عبادت اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کرنا ہے، مثلاً قربانی، عقیقہ، ولیمہ کی نیت ہو (لہٰذا اگر کسی شخص نے غیرِ قربت مثلاً گوشت کھانے یا دوکان پر بیچنے کی نیت سے جانور ذبح کیا تو یہ شریعت کی زبان میں قربانی نہیں کہلائے گی۔

تیسری قید مخصوص وقت میں ذبح کرنا؛ مخصوص وقت سے مراد وہ وقت ہے جس کی شریعت نے تخصیص کی ہے اور وہ تین دن ہیں: دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ لہٰذا اس سے پہلے یا بعد میں جانور کو ذبح کرنا شریعت میں اضحیہ (قربانی) نہیں کہلائے گا۔ وقتِ مخصوص کی تفصیل آئندہ آرہی ہے ان شاءاللہ۔

اَلْأُضْحِيَةُ وَاجِبَةٌ الخ: سے تیسری بات بیان فرماتے ہیں، یعنی قربانی کا حکم۔ جہاں قربانی کی مشروعیت پر فقہاء کا اتفاق ہے وہیں اُسکی شرعی حیثیت اور حکم کے بارے میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے چنانچہ اسی پر فتویٰ اور اسی پر عمل ہے۔ اور اُن کے دوشاگردوں قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اور اسی طرح امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سنّتِ مؤکدہ ہے۔

قربانی کے واجب ہونے کی دلیل: (۱) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مندرجہ بالا حدیث ”کہ جس کو قربانی کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے“ یہ بڑی سخت وعید ہے جو واجب ہی کو چھوڑنے میں وارد ہو سکتی ہے لہٰذا اس سے وجوب ثابت ہوا۔

قربانی کے سنت ہونے کی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَانْحَرْ" (قربانی کر) یہ امر کا صیغہ ہے جو واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال، ناخن وغیرہ نہ کاٹے“ تو یہاں قربانی کو ارادہ کرنے پر معلق کیا ہے اور یہ وجوب کے الفاظ نہیں۔

فائدہ: دلائل کی پوری تفصیل ان شاءاللہ بڑی کتابوں میں آجائے گی۔ (کتاب الاختیار لتعلیل المختار، ہدایہ)

عَلٰی مَنْ تَجِبُ الْأُضْحِيَةُ؟ لَاتَجِبُ الْأُضْحِيَةُ إِلَّا عَلَى الَّذِيْ تُوْجَدُ فِيْهِ الشُّرُوْطُ الْآتِيَةُ: ١۔أَنْ يَّكُوْنَ مُسْلِمًا. فَلَاتَجِبُ عَلَى الْكَافِرِ۔ ٢۔أَنْ يَّكُوْنَ حُرًّا. فَلَاتَجِبُ عَلَى الرَّقِيْقِ۔ ٣۔أَنْ يَّكُوْنَ مُقِيْمًا. فَلَاتَجِبُ عَلَى الْمُسَافِرِ۔ ٤۔أَنْ يَّكُوْنَ مُوْسِرًا. فَلَاتَجِبُ عَلَى الْفَقِيْرِ۔ وَلَايُشْتَرَطُ فِيْ وُجُوْبِ الْأُضْحِيَةِ أَنْ يَّحُوْلَ عَلَى النِّصَابِ حَوْلٌ كَامِلٌ۔ بَلْ تَجِبُ الْأُضْحِيَةُ إِذَا كَانَ الْمُسْلِمُ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ يَوْمَ الْأَضْحٰى فَاضِلًا عَنْ حَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ۔

ترجمہ: کس پر قربانی واجب ہوتی ہے؟ قربانی واجب نہیں ہوتی مگر اس شخص پر جس میں مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں۔ (۱) یہ کہ وہ مسلمان ہو، لہٰذا کافر پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔ (۲) یہ کہ وہ آزاد ہو، لہٰذا غلام پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔ (۳) یہ کہ وہ مقیم ہو، لہٰذا مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (۴) یہ کہ وہ مالدار ہو، لہٰذا محتاج پر قربانی واجب نہیں ہے۔ اور قربانی کے واجب ہونے میں اس بات کی شرط نہیں لگائی جاتی کہ نصاب پر پورا سال گذرے، بلکہ قربانی واجب ہو جاتی ہے جب مسلمان نصاب کی مقدار کا مالک ہو قربانی کے دن میں درآں حالیکہ وہ نصاب اس کی بنیادی ضرورت سے زائد ہو۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ اضحیہ (قربانی) کی لغوی، اصطلاحی تعریف اور حکم بیان کرنے کے بعد مندرجہ بالا عبارت میں قربانی کے واجب ہونے اور دیگر ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہونے کی شرطیں بیان فرماتے ہیں، یہ شرطیں جس میں موجود ہوں خواہ مرد ہو یا عورت تو اس پر قربانی واجب ہے، پھر قربانی کی شرطیں دو قسم کی ہیں: (۱) واجب ہونے کی شرطیں۔ (۲) درست ہونے کی شرطیں۔ مندرجہ بالا عبارت میں پہلی قسم کی شرطیں بیان کی گئی ہیں جو چار ہیں:

(۱) پہلی شرط، مسلمان ہونا ہے اس لئے کہ قربانی عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔

(۲) دوسری شرط، آزاد ہونا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی کے لئے مِلکیت چاہیئے اور غلام میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ وہ مملوک ہے یعنی مالک ہونا صرف آزاد کے لئے مخصوص ہے۔

(۳) تیسری شرط، قربانی کے دنوں میں مقیم ہونا ہے خواہ شہر میں مقیم ہو یا گاؤں اور دیہات میں مقیم ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی ایسے اسباب کیساتھ خاص ہے جن کا حاصل کرنا بعض اوقات مسافر کے لئے باعثِ مشقت ہے نیز قربانی کا وقت بھی متعیّن ہے جس کے گذر جانے سے قربانی فوت ہو جاتی ہے تو جمعہ کی نماز کی طرح قربانی بھی مسافر پر واجب نہیں رہی۔ بخلاف صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کے کہ وہ چونکہ کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہیں جسکی وجہ سے وہ فوت بھی نہیں ہوتے اس لئے وہ مسافر پر بھی واجب ہیں اگر وہ غنی ہو۔

فائدہ: اس وجہ سے کہ مقیم ہونا شرط ہے بقرعید کی قربانی حاجیوں پر واجب نہیں ہے اگرچہ وہ مالدار ہوں، ہاں اگر وہ پندرہ دن پہلے سے مکہ میں مقیم ہوں تو پھر قربانی واجب ہو جائے گی بشرطیکہ وہ مالدار ہوں۔

(۴) چوتھی شرط، مالدار ہونا ہے اس لئے کہ ماقبل ذکر کردہ حدیث ''مَنْ وَجَدَ سَعَةً'' سے مالداری کی شرط مفہوم ہو رہی ہے۔ اصح قول کے مطابق فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے مزید دو شرطیں ذکر کی ہیں: (۱) عاقل ہونا لہٰذا مجنون (پاگل) پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (۲) بالغ ہونا لہٰذا نابالغ بچے پر بھی قربانی واجب نہیں ہے۔ اگرچہ مجنون اور نابالغ مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔

وَلَا يُشْتَرَطُ الخ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قربانی کے واجب ہونے کے لئے نصابِ قربانی پر زکوٰۃ کی طرح سال کا گذرنا شرط نہیں ہے نیز ''نامی'' یعنی تجارتی ہونا بھی شرط نہیں ہے بلکہ جو مسلمان عین ایامِ قربانی ۱۰/۱۱/۱۲ ذی الحجہ یا تیسرے دن (۱۲/ذی الحجہ) کے آخری وقت (غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے) ایسے نصاب کا مالک ہو گیا جو اُس کی بنیادی ضرورت سے فارغ ہو تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔

(کتاب الاختیار لتعلیل المختار، بہشتی زیور، ہدایہ، کتاب المسائل بحوالہ شامی، تاتارخانیہ)

حَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ: سے مراد وہ ضرورت ہے جو جان یا آبرو سے متعلق ہو یعنی اُس کے پورا نہ ہونے سے جان یا عزت جانے کا اندیشہ ہو مثلاً کھانا پینا، کپڑے، رہائش کا مکان، ضرورت کی سواری، صنعت و حرفت والوں کے لئے اُن کے پیشہ کے اوزار اور مشینریاں۔ ان کے علاوہ جو شخص ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر رقم کا مالک ہو، یا رہائش کے مکان کے علاوہ زائد مکانات یا جائیدادیں وغیرہ ہوں یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان (ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر وغیرہ) ہو جسکی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں قربانی میں اتنی مالداری شرط ہے جتنی صدقۂ فطر میں اور وہ یہ ہے کہ مقدارِ نصاب مال ہونا تو شرط ہے مگر اس کا نامی (تجارتی) ہونا اور اس پر سال کا گذرنا شرط نہیں ہے، البتہ یہ دونوں باتیں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لئے شرط ہیں، لہٰذا اگر کسی کے پاس دو مکان ہیں ایک میں وہ خود رہتا ہے اور دوسرا اس کی ضرورت سے زائد ہے اور اسکی قیمت بقدرِ نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ نامی نہیں ہے لیکن قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ (کتاب الاختیار، ہدایہ، بہشتی زیور)

وَقْتُ الْأُضْحِيَةِ۔ يَبْتَدِئُ وَقْتُ الْأُضْحِيَةِ مِنْ طُلُوْعِ فَجْرِ الْيَوْمِ الْعَاشِرِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ۔ وَيَسْتَمِرُّ وَقْتُهَا إِلٰى قُبَيْلِ غُرُوْبِ الْيَوْمِ الثَّانِيْ عَشَرَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ إِلَّا أَنَّهٗ لَايَجُوْزُ لِأَهْلِ الْأَمْصَارِ وَالْقُرَى الْكَبِيْرَةِ أَنْ يَّذْبَحُوْا الْأَضَاحِيَ قَبْلَ صَلَاةِ الْعِيْدِ۔ وَيَجُوْزُ لِأَهْلِ الْقُرَى الصَّغِيْرَةِ الَّتِيْ لَاتَجِبُ فِيْهَا صَلَاةُ الْعِيْدِ أَنْ يَّذْبَحُوْهَا بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔ اَلْأَفْضَلُ ذَبْحُ الْأُضْحِيَةِ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ مِنْ أَيَّامِ الْأَضْحٰى. ثُمَّ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ. ثُمَّ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ۔

حلِ لغات: يَسْتَمِرُّ: صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف مضاعف ثلاثی از باب استفعال بمعنی باقی رہتا ہے۔ قُبَيْلٌ: تصغیر ہے قَبْلٌ کی بمعنی تھوڑی دیر پہلے۔ اَلْأَضَاحِيْ: جمع ہے اَلْأُضْحِيَّةُ کی بمعنی قربانی کے جانور۔

ترجمہ: قربانی کرنے کا وقت۔ قربانی کرنے کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوعِ فجر سے شروع ہو جاتا ہے اور اُس کا وقت بارہویں ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے تک باقی رہتا ہے۔ مگر یہ کہ شہر والوں، قصبہ والوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عید کی نماز سے پہلے قربانیوں کو ذبح کریں۔ اور ایسے چھوٹے گاؤں والوں کے لئے جہاں عید کی نماز واجب نہیں ہوتی جائز ہے کہ وہ صبح صادق کے بعد قربانیوں کو ذبح کریں۔ بہتر قربانی کے دنوں میں سے پہلے دن میں قربانی کو ذبح کرنا ہے، پھر دوسرے دن میں، پھر تیسرے دن میں۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ قربانی کے واجب ہونے کی شرطوں کو بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب مندرجہ بالا عبارت میں قربانی کا وقت بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ قربانی کا وقت ماہِ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے تک رہتا ہے۔ یعنی قربانی کے کُل تین دن ہیں ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ اس سے پہلے یا بعد میں قربانی معتبر نہیں ہے۔ یہ تو قربانی کا اصل وقت ہے۔

اِلَّا اَنَّهٗ لَایَجُوْزُ الخ: البتہ جس بڑی آبادی میں عید اور اسی طرح جمعہ کی نماز ہوتی ہے جیسے شہر، قصبہ جات۔ اور بڑے بڑے گاؤں تو وہاں قربانی درست ہونے کے لئے شرط ہے کہ قربانی نمازِ عید کے بعد ہو لہٰذا اگر کسی نے شہر میں نمازِ عید سے پہلے قربانی کرلی تو اس کا اعتبار نہیں نماز کے بعد دوبارہ قربانی کرنا لازم ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: کہ جس نے ذبح کیا نمازِ عید سے پہلے تو وہ اپنے ذبیحہ کا اعادہ کرے اور جس نے ذبح کیا نمازِ عید کے بعد پس اُس کی قربانی تام ہوگئی اور وہ مسلمانوں کی سنت کو پہنچ گیا، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارا پہلا عمل آج کے دن نماز ہے پھر قربانی۔ ان دو حدیثوں سے معلوم ہوگیا کہ قربانی نمازِ عید کے بعد ہوگی جیسے وتر کا وقت عشاء کا وقت ہے لیکن وتر کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھنا واجب ہے۔

وَیَجُوْزُ لِاَهْلِ الْقُریٰ الخ: قربانی کو نماز سے مؤخر کرنا صرف شہری پر واجب ہے اس لئے کہ قربانی میں مشغول ہونے کی وجہ سے کہیں نماز سے غفلت نہ ہو جائے۔ چھوٹے دیہات اور گاؤں جہاں عید اور جمعہ کی نماز نہیں ہوتی وہاں والوں پر تاخیر واجب نہیں ہے بلکہ صبح صادق کے فوراً بعد سے قربانی درست ہے اس لئے کہ جب وہاں عید کی نماز ہی نہیں تو قربانی میں مشغولیت نماز سے رکاوٹ بھی نہیں۔

فائدہ: اگر عید کی نماز کے بعد خطبہ سے پہلے قربانی کرلی تو قربانی درست ہے مگر بہتر نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ خطبہ کے بعد ہی قربانی کی جائے۔ (کتاب المسائل علی المذاہب الاربعہ، الجوہرۃ النیرۃ، ہدایہ، کتاب المسائل بحوالہ در مختار مع رد المحتار)

وَالْاَفْضَلُ الخ: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قربانی کا جائز وقت بیان فرمایا اب یہاں سے قربانی کا افضل وقت بیان فرماتے ہیں، کہ قربانی کے دن یعنی ۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ میں سے پہلے دن یعنی دس ذی الحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے اس لئے کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ قربانی کے تین دن ہیں، اُن میں سے بہتر پہلا دن ہے۔ نیز پہلے دن قربانی کرنے میں گویا نیکی اور تقرّب الی اللہ کی طرف جلدی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد دوسرے دن یعنی گیارہ ذی الحجہ کو اس کے بعد تیسرے دن یعنی بارہ ذی الحجہ کو۔ (کتاب الاختیار لتعلیل المختار، بہشتی زیور)

وَیُسْتَحَبُّ اَنْ یَّذْبَحَ اُضْحِیَتَهٗ بِنَفْسِهٖ اِنْ كَانَ یُحْسِنُ الذَّبْحَ۔ اَمَّا اِذَا كَانَ لَایُحْسِنُ الذَّبْحَ فَالْاَفْضَلُ اَنْ یَّسْتَعِیْنَ بِغَیْرِهٖ. وَیَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یَّشْهَدَهَا وَقْتَ الذَّبْحِ۔ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ یَّذْبَحَ الْاُضْحِیَةَ نَهَارًا۔ وَلٰكِنْ اِذَا ذَبَحَهَا بِلَیْلٍ جَازَ مَعَ الْكَرَاهَةِ۔ اِذَا عُطِّلَتْ صَلَاةُ الْعِیْدِ لِسَبَبٍ مِنَ الْاَسْبَابِ جَازَ ذَبْحُهَا بَعْدَ الزَّوَالِ۔ اِذَا تَعَدَّدَتِ الْجَمَاعَاتُ فِیْ مِصْرٍ لِصَلَاةِ الْعِیْدِ جَازَ ذَبْحُ الْاُضْحِیَةِ بَعْدَ اَوَّلِ صَلَاةٍ صُلِّیَتْ فِیْ ذٰلِكَ الْمِصْرِ۔

حل لغات: یُحْسِنُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف صحیح از باب افعال بمعنی اچھی طرح کرنا۔ عُطِّلَتْ؛ صیغہ واحد مؤنث غائب اثبات فعل ماضی مجہول صحیح از باب تفعیل بمعنی چھوڑ دی گئی۔

ترجمہ: اور مستحب ہے یہ کہ اپنی قربانی خود ذبح کرے اگر وہ اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو۔ بہر حال جب وہ اچھی طرح ذبح نہ کر سکتا ہو تو بہتر ہے کہ اپنے علاوہ سے مدد حاصل کرے، اور مناسب ہے اُس کے لئے کہ ذبح کے وقت قربانی کے پاس حاضر ہو۔ اور مستحب ہے یہ کہ قربانی کے جانور کو دن میں ذبح کرے، لیکن جب رات میں قربانی کرے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ جب عید کی نماز اعذار میں سے کسی عذر کی

وجہ سے چھوڑ دی جائے تو قربانی کو زوالِ آفتاب کے بعد ذبح کرنا جائز ہے۔ جب کسی شہر میں عید کی نماز کی کئی جماعتیں ہوں تو پہلی نماز کے بعد جو اس شہر میں پڑھی گئی ہے قربانی کو ذبح کرنا جائز ہے۔

تشریح: قربانی کا جائز اور مستحب وقت بیان کرنے کے بعد اب مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ قربانی کا مستحب طریقہ بیان فرماتے ہیں: (۱) **وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَذْبَحَ الخ:** افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی خود اپنے ہاتھ سے کرے بشرطیکہ ذبح کرنا اچھی طرح جانتا ہو کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت والا عمل خود کرنا افضل ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا لیکن اگر خود قربانی کا طریقہ جاننے کے باوجود کسی اور کو حکم دیا تو بھی جائز ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو اونٹ اپنے ساتھ حج کے موقع پر لے گئے تھے، اُن میں سے ساٹھ سے کچھ اوپر اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمائے اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذبح کروائے۔

(۲) **أَمَّا إِذَا كَانَ الخ:** اگر خود قربانی کو ذبح نہیں کر سکتا تو کسی اور سے کرائے لیکن کم از کم خود وہاں جانور کے سامنے موجود رہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے فاطمہ بنت محمد! کھڑی ہو جا اور اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو جا کیونکہ خون کے پہلے قطرہ سے جو اس کے خون میں سے گرے گا تیرے وہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائینگے جو تو نے کئے ہیں۔ (حاکم)

(۳) ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ تک قربانی کا وقت ہے جب جی چاہے قربانی کرے۔ دن کو کرے یا رات کو لیکن دن کو قربانی کرنا زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ رات کی تاریکی میں غلطی کا احتمال رہتا ہے کہ کہیں کوئی رگ جس کا کاٹنا ضروری ہے وہ کاٹنے سے رہ نہ جائے۔

وَلٰكِنْ الخ: اس کے باوجود اگر کسی نے رات کو قربانی کا جانور ذبح کر دیا تو قربانی درست ہے اگرچہ ایسا کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر روشنی کا معقول اور اچھا انتظام ہو تو رات میں بھی قربانی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

إِذَا عُطِّلَتْ الخ: یہاں سے یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں کوئی ایسا عذر پیش آئے مثلاً آپس میں سخت انتشار ہے یا کرفیو ہے جس کی وجہ سے دسویں تاریخ کو عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھنا ممکن نہ ہو یا بغیر کسی عذر کے امام نے نماز مؤخر کر دی تو اب قربانی کا وقت کیا ہو گا؟ تو بہتر یہ ہے کہ ۱۰/ ذی الحجہ کو زوالِ آفتاب تک انتظار کیا جائے اُس کے بعد قربانی کی جائے۔

إِذَا تَعَدَّدَتْ الخ: مذکورہ عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قربانی کی درستگی کے لئے شہر میں کسی بھی جگہ نمازِ عید کا ہو جانا کافی ہے۔ چنانچہ اگر شہر میں کئی مقامات پر نمازِ عید ادا کی جاتی ہو تو پہلے جس جگہ عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھ لی گئی تو پورے شہر والوں کے لئے قربانی کرنا درست ہے۔ چاہے وہ پہلی نماز عید گاہ میں پڑھی گئی ہو یا مسجد میں، یعنی خود قربانی کرنے والے کا عید کی نماز سے فارغ ہونا ضروری نہیں ہے۔

فائدہ: چند آداب واحکام: ذیل میں جانور کو ذبح کرنے کے مزید چند آداب واحکام ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ فائدہ تام ہو۔

آداب: (۱) مستحب طریقہ ہے کہ قربانی کے جانور کو چند دن پہلے سے اپنے یہاں لا کر باندھا جائے، جائے ذبح کی طرف نرمی سے لے جایا جائے، پکڑ کر کھینچا نہ جائے، (۲) جانور کو لٹانے سے پہلے چھری تیز کرنا مستحب ہے تاکہ ذبح کے وقت جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ (۳) جانور کو قبلہ رُخ لٹائیں، یعنی اس کے پیر قبلہ کی طرف کر دیں اور دایاں پاؤں اس کے شانے پر رکھ کر تیز چُھری سے جلد ذبح کریں۔ (۴) ذبح کرتے

ت قربانی کی نیت کریں (دل سے نیت کافی ہے، زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنے ضروری نہیں البتہ مستحب ہے) (۵) جانور کو قبلہ رُخ کر
ناکر یہ دُعا پڑھیں: "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۝ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۝ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ"۔

(۶) پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کریں اور ذبح کے بعد یہ دعا پڑھیں "اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ"

احکام: (۱) اگر ذبح کرتے وقت اردو میں اللہ کا نام لیا مثلاً کہا "خدا کے نام سے ذبح کرتا ہوں" تو بھی ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔ (۲) جو شخص جانور کو ذبح کرانے میں چُھری چلانے والے کا مُعاوِن ہو مثلاً چُھری پر ہاتھ لگا رہا ہو تو اُس پر بھی بسم اللہ پڑھنا واجب ہو گا۔ (۳) جانور کا ذبح کب متحقق ہو گا؟ جانور کے گلے میں چار رگیں ہوتی ہیں: ۱۔ حُلْقُوْمْ: جس سے سانس لیا جاتا ہے۔ ۲۔ مَرِیْ: جس سے کھانا پانی اندر جاتا ہے۔ ۳-۴۔ وَدَجَان: خون والی دو رگیں جن سے خون آتا جاتا ہے، ذبح میں اِن چاروں کو کاٹا جاتا ہے تاہم اگر ان میں سے کوئی تین رگیں کٹ جائیں تو بھی جانور حلال ہو جاتا ہے اور شرعی طور پر ذبح ثابت ہو جاتا ہے۔ (۴) جانور کے گلے میں حلق سے لے کر سینہ کے بالائی حصہ تک کسی بھی حصہ میں چُھری چلائی جاسکتی ہے، بیچ یا کنارے کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ (۵) اونٹ کو ذبح کرنے کا طریقہ۔ اونٹ کو حلال کرنے کا بہتر طریقہ "نَحْر" ہے یعنی اُس کا اگلا بایاں پاؤں باندھ کر کھڑے کھڑے اُس کی گردن کے پچھلے حصہ میں جو سینہ کے قریب ہے نیزہ مارا جائے جس سے سب رگیں کٹ جائیں اور بہنے والا خون نکل جائے تاہم اگر اونٹ کو لٹا کر گائے، بھینس کی طرح ذبح کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے مگر یہ بہتر نہیں ہے۔

فائدہ: بعض لوگ اونٹ کی گردن میں تین جگہ چُھری چلانے کو ضروری سمجھتے ہیں یہ التزام قطعاً بے اصل ہے، اگر ایک جگہ ذبح کرنے سے چاروں رگیں کٹ جائیں تو گردن میں دوسری جگہ چُھری چلانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (۶) قربانی کے بعد جانور کی رسی، گلے کا پٹہ وغیرہ صدقہ کر دیا جائے، نیز اس کے بال نہ تراشے جائیں، نہ ہی دودھ نکالا جائے تکلیف کا اندیشہ ہو تو پانی کی چھینٹیں ماری جائیں، اگر دودھ نکالا گیا تو اُس کو صدقہ کر دیا جائے، نہ اُس پر سواری کی جائے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب، قاموس بحوالہ عالمگیریہ، کتاب المسائل بحوالہ در مختار مع الشامیہ، بہشتی زیور)

مَا یَجُوْزُ ذَبْحُهٗ فِی الْاُضْحِیَةِ وَمَا لَا یَجُوْزُ۔ لَا تَصِحُّ الْاُضْحِیَةُ اِلَّا بِالنَّعَمِ مِنَ الْاِبِلِ، وَالْبَقَرِ، وَالْجَامُوْسِ، وَالْغَنَمِ۔ وَلَا یَجُوْزُ ذَبْحُ الْحَیَوَانِ الْوَحْشِیِّ فِی الْاُضْحِیَةِ۔ اَلشَّاةُ مِنَ الْغَنَمِ تُجْزِئُ عَنْ وَاحِدٍ۔ وَالنَّاقَةُ، وَالْبَقَرَةُ، وَالْجَامُوْسُ تُجْزِئُ عَنْ سَبْعَةِ اَشْخَاصٍ بِشَرْطِ اَنْ یَّکُوْنَ نَصِیْبُ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ سُبْعَهَا۔ فَاِنْ نَقَصَ نَصِیْبُ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَنِ السُّبْعِ فَلَمْ تَصِحَّ عَنِ الْجَمِیْعِ۔ وَاِنَّمَا یَصِحُّ ذَبْحُ الْبَقَرَةِ، وَالنَّاقَةِ، وَالْجَامُوْسِ فِی الْاُضْحِیَةِ عَنْ سَبْعَةِ اَشْخَاصٍ اِذَا کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ یُرِیْدُ الْقُرْبَةَ بِالذَّبْحِ۔ اَمَّا اِذَا کَانَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ یُرِیْدُ اللَّحْمَ فَلَا تَصِحُّ الْاُضْحِیَةُ عَنِ الْجَمِیْعِ۔

حل لغات: نَعَمٌ، بمعنی چوپایہ جمع اَنْعَامٌ۔ شَاۃٌ، بمعنی بکری جمع شِیَاہٌ۔ اَلْجَامُوْسُ، بمعنی بھینس جمع جَوَامِیْسُ۔

ترجمہ: قربانی میں کونسے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے اور کونسا جانور (ذبح کرنا) جائز نہیں ہے؟ قربانی درست نہیں ہے مگر چوپایہ جانوروں کی یعنی اونٹ، اور گائے، اور بھینس، اور بکری میں سے۔ اور جنگلی جانور کو قربانی میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ بکریوں میں سے ایک بکری ایک آدمی کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے۔ اور اونٹنی، اور گائے، اور بھینس سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہوسکتے ہیں اس شرط کے ساتھ کہ اُن میں سے ہر ایک کا حصہ اس جانور کا ساتواں ہو، پس اگر اُن میں سے کسی ایک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوا تو قربانی سب کی طرف سے درست نہیں ہوگی۔ اور سوائے اسکے نہیں کہ گائے، اور اونٹنی، اور بھینس قربانی میں سات آدمیوں کی طرف سے اسی وقت کافی ہوسکتے ہیں جبکہ اُن میں سے ہر ایک ذبح سے ثواب کا ارادہ کرے۔ بہر حال جب اُن میں سے کوئی ایک بھی گوشت کی نیت کرے تو سب کی طرف سے قربانی درست نہیں ہوگی۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ پہلی قسم کی یعنی قربانی کے واجب ہونے کی شرطوں کو اور قربانی کے وقت کو بیان کرنے سے فارغ ہوگئے تو اب مندرجہ بالا عبارت میں دوسری قسم یعنی قربانی کے جانور سے متعلق شرطوں کو بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) کن جانوروں کی قربانی درست ہے؟ اور کن جانوروں کی قربانی درست نہیں ہے؟ (۲) قربانی کا کونسا جانور کتنے آدمیوں کی طرف سے کافی ہوسکتا ہے؟

لَاتَصِحُّ الخ: سے پہلی بات بیان فرماتے ہیں کہ قربانی صرف چار طرح کے جانوروں کی درست ہے (۱) اِبِلٌ؛ جس کے ضمن میں اونٹ، اونٹنی دونوں داخل ہیں۔ (۲) بَقَرٌ؛ جس کے ضمن میں گائے، بیل دونوں داخل ہیں۔ (۳) جَامُوْس؛ جس کے ضمن میں بھینس، بھینسا دونوں داخل ہیں۔ (۴) غَنَمٌ؛ جس کے ضمن میں چار جانور داخل ہیں: بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ تو گویا کل دس جانور ہیں جن کی قربانی درست ہے۔ اور یہ دس جانور تین قسموں میں منقسم ہیں: (۱) ایک اونٹ ہے جو اونٹنی کو بھی شامل ہے۔ (۲) دوسری قسم گائے ہے جو بیل، بھینس، بھینسے کو بھی شامل ہے۔ (۳) بکری جو بکرے، بھیڑ، دنبے کو بھی شامل ہے۔

وَلَایَجُوْزُ الخ: ان مندرجہ بالا دس جانوروں کے علاوہ کسی جانور کی قربانی درست نہیں ہے اس لئے کہ شرعاً ان ہی کی قربانی معلوم ہے انکے علاوہ کی قربانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اور ان کے لئے بھی شرط ہے کہ پیدائشی طور پر وحشی نہ ہوں لہٰذا کسی بھی جنگلی جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

فائدہ: گھوڑے، مرغ، ہرن، نیل گائے وغیرہ کی قربانی درست نہیں ہے۔

اَلشَّاۃُ الخ: سے دوسری بات بیان فرماتے ہیں کہ قربانی میں کونسا جانور کتنے آدمیوں کی طرف سے کافی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ بکری صرف ایک آدمی کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے یعنی بکری میں شرکت جائز نہیں ہے اگرچہ وہ کتنی ہی موٹی تازی اور بڑی کیوں نہ ہو۔

فائدہ: بکری ہی کے حکم میں بکرا، بھیڑ، دنبہ بھی داخل ہے۔

وَالنَّاقَةُ الخ: یعنی بڑے جانور اونٹ، گائے، بھینس میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ۔(۱) ایک کسی شریک کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو،(۲) سب کی نیت قربانی کرنے کی ہو یعنی عبادت اور ثواب کی نیت ہو، گوشت کھانے کی نیت نہ ہو لہٰذا اگر کسی کا حصہ ساتویں سے کم ہو گا تو کسی کی قربانی درست نہ ہو گی نہ اس کی جس کا حصہ کم ہے اور نہ اُس کی جس کا حصہ پورا ہے۔

فائدہ: اگر بڑے جانور میں سات آدمیوں سے کم شریک ہوں مثلاً ۲/۳/۴/۵/۶ اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں تو یہ جائز ہے۔ مثلاً اگر چھ آدمی شریک ہوئے اور گوشت کو پورے چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا تو ہر ایک کا چھٹا حصہ ہوا جو ساتویں سے کم نہیں اگر چہ زیادہ ہے۔

فائدہ: اگر بڑے جانور میں سات آدمیوں سے زیادہ شریک ہو گئے مثلاً آٹھ تو کسی کی قربانی درست نہ ہو گی۔

فائدہ: اگر بڑے جانور مثلاً اونٹ، گائے، بھینس میں سات آدمی شریک ہوئے اور سب اجنبی ہیں اور سب اپنا حصہ مکمل وصول کرنا چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں قربانی کا گوشت اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں، بلکہ خوب ٹھیک تول کر وزن برابر کر کے تقسیم کرے کیونکہ اگر کسی کے حصہ میں گوشت زیادہ چلا گیا تو یہ سود کے حکم میں ہو گا جو عظیم گناہ ہے، البتہ اگر گوشت کے ساتھ سر پائے اور کھال کے ٹکڑے بھی شامل کر لیئے تو اب اندازے سے تقسیم کرنا جائز ہے بشرطیکہ سری پائے ہر حصہ میں ہوں۔

فائدہ: اگر بڑے جانور کی قربانی میں ایک گھر کے رہنے والے بھائی یا رشتہ دار شریک ہوں اور گوشت کو اکٹھا رکھ کر استعمال کرنا چاہتے ہوں تو پھر گوشت کو تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فائدہ: اگر بڑے جانور میں حصے دار متعین ہو چکے ہیں تو ذبح کے وقت ہر ایک کا نام لینا ضروری نہیں، بلکہ مطلق ذبح سے سب کی قربانی درست ہو جائے گی۔

فائدہ: کونسے جانور کی قربانی افضل اور بہتر ہے؟ اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جب قیمت اور مقدارِ گوشت میں برابر ہوں تو جس کا گوشت عمدہ ہے وہ افضل ہے اور جب گوشت اور قیمت میں مختلف ہوں تو جو گوشت اور قیمت میں بڑھا ہوا ہے وہ افضل ہے۔ اسی طرح جب گوشت اور قیمت میں برابر ہوں تو نر کے بجائے مادّہ بہتر ہے کیونکہ مادّہ کا گوشت بہتر ہوتا ہے البتہ بھیڑ میں احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نَر (مینڈھا) افضل ہے۔ چنانچہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک فضیلت کے اعتبار سے قربانی کے جانوروں کی ترتیب اس طرح ہے: اونٹنی، اونٹ، گائے، بیل، بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ مگر یہ مذکور ترتیب اس وقت ہے کہ جب چھوٹا جانور (بکری، بھیڑ وغیرہ) بڑے جانور (گائے، اونٹ) میں سے پورے جانور کے مقابلہ میں ہو لیکن اگر چھوٹا جانور بکری وغیرہ پورے بڑے جانور گائے اونٹ وغیرہ کے مقابلہ میں نہ ہو بلکہ اس کے صرف ساتویں حصہ کے مقابلہ میں ہو تو ذکر کردہ اصول کے مطابق جب بکری اور ساتواں حصہ دونوں برابر ہوں تو پھر جس کا گوشت عمدہ ہے وہ افضل ہے، مثلاً بکری گوشت اور قیمت میں بڑے جانور کے ساتویں حصہ کے برابر ہے تو بکری کی قربانی افضل ہے اس لئے کہ بکری کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور اگر بڑے جانور کا ساتواں حصہ مقدارِ گوشت میں بکری وغیرہ سے زیادہ ہے تو ساتواں حصہ افضل ہے، اسی طرح اگر گائے اور بیل قیمت اور گوشت میں برابر ہیں تو بیل کی بنسبت گائے افضل ہے اسلئے کہ گائے کا گوشت عمدہ ہوتا ہے۔ (در مختار مع رد المحتار، ہندیہ، تاتار خانیہ، سراجیہ)

وَلَايَجُوْزُ فِي الْأُضْحِيَةِ مِنَ الْغَنَمِ إِلَّا مَاأَكْمَلَ سَنَةً كَامِلَةً وَدَخَلَ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ۔ وَيَجُوْزُ فِي الْأُضْحِيَةِ ذَبْحُ الْجَذَعِ مِنَ الضَّأْنِ إِذَا أَتَىٰ عَلَيْهِ أَكْثَرُ الْحَوْلِ وَكَانَ مِنَ السِّمَنِ بِحَيْثُ يُرىٰ أَنَّهُ ابْنُ سَنَةٍ۔ وَلَايَجُوْزُ فِي الْأُضْحِيَةِ مِنَ الْبَقَرِ، وَالْجَامُوْسِ إِلَّا مَا أَكْمَلَ سَنَتَيْنِ، وَدَخَلَ فِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ۔ وَلَايَجُوْزُ فِي الْأُضْحِيَةِ مِنَ الْإِبِلِ إِلَّا مَا أَكْمَلَ خَمْسَ سَنَوَاتٍ، وَدَخَلَ فِي السَّنَةِ السَّادِسَةِ۔

حلِّ لغات: جَذَعٌ؛ بمعنی چھوٹا بچہ۔ سِمَنٌ؛ مصدر ہے باب سمع سے بمعنی موٹا ہونا۔

ترجمہ: اور قربانی میں بکری (کی قسم) سے وہی جانور جائز ہے جو ایک سال مکمل کر چکا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ اور قربانی میں بھیڑ کے بچہ کو ذبح کرنا جائز ہے جبکہ اس پر سال کا زیادہ حصہ گذر چکا ہو اور موٹا ہونے کی وجہ سے اس طور پر ہو کہ ایک سال کا دکھائی دیتا ہو۔ اور قربانی میں گائے، اور بھینس میں سے وہی جانور جائز ہے جس نے دو سال مکمل کر لئے ہوں اور تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ اور قربانی میں اونٹ میں سے وہی اونٹ جائز ہے جس کے پانچ سال مکمل ہو گئے ہوں اور چھٹا سال شروع ہو گیا ہو۔

تشریح: قربانی کے جانوروں کو ذکر کرنے کے بعد مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ اُن جانوروں کی عمریں بیان فرماتے ہیں جو ترجمہ ہی سے واضح ہیں، البتہ کچھ وضاحت "ہَدْی" کے بیان میں گذر چکی ہے۔

وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَّكُوْنَ الْحَيَوَانُ الَّذِيْ يُذْبَحُ فِي الْأُضْحِيَةِ سَمِيْنًا، وَسَلِيْمًا مِنْ جُمْلَةِ الْعُيُوْبِ۔ وَلٰكِنْ إِذَا ذَبَحَ الْجَمَّاءَ، وَهِيَ الَّتِيْ لَاقَرْنَ لَهَا بِالْخِلْقَةِ جَازَ۔ وَكَذَا إِذَا ذَبَحَ الْعَظْمَاءَ، وَهِيَ الَّتِيْ ذَهَبَ بَعْضُ قَرْنِهَا جَازَ۔ أَمَّا إِذَا وَصَلَ الْكَسْرُ إِلَى الْمُخِّ فَلَمْ يَصِحَّ۔ وَكَذَا إِذَا ذَبَحَ الْخَصِيَّ جَازَ، بَلْ هُوَ أَوْلٰى، لِأَنَّ لَحْمَهُ أَطْيَبُ وَأَلَذُّ۔ وَكَذَا إِذَا ذَبَحَ الْجَرْبَاءَ جَازَ إِنْ كَانَتْ سَمِيْنَةً۔ أَمَّا إِذَا كَانَتِ الْجَرْبَاءُ مَهْزُوْلَةً فَلَاتَجُوْزُ۔ وَكَذَا لَوْذَبَحَ حَيَوَانًا بِهٖ جُنُوْنٌ جَازَ إِذَا كَانَ الْجُنُوْنُ لَايَمْنَعُهُ مِنَ الرَّعْيِ۔ وَأَمَّا إِذَا كَانَ الْجُنُوْنُ يَمْنَعُهُ مِنَ الرَّعْيِ فَلَاتَجُوْزُ۔ وَلَايَجُوْزُ ذَبْحُ الْعَمْيَاءِ فِي الْأُضْحِيَةِ، وَهِيَ الَّتِيْ ذَهَبَتْ عَيْنَاهَا۔ وَكَذَا لَايَجُوْزُ ذَبْحُ الْعَوْرَاءِ فِي الْأُضْحِيَةِ وَهِيَ الَّتِيْ ذَهَبَتْ إِحْدٰى عَيْنَيْهَا۔

حلِّ لغات: اَلْجَمَّاء؛ صیغہ واحد مؤنث بحث صفت مشبہ بمعنی بے سینگ والا جانور۔ اَلْعَظْمَاء؛ صیغہ واحد مؤنث بحث صفت مشبہ از باب نصر بمعنی وہ جانور جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹ چکا ہو۔ اَلْمُخّ؛ بمعنی دماغ، ہڈی کا گودا۔ اَلْخَصِيُّ؛ صیغہ واحد مذکر بحث صفت مشبہ ناقص یائی از باب ضرب بمعنی وہ جانور جس کے خصیتین (فوطے) نکال لئے گئے ہوں۔ اَلْجَرْبَاء؛ صیغہ واحد مؤنث بحث صفت مشبہ صحیح از باب سمع بمعنی خارش والا جانور۔ مَهْزُوْلَة؛ صیغہ واحد مؤنث بحث اسم مفعول صحیح از باب سمع بمعنی کمزور، دُبلا۔ اَلْعَمْيَاء؛ صیغہ واحد مؤنث بحث صفت مشبہ ناقص یائی از باب سمع بمعنی اندھا جانور۔ اَلْعَوْرَاء؛ صیغہ واحد مؤنث بحث صفت مشبہ اجوف واوی از باب سمع بمعنی کانا۔

ترجمہ: اور بہتر یہ ہے کہ وہ جانور جو قربانی میں ذبح کیا جائے وہ موٹا ہو اور تمام عیبوں سے محفوظ ہو۔ لیکن جب جماء کو ذبح کرے اور یہ وہ جانور ہے جسکے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں تو جائز ہے۔ اور اسی طرح جب عظماء کو ذبح کرے اور یہ وہ جانور ہے جس کے سینگ کا کچھ حصہ

ٹوٹ گیا ہو تو جائز ہے۔ بہر حال جب ٹوٹن دماغ تک پہنچ گیا ہو تو درست نہیں ہے۔ اور اسی طرح جب خصی جانور کو ذبح کرے تو جائز ہے، بلکہ یہ زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ اس کا گوشت زیادہ اچھا اور مزیدار ہوتا ہے۔ اور اسی طرح جب خارشی جانور کو ذبح کرے تو جائز ہے اگر وہ موٹا ہو۔ بہر حال جب خارش زدہ جانور دُبلا پتلا ہو تو جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی ایسے جانور کو ذبح کیا جس کو دیوانگی ہو تو جائز ہے جب کہ دیوانگی اس کو چرنے سے نہ روکے، بہر حال جب دیوانگی اس کے لئے چرنے سے رکاوٹ ہو تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قربانی کے جانوروں کی قسمیں اور انکی عمریں بیان فرمائیں، اب یہاں سے جانوروں کے عیوب ذکر فرماتے ہیں، پھر عیب دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو قربانی سے رکاوٹ نہیں، اور دوسرے وہ جو قربانی سے رکاوٹ بنتے ہیں۔ چنانچہ عیوب کے سلسلہ میں تین اصولی باتیں پیشِ نظر رہیں: (۱) اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ معمولی عیب سے تو حیوانات خالی نہیں ہوتے تو اس لئے شرعاً جانور کا عیب سے خالی ہونا شرط نہیں ہے البتہ شدید قسم کے عیب سے حیوانات خالی ہو سکتے ہیں اس لئے ایسے عیب اور خامی سے خالی ہونا شرط ہے۔ بالفاظِ دیگر اگر عیب قلیل ہے تو معاف ہے اور اگر عیب کثیر ہے تو معاف نہیں۔ (۲) اگر عیب ایسا ہے کہ اس سے کوئی خاص قسم کی منفعت یا ظاہری حسن و جمال بالکل ختم ہو جائے تو اس جانور کی قربانی درست نہیں ہوگی اور اگر ایسا نہ ہو تو قربانی جائز ہے۔ (۳) جو جانور پہلے سے صحیح وسالم ہو لیکن قربانی کی تیاری کے وقت جانور کو لٹانے کی کوشش کرتے ہوئے اُچھل کود وغیرہ کی وجہ سے عیب دار ہو گیا کوئی بھی عیب ہو تو اسکی قربانی باوجود اس عیب کے بھی درست ہوگی۔

وَالْأَفْضَلُ الخ: سے یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ مستحب تو یہی ہے کہ قربانی کے لئے ایسا جانور تلاش کیا جائے جو موٹا تازہ خوبصورت اور فربہ ہو نیز تخلیق کے اعتبار سے مکمل اور تمام قسم کے عیبوں سے صحیح سالم ہو اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان کو اچھی طرح دیکھیں۔ نیز یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بدل ہے۔

وَلٰكِنْ إِذَا ذَبَحَ الْجَمَّاءَ الخ: لیکن پھر بھی اگر ایسا جانور ذبح کیا جسکے پیدائشی سینگ نہیں ہیں یا سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹ چکا ہے یعنی جڑ سے نہیں ٹوٹا یا سینگ کا صرف خول اور غلاف اتر گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے اس لئے کہ سینگ سے کوئی مقصد متعلق نہیں ہے۔

أَمَّا إِذَا وَصَلَ الخ: لیکن اگر سینگ مغز تک ٹوٹ گیا یعنی جڑ سے ٹوٹ گیا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

وَكَذَا إِذَا ذَبَحَ الْخَصِيَّ الخ: خصی جانور (خصی بکرے، مینڈھے، بیل) کی قربانی نہ صرف جائز بلکہ افضل اور مسنون ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصی سیاہ وسفید رنگ والے دُنبے قربانی میں ذبح فرمائے نیز اس کا گوشت غیر خصی سے اچھا ہوتا ہے۔

فائدہ: پھر خصی جانور کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ جس کے خصیتین کاٹ کر نکال دیئے جائیں۔ (۲) وہ جسکے خصیتین کُوٹ کر دبا دیئے جائیں عضو کا کم کر دینا یا کچل کر بے کار کر دینا یکساں ہے دونوں کی قربانی بلا کراہت جائز ہے۔

وَكَذَا الخ: اور اسی طرح یعنی خارشی جانور کی قربانی بھی جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ موٹا ہو کیونکہ خارش کے باوجود موٹا ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ خارش کھال میں ہے۔

أَمَّا إِذَا كَانَتِ الْجَرْبَاءُ الخ: لیکن اگر خارشی جانور اتنا کمزور ہے کہ خارش کھال سے گذر کر گوشت تک پہنچ گئی ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، اس لئے کہ اب اس کا گوشت خراب ہو چکا ہے۔
وَكَذَا لَوْ ذَبَحَ حَيَوَانًا بِهٖ جُنُوْنٌ الخ: پاگل یعنی باؤلے جانور کی جو اِدھر اُدھر بھاگا بھاگا پھرتا ہے قربانی درست ہے بشرطیکہ چارہ کھاتا ہو اس لئے کہ عقل جانوروں میں مقصود نہیں البتہ اگر جانور اتنا باؤلا اور پاگل ہو گیا ہے کہ چرنا اور چارہ کھانا مشکل ہو گیا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔
وَلَا يَجُوْزُ ذَبْحُ الْعَمْيَاءِ الخ: نہ اندھے جانور کی قربانی جائز ہے نہ کانے جانور کی۔ یعنی جس جانور کی آنکھ کی بینائی بالکل یا اکثر چلی گئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ اَلْعَمْيَاء بمعنی اندھا جس کی دونوں آنکھیں بے کار ہوں۔ اَلْعَوْرَاء بمعنی کانا جس کی ایک آنکھ کی بینائی ختم ہو چکی ہو۔ (ہدایہ، البحر الرائق، الجوہرۃ النیرہ، بہشتی زیور، قاموس)

وَكَذَا لَا يَجُوْزُ ذَبْحُ الْعَرْجَاءِ الَّتِيْ لَا تَسْتَطِيْعُ الْمَشْيَ إِلَى الْمَذْبَحِ۔ وَأَمَّا الْعَرْجَاءُ الَّتِيْ تَمْشِيْ بِثَلَاثِ قَوَائِمَ وَتَضَعُ الرَّابِعَةَ عَلَى الْأَرْضِ لِتَسْتَعِيْنَ بِهَا عَلَى الْمَشْيِ فَإِنَّهَا تَجُوْزُ۔ وَكَذَا لَا يَجُوْزُ ذَبْحُ حَيَوَانٍ مَهْزُوْلٍ بَلَغَ هُزَالُهٗ إِلٰى حَدٍّ لَا يَكُوْنُ فِيْ عَظْمِهٖ مُخٌّ۔ وَكَذَا لَا يَجُوْزُ ذَبْحُ حَيَوَانٍ مَقْطُوْعِ الْأُذُنِ، وَلَا مَقْطُوْعِ الذَّنَبِ۔ وَكَذَا لَا يَجُوْزُ ذَبْحُ حَيَوَانٍ ذَهَبَ أَكْثَرُ أُذُنِهٖ أَوْ ذَهَبَ أَكْثَرُ ذَنَبِهٖ۔ أَمَّا إِذَا بَقِيَ ثُلُثَا أُذُنِهٖ وَذَهَبَ ثُلُثُهَا فَإِنَّهٗ يَصِحُّ۔ وَكَذَا لَا يَجُوْزُ ذَبْحُ الْهَتْمَاءِ، وَهِيَ الَّتِيْ إِنْكَسَرَتْ أَسْنَانُهَا۔ أَمَّا إِذَا بَقِيَ أَكْثَرُ أَسْنَانِهَا فَإِنَّهَا تَصِحُّ۔ وَكَذَا لَا يَجُوْزُ ذَبْحُ السَّكَّاءِ، وَهِيَ الَّتِيْ لَا أُذُنَ لَهَا بِالْخِلْقَةِ۔ وَكَذَا لَا تَصِحُّ الْأُضْحِيَةُ بِمَقْطُوْعَةِ رُؤُوْسِ الضَّرْعِ۔

حلِ لغات: اَلْعَرْجَاءُ؛ صیغہ واحد مؤنث بحث صفت مشبہ صحیح از باب سمع بمعنی لنگڑا جانور۔ قَوَائِمُ؛ جمع ہے قَائِمَةٌ کی بمعنی جانور کی ٹانگ۔ اَلذَّنَبُ؛ بمعنی دُم جمع أَذْنَابٌ۔ اَلْهَتْمَاءُ؛ صیغہ واحد مؤنث بحث صفت مشبہ از باب سمع بمعنی سامنے کے جڑ سے ٹوٹے ہوئے دانتوں والا جانور۔ اَلسَّكَّاءُ؛ صیغہ واحد مؤنث بحث صفت مشبہ از باب سمع بمعنی وہ جانور جس کا پیدائشی کان نہ ہو۔

ترجمہ: اور اِسی طرح اُس لنگڑے جانور کی قربانی جائز نہیں جو کہ ذبح کی جگہ تک چلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بہر حال وہ لنگڑا جانور جو تین پاؤں سے چلتا ہو، اور چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہو تاکہ اس کے ذریعہ چلنے میں مدد حاصل کرے تو اس کی قربانی جائز ہے۔ اور اِسی طرح ایسے دُبلے، مریل جانور کی قربانی جائز نہیں جسکی کمزوری اس حد تک پہنچ گئی ہو کہ اسکی ہڈی میں گُودا نہ ہو۔ اور اِسی طرح ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں جس کا کان کٹا ہوا ہو، اور نہ ہی دم کٹے ہوئے (جانور) کی۔ اور اِسی طرح اُس جانور کی قربانی درست نہیں ہے جسکے کان کا زیادہ حصہ کٹ گیا ہو یا اُس کے دم کا زیادہ حصہ کٹ گیا ہو۔ بہر حال جب اُس کے کان کا دو تہائی حصہ باقی ہو اور اس کا ایک تہائی ختم ہو گیا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔ اور اِسی طرح پوپلے جانور کی قربانی درست نہیں ہے اور یہ وہ جانور ہے جسکے دانت ٹوٹ چکے ہوں، بہر حال جب اس کے زیادہ دانت باقی ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔ اور اِسی طرح "سکّاء" جانور کی قربانی درست نہیں ہے اور یہ وہ جانور ہے جسکے پیدائشی طور پر کان نہ ہوں۔ اور اِسی طرح قربانی درست نہیں ہے تھن کے سرے کٹے ہوئے جانور کی۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ مزید کچھ عیبوں کا تذکرہ فرماتے ہیں جو بعض اوقات قربانی سے رکاوٹ بنتے ہیں اور بعض حالات میں نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عَرجاء یعنی لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں یعنی جو بالکل لنگڑا ہو یا اس قدر لنگڑا ہو کہ صرف تین پاؤں زمین پر رکھتا ہو اور چوتھا پاؤں زمین پر رکھ ہی نہیں سکتا یا چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا تو ہے لیکن چوتھے پاؤں سے چل نہیں سکتا تو ان تینوں صورتوں میں اُس کی قربانی درست نہیں ہے۔ البتہ اگر چلتے ہوئے چوتھے پاؤں کو زمین پر ٹیک کر اس سے سہارا لے کر اور لنگڑا کر چل سکتا ہو تو اس چوتھی صورت میں اس کی قربانی درست ہے۔

حَيَوَانٌ مَهْزُوْلٌ: سے مراد ایسا دُبلا پتلا مریل جانور ہے جسکی ہڈیوں میں گودا ختم ہو چکا ہو، ان مذکورہ جانوروں کی قربانی کے جائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ چار جانور قربانی میں جائز نہیں، صاف کانا ہو، واضح مریض ہو، واضح طور پر لنگڑا ہو، اور جو انتہائی کمزور ہو۔

مَقْطُوْعُ الْأُذُنِ ، مَقْطُوْعُ الذَّنَبِ: اگر جانور کا پورا کان اسی طرح پوری دُم یا کان کا زیادہ حصہ اسی طرح دُم کا زیادہ حصہ کٹا ہوا ہو تو "لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ" کے قانون سے اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ہم جھانک کر دیکھیں آنکھ، کان کو اور ذبح نہ کریں کانے اور کان کٹے ہوئے کو یعنی جانور کے کان اور آنکھ کی سلامتی کی تحقیق کر لیا کریں۔ البتہ اگر کان اور دُم تھوڑی بہت کٹی ہوئی ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

فائدہ: چونکہ دُم ایک کامل عضو ہے تو وہ بھی کان کی طرح ہے۔

فائدہ: کان اور دم کے اکثر حصہ سے کتنا حصہ مراد ہے؟ تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا قول أَمَّا إِذَا بَقِيَ ثُلُثَا أُذُنِهِ الخ یہ أَكْثَر کی تفسیر ہے کہ ایک ثلث (تہائی، تیسرا حصہ) اور اس سے کم یہ تھوڑا ہے اور ثلث سے زیادہ یعنی دو ثلث (دو تہائی) کثیر ہے۔

هَتْمَاء: پوپلا یعنی جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر دانت ٹوٹ چکے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اور اگر دو چار دانت ٹوٹے ہوں زیادہ باقی ہوں اور چارہ کھانے میں زیادہ دشواری نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔

فائدہ: دانتوں کے بارے میں علماء کرام کے دو قول ہیں: (۱) اکثر دانتوں کا باقی رہنا کافی ہے۔ (۲) گھاس کھانا کافی ہے یعنی دانتوں سے چونکہ گھاس کھانا مقصود ہے تو اگر جانور گھاس کھا سکتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے چاہے دانت ہوں یا نہ ہوں، زیادہ ہوں یا تھوڑے ہوں۔ کتاب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو لیا ہے۔

سَكَّاء: جس جانور کے پیدائشی طور پر دونوں کان نہ ہوں یا ایک نہ ہو یا دونوں کانوں کا یا ایک کا اکثر حصہ کٹ گیا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں، البتہ اگر کان ہیں لیکن بالکل چھوٹے چھوٹے ہیں تو قربانی جائز ہے۔

مَقْطُوْعَةُ رُؤُوْسِ الضَّرْعِ: جس کو عربی میں حَذَّاء کہتے ہیں یعنی جس جانور کے تھن کٹے ہوئے ہیں تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ تھن میں تفصیل یہ ہے کہ بکری کے دو تھن ہوتے ہیں لہٰذا اگر ایک تھن کاٹ دیا جائے یا خشک ہو جائے تو اس بکری کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اور

گائے، بھینس، اونٹنی کے چار تھن ہوتے ہیں لہٰذا اگر دو تھن کٹ گئے یا خشک ہو گئے تو ان کی قربانی جائز نہ ہو گی، لیکن اگر گائے یا بھینس یا اونٹنی کے چار تھنوں میں سے صرف ایک تھن کٹ جائے یا خشک ہو جائے تو اس کی قربانی درست ہے۔

فائدہ: جانور میں عیب پائے جانے کے تین مواقع ہیں جن کے احکامات الگ الگ ہیں: (۱) خریدتے وقت جانور عیب دار ہو، مذکورہ بالا تفصیل اس پہلے موقع سے متعلق تھی کہ خریدتے وقت جانور کا عیب قربانی کے لئے رکاوٹ ہے خواہ مالدار خریدے یا غریب۔ (۲) خریدتے وقت جانور صحیح سالم تھا، لیکن بعد میں عیب دار ہو گیا تو اگر قربانی کرنے والا مالدار ہے تو اس پر دوسرا جانور خرید نا ضروری ہے جو صحیح سالم ہو، اور اگر وہ فقیر ہے تو اُسی عیب دار جانور کی قربانی کر سکتا ہے، دوسرے سالم جانور کی قربانی اس پر لازم نہیں ہے۔ (۳) جانور پہلے سے صحیح سالم تھا لیکن ذبح کرنے کرنے کے لئے لٹانے کی کوشش کرتے ہوئے (اچھل کود، بھاگ دوڑ وغیرہ کی وجہ سے) عیب دار ہو گیا تو اس کی قربانی جائز ہے قربانی کرنے والا خواہ مالدار ہو یا غریب۔ (البحر الرائق، الجوہرۃ النیرۃ، ہدایہ، بہشتی زیور، در مختار وغیرہ)

مَصْرِفُ لُحُوْمِ الْأَضَاحِيْ وَجُلُوْدِهَا۔ يَجُوْزُ لِلْمُضَحِّيْ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْ لُحُوْمِ الْأُضْحِيَةِ۔ كَذَا يَجُوْزُ لَهٗ أَنْ يُّطْعِمَ الْفُقَرَاءَ. وَالْأَغْنِيَاءَ مِنْ لُحُوْمِ الْأُضْحِيَةِ۔ اَلْأَفْضَلُ أَنْ يُوَزِّعَ لُحُوْمَ الْأُضْحِيَةِ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ۔ يَتَصَدَّقُ بِالثُّلُثِ, وَيَدَّخِرُ الثُّلُثَ لِنَفْسِهٖ وَلِعِيَالِهٖ. وَيَتَّخِذُ الثُّلُثَ لِأَقْرِبَائِهٖ وَأَصْدِقَائِهٖ۔ إِنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ اللُّحُوْمِ فَهُوَ أَفْضَلُ۔ وَإِنِ ادَّخَرَ جَمِيْعَ اللُّحُوْمِ لِنَفْسِهٖ وَلِعِيَالِهٖ جَازَ۔ إِذَا كَانَتِ الْأُضْحِيَةُ مَنْذُوْرَةً فَلَا يَحِلُّ لَهُ الْأَكْلُ مِنْهَا مُطْلَقًا. بَلْ يَتَصَدَّقُ بِهَا جَمِيْعًا۔ وَيَجُوْزُ لِلْمُضَحِّيْ أَنْ يَّسْتَعْمِلَ جِلْدَ الْأُضْحِيَةِ فِيْ مَصْرِفِهٖ وَكَذَا يَجُوْزُ لَهٗ أَنْ يُّهْدِيَ جِلْدَهَا إِلٰى غَنِيٍّ۔ وَلٰكِنْ إِذَا بَاعَ جِلْدَهَا فَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَّتَصَدَّقَ بِثَمَنِهٖ۔ وَلَا يُعْطِيْ أُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْ لُحُوْمِ الْأَضَاحِيْ, وَلَا مِنْ ثَمَنِ جُلُوْدِهَا۔

حلِّ لغات: مَصْرِف؛ صیغہ واحد بحث اسم ظرف از باب ضرب بمعنی خرچ کرنے کی جگہ جمع مَصَارِف۔ يُوَزِّعُ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل مضارع معروف مثال واوی از باب تفعیل بمعنی تقسیم کرے۔ إِدَّخَرَ؛ صیغہ واحد مذکر غائب اثبات فعل ماضی معروف صحیح از باب افتعال اصل میں إِذْتَخَرَ تھا بر وزنِ إِجْتَنَبَ پھر باب افتعال کے قواعد میں سے قاعدہ نمبر ا (کہ جب فاءِ افتعال دال، یا ذال، یا زا کلمہ ہو تو تاءِ افتعال کو وجوباً دال سے بدل دیتے ہیں) کی بنیاد پر تاءِ افتعال کو دال سے بدل دیا گیا تو إِذْدَخَرَ بن گیا بعد ازاں اسی قاعدہ نمبر (ا) کی بنیاد پر فاءِ افتعال جو کہ ذال ہے دال سے بدل دیا گیا تو إِدْدَخَرَ بن گیا پھر دال کو دال میں مدغم کر دیا گیا تو إِدَّخَرَ بن گیا بمعنی وقتِ ضرورت کے لئے چھپا کر رکھا۔ اَلْجَزَّارُ؛ بمعنی قصائی، گوشت بنانے والا، جانور ذبح کرنے والا۔

ترجمہ: قربانیوں کے گوشتوں اور اُنکی کھالوں کے خرچ کرنے کی جگہ۔ قربانی کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ قربانی کے گوشتوں میں سے کھائے۔ اسی طرح اُس کے لئے جائز ہے کہ محتاجوں اور مالداروں کو قربانی کے گوشتوں میں سے کھلائے۔ بہتر یہ ہے کہ قربانی کے گوشتوں کو تین حصوں میں تقسیم کرے۔ ایک تہائی صدقہ کر دے۔ اور ایک تہائی اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے رکھے۔ اور ایک تہائی اپنے رشتہ داروں اور اپنے دوست احباب کے لئے رکھے۔ اگر سارا گوشت صدقہ کر دے تو یہ بہت بہتر ہے۔ اور اگر پورا گوشت اپنے

لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے ذخیرہ کر کے رکھے تو یہ بھی جائز ہے۔ جب قربانی نذر مانی گئی ہو تو نذر ماننے والے کے لئے کسی صورت میں کھانا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو پورا صدقہ کرے۔ اور قربانی کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ قربانی کی کھال کو اپنی جائے ضرورت میں استعمال کرے، اور اسی طرح اُس کے لئے جائز ہے کہ قربانی کی کھال کسی مالدار کو ہدیہ کر دے۔ لیکن جب قربانی کی کھال کو بیچ ڈالے تو اس پر واجب ہے کہ کھال کی قیمت کو صدقہ کر دے۔ اور ذبح کرنے والے (قصائی) کی مزدوری قربانی کے گوشت سے ادا نہ کرے اور نہ ہی قربانی کی کھالوں سے۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ قربانی سے متعلق دو باتیں بیان فرماتے ہیں: (۱) قربانی کے گوشت کے مصارف اور طریقۂ استعمال۔ (۲) قربانی کی کھال کے مصارف اور طریقۂ استعمال۔

پہلی بات: قربانی کرنے والے کو اختیار ہے چاہے تو قربانی کا گوشت خود کھائے اور اپنے بچوں کو کھلائے، اور چاہے تو غریبوں، مالداروں کو کھلائے، اور چاہے تو اپنے لئے ذخیرہ بھی کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ" ترجمہ: "سو کھاؤ اُس میں سے اور کھلاؤ بدحال محتاج کو" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میں تم کو قربانیوں کے گوشت سے منع کرتا تھا پس اس میں سے کھایا کرو اور ذخیرہ کر کے رکھا کرو" یہ تو خود کھانے کے جائز ہونے کی دلیل ہوگئی۔ اور جب اس کا کھانا جائز ہے حالانکہ قربانی کرنے والا مالدار ہے تو دوسرے مالدار کو کھلانا بھی جائز ہوا یہ دلیل ہوگئی مالدار کو کھلانے کے جائز ہونے کی۔

اَلْأَفْضَلُ الخ: اس سے پہلے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے گوشت کے استعمال کا جائز طریقہ بیان فرمایا اب یہاں سے مستحب طریقہ بیان فرماتے ہیں، کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں: (۱) ایک تہائی حصہ فقراء میں تقسیم کر دے لازم اور ضروری نہیں۔ (۲) دوسرا تہائی حصہ خود اپنے اور گھر والوں کے لئے رکھے۔ (۳) تیسرا تہائی حصہ اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب کے لئے رکھے۔ کیونکہ قرآن وحدیث سے خرچ کرنے کی تین بنیادیں معلوم ہوتی ہیں: ایک خود کھانا، دوسری ذخیرہ کرنا، یہ دونوں باتیں مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوئیں، تیسری بنیاد دوسرے کو کھلانا ہے جیسا کہ سورۂ حج کی آیت ۲۸، ۳۶ سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا مستحب یہی ہے کہ ایک تہائی حصہ پورا صدقہ کرے اس سے کم نہ کرے۔

إِنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ الخ: سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ طریقہ کہ گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے یہ مستحب ہے، لہٰذا اگر کوئی سارا گوشت فقراء پر صدقہ کر دے تو یہ بہت بہتر ہے۔

وَإِنِ ادَّخَرَ الخ: اور اگر سارا گوشت خود اپنے گھر میں رکھ لے اور خود کھائے تو بھی جائز ہے اور قربانی بلا کراہت درست ہے کیونکہ قربانی کا اصل مقصد "اِراقہ" یعنی خون بہانا ہے جو حاصل ہو چکا ہے۔

إِذَا كَانَتِ الْأُضْحِيَةُ مَنْذُوْرَةً الخ: اس سے پہلے اس قربانی کا تذکرہ کیا جس کا گوشت خود بھی کھانا جائز ہے، دوسرے مالداروں کو بھی کھلانا جائز ہے اور فقراء کو بھی کھلانا جائز ہے۔ اب مندرجہ بالا عبارت میں اس قربانی کے گوشت کا حکم بیان فرماتے ہیں جس کا گوشت کسی بھی صورت میں نہ خود کھانا جائز ہے نہ دوسرے مالدار کو کھلانا جائز ہے بلکہ وہ صرف محتاج کا حق ہے، اور یہ وہ قربانی ہے جس کی آدمی منت مان لے

کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میرے ذمہ اللہ کے لئے قربانی ہے، پھر وہ کام ہو گیا تو اب قربانی کرنا واجب ہے چاہے یہ نذر ماننے والا مالدار ہو یا غریب، اب اس نذر مانی ہوئی قربانی کا سارا گوشت صرف فقیروں کو خیرات کر دے۔

فائدہ: یہی حکم وصیت کی قربانی کا بھی ہے کہ اگر کسی مرنے والے نے مرنے کے وقت وصیت کی کہ میرے مال میں سے میری طرف سے قربانی کی جائے اور اس کی وصیت پر اُسی کے مال سے اس کے مرنے کے بعد قربانی کی گئی تو اس قربانی کے تمام گوشت وغیرہ کا خیرات کر دینا واجب ہے۔ غیر مستحق لوگوں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب، البحر الرائق، رد المحتار، الفتاوی السراجیہ، بہشتی زیور)

وَيَجُوْزُ لِلْمُضَحِّيْ أَنْ يَّسْتَعْمِلَ الخ: یہاں سے دوسری بات (قربانی کی کھال کے مصارف اور طریقہ استعمال) بیان فرماتے ہیں: چنانچہ بہتر یہی ہے کہ قربانی کی کھال یوں ہی صدقہ میں دی جائے یا بیچ کر اس کی قیمت خیرات کر دے، کیونکہ کھال بھی قربانی کے جانور کا ایک حصہ ہے، تاہم اس کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا بھی جائز ہے بشرطیکہ بعینہٖ اسی کھال کو دباغت (مسالے وغیرہ) دے کر استعمال کیا جائے جیسے اس سے چھلنی بنوالی، یا مشکیزہ، یا ڈول، یا جائے نماز، یا موزہ، یا دستر خوان، یا تھیلا بنوالیا۔ یا اس کے بدلہ میں کوئی باقی رہنے والی چیز لے لی جائے، مثلاً کھال دے کر کوئی برتن، چارپائی، صندوق، مصلّٰی وغیرہ کوئی ایسی چیز لے لی جسکے باقی رہنے کے ساتھ ساتھ اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو تو مالک کے لئے کھال سے ان دو طریقوں کے مطابق فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

فائدہ: اگر کھال کے بدلہ میں کوئی ایسی چیز لے لی جو باقی رہنے والی نہیں مثلاً کھال دے کر نمک، دودھ، مسالہ، گندم وغیرہ لے لیا تو ان چیزوں کو خود استعمال نہیں کر سکتا ان کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

وَكَذَا الخ: یعنی قربانی کی کھال بعینہٖ کسی کو بھی ہدیہ کر سکتے ہیں اس میں فقیر یا غنی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

وَلٰكِنْ إِذَا بَاعَ الخ: اس سے پہلے یہ بات بیان فرمائی کہ جب تک کھال موجود ہے تو اس میں دو اختیار ہیں: (۱) خود استعمال کرے، (۲) کسی کو ہدیہ کر دے۔ اب یہاں سے یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ جب کھال بیچ دی تو اب اس کی قیمت کو نہ خود استعمال کر سکتا ہے نہ کسی مالدار کو ہدیہ کر سکتا ہے بلکہ اب اس کی قیمت کو صدقہ کرنا لازم ہے، اور صدقہ بھی ان لوگوں کو دینا جائز ہے جن کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے یعنی مستحق لوگوں کو جو مالدار نہیں۔

فائدہ: کھال کی قیمت میں جو پیسے ملے ہیں بعینہٖ انہی پیسوں کو صدقہ کرنا چاہیئے، تاہم اگر وہ پیسے اپنے کسی کام میں خرچ کر دیئے اور اُتنے ہی پیسے اپنے پاس سے اور دیدیئے تو یہ مکروہ ہے، مگر صدقہ ادا ہو جائے گا۔

وَلَا يُعْطِيْ الخ: قربانی کے گوشت، کھال، کھال کی قیمت، چربی، اُون، آنتیں وغیرہ کسی جز سے ذبح کرنے اور گوشت بنانے والے قصائی کی اجرت ادا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اجرت الگ سے دی جائے۔

فائدہ: قربانی کی کھال کے ساتھ اس کی رسّی، جھول وغیرہ سب چیزیں خیرات کر دینی چاہئیں۔

فائدہ: قربانی کا گوشت فروخت کرنا: اصل یہی ہے کہ قربانی کا گوشت فروخت نہ کیا جائے، بلکہ اپنے استعمال میں لائیں یا مستحقین اور ضرورتمندوں میں تقسیم کریں، لیکن اگر گوشت اتنا زیادہ ہے کہ اس کے خراب اور ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ضائع کرنے کے

بجائے بہتر ہے کہ اس کو فروخت کر کے اسکی قیمت فقراء میں تقسیم کر دی جائے، گوشت بیچنے کے بعد قیمت کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے بلکہ صدقہ کرنا واجب ہے۔

فائدہ: قربانی کے جانور کا دودھ: اگر قربانی کے لئے متعین کردہ گائے یا بھینس دودھ دینے والی ہو تو اس کا دودھ اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، بلکہ یا تو دودھ نکالیں ہی نہیں اور اگر جانور کو تکلیف ہو اور دودھ نکالنا ضروری ہو تو نکال کر صدقہ کرنا واجب ہے۔ نیز قربانی کے جانور پر سواری کرنا، سامان لادنا، کرایہ پر دینا یہ سب باتیں ناجائز ہیں۔

فائدہ: قربانی کی قضاء: کسی پر قربانی واجب تھی، لیکن قربانی کے تین دن گذر گئے اور اُس نے قربانی نہیں کی تو اگر کوئی متعین جانور اس نے قربانی کی نیت سے نہیں لیا تھا تو اب قضاء کی دو صورتیں ہیں: (۱) یا تو زندہ جانور صدقہ کر دے۔ (۲) یا ایک پورے جانور کی قیمت غریبوں پر صدقہ کر دے۔ اور اگر کوئی متعین جانور قربانی کی نیت سے خرید لیا تھا چاہے مالدار نے خریدا ہو یا غریب نے تو وقت گذرنے کے بعد اُسی جانور کو غریبوں پر زندہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (عالمگیری، کتاب الاختیار، بہشتی زیور بحوالہ در مختار مع ردالمحتار)

تمام شد جلد دوم

بروزِ جمعہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ ۱۵ مئی ۲۰۲۰ء بوقت ۳:۴۰ بعد از ظہر

مَصَادِر وَمَرَاجِع

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف کا نام اور تاریخ وفات
۱	کتاب الاختیار لتعلیل المختار	العلامہ عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۶۸۳ھ
۲	فتاوی قاضی خان	للامام فخر الدین الحسن بن منصور المعروف بقاضی خان الاوزجندیؒ، المتوفی: ۵۹۲ھ
۳	البحر الرائق، شرح کنز الدقائق	العلامہ محمد بن حسین بن علی الطوری رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۱۱۳۸ھ
۴	النہر الفائق، شرح کنز الدقائق	للامام سراج الدین محمود بن ابراہیم بن نجیم الحنفی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۱۰۰۵ھ
۵	الفتاویٰ السراجیۃ	العلامہ سراج الدین ابو محمد علی بن عثمان بن محمد التیمی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۵۶۹ھ
۶	الدر المختار	العلامہ علاء الدین محمد بن علی الحصنی الاثری، المعروف بالحصکفیؒ، المتوفی: ۱۰۸۸ھ
۷	رد المحتار علی الدر المختار	العلامہ محمد امین بن عابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۱۲۵۲ھ
۸	حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح	للامام العلامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۱۲۳۱ھ
۹	غنیۃ المستملی، شرح منیۃ المصلی المعروف بکبیری	العلامہ الشیخ ابراہیم الحلبی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۹۵۶ھ
۱۰	الجوہرۃ النیرۃ، شرح مختصر القدوری	للامام ابو بکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۸۰۰ھ
۱۱	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ	العلامہ عبد الرحمن الجزائری رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۱۳۶۰ھ
۱۲	بہشتی زیور	حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۱۳۶۲ھ
۱۳	معارف الحدیث	حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۴ مئی ۱۹۹۷ء
۱۴	قاموس الفقہ	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مد ظلہم
۱۵	کتاب المسائل	حضرت مولانا محمد سلمان منصور پوری صاحب مد ظلہم
۱۶	تفہیم الفقہ	حضرت مولانا محمد نعیم صاحب مد ظلہم
۱۷	تسہیل الحقائق	حضرت مولانا نصیب اللہ خان صاحب مد ظلہم
۱۸	مصباح اللغات	ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی: ۱۹۷۱ء